بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ المضیرہ

ابوھریرہ
تاریخ کے
آئینہ میں

تصنیف
علامہ محمود ابوریہ (مصر)

ترجمہ
سید محمد موسیٰ رضوی

نظرثانی
سید حسین مرتضیٰ

ادارۂ عظمت انسانیت
انسان عظیم ہے — انسان واحد ہے
تنویر منزل ۳/۴۸۱ ۔ لیاقت آباد ۔ کراچی

نام کتاب: شیخ المضیرۃ

طبع: اوّل ۱۳۹۸ھ یکم محرم (۱۹۷۷ ع)

مؤلف: شیخ محمود ابوریہ (مصر)

ترجمہ: سیّد محمد موسیٰ رضوی

اہتمام: انصار حسین واسطی

پیشکش: امیر علی سجن

طابع: المشہد پرنٹنگ ایجنسی
۴۸۱/۳ لیاقت آباد کراچی

طباعت: ابنِ حسن پرنٹنگ پریس کراچی

قیمت :- ۲۰/۰۰ روپئے

ناشر

ادارۂ عظمتِ انسانیت

۴۸۱/۳ - لیاقت آباد کراچی

ترتیب

ابتدائیہ

عرض ناشر

قاری سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس زمانے میں کسی کتاب کا پیش کرنا کس قدر دشوار ہے مگر حوادث زمانہ کا مقابلہ بھی بہرحال اہل حق پر واجب ہے۔

زیر نظر کتاب علامہ محمود ابوریہ کی تالیف ہے جسکا ترجمہ جناب سید محمد موسیٰ رضوی صاحب نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود انتہائی لگن، کاوش اور جانفشانی سے کیا اس کا اندازہ قاری کو کتاب پڑھنے کے بعد خود ہی ہو جائیگا نیز ترجمہ پر نظر ثانی کا اہم فرض سید حسین مرتضیٰ ایم اے، ریسرچ اسکالر نے انجام دیا ہے۔

لیکن قاری کو بخوبی علم ہے کہ صرف ان مراحل سے گزرنے کے بعد کتاب زیور طبع سے مزین نہیں ہوتی اس اہم اور کٹھن منزل سے گزرنے میں ہماری معاونت جناب امیر علی ساجن صاحب نے کی۔ جناب امیر علی ساجن صاحب اگر ہماری ہمت افزائی نہ فرماتے تو شاید یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک نہ پہنچتی۔ سچ ہے کہ اللہ نیک کام کے لئے اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم الرحیم محترمی امیر علی ساجن صاحب کو اپنے لطف و کرم سے مزید نوازے۔

ناشر
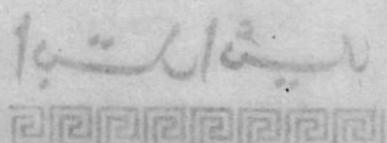
پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جب دنیا میں اسلام کی صبحِ صادق طلوع ہوئی تو اللہ کی بات اور نبیؐ کی ذات بس یہی دو حقیقتیں تھیں جو دینِ الٰہی کا علمی سرمایہ قرار پائیں۔ آیتیں اترتی رہتی تھیں اور صاحب "وما ینطق عن الھویٰ" ان کی توضیح و تشریح فرماتے جاتے تھے۔ کبھی زبان سے، کبھی عمل سے اور گاہے کسی کے قول و فعل کے بارے میں رضایت مندانہ خاموشی کے ذریعے۔

خدا کی کتاب اور رسولؐ کا خطاب، کہنے کو تو دو چار لفظ ہیں مگر ان ہی چند لفظوں میں اسلام کے متاعِ دین و دانش کی آفاق گیر تاریخ چھپی ہوئی ہے!

وحیِ الٰہی یا قرآن کریم گفتار و کردارِ رسولؐ یا مجموعۂ حدیث و سنت عرفان و آگہی کے وہ سرچشمے ہیں جن سے تمام علومِ اسلامی کے دریا موجزن ہوئے!

پیارے نبی نے کبھی فرازِ منبر سے معرفت کے پھول برسائے کبھی محرابِ مسجد میں خلوص کے بے مثال سجدے بسائے۔ دوستوں کی محفل میں بیٹھے تو ان کے دل کی ساری کدورتیں دور کر کے آگے بڑھے۔ کبھی لوح و قلم کی حفاظت کا انتظام گاہے تیغ و علم کی بلندی کا اہتمام!

غرض کہ نفس نفس اور قدم قدم حضورؐ کے وجودِ گرامی کی ہر جنبش اور ذاتِ اقدس کے ہر انداز سے علم کے سوتے پھوٹے اور عمل کی روشنی معین ہوئی۔

یعنی تفسیر کی طرح بڑی فقہ کا ظہور ہوا، امن و ترقی کے سانچے بنے، دفاع

واستحکام کے اسلوب سامنے آئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ کائنات بشری ایک انقلاب آفریں سیرت اور ایک تاریخ ساز دور سے متعارف ہوئی۔

حضور اکرمؐ کے بعد آپ کے باصلاحیت جانشینوں نے ان آثار جلیلہ کو اپنے کلیجے سے لگایا اور پھر خون جگر دے کر انھیں اس سلیقے سے پھیلایا کہ سلسلۂ حدیث کے ہر نقش جمیل نے ایک مستقل اور وسیع علم کی صورت اختیار کر لی!

اسلام کے خزانہ عامرہ میں دانش و بینش کے لعل و گہر ملتے ہیں، وہ سب حدیث کی بدولت ہیں۔ حدیث نہ ہوتی تو خدا جانے ہم کتنے بڑے سرمائے سے محروم ہو جاتے!

مگر ان تمام حقائق کے باوجود حدیث پر بہت کڑے وقت آئے، بڑی سخت افتاد پڑی۔ چشم فلک نے ایک وہ دور دیکھا کہ اس نوع سخن پر زبان کٹتی تھی۔ کسی کی مجال جو حدیث کا نام لے سکے! پھر اس پر کام کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ البتہ چند گنے چنے لوگ تھے جنھیں تلوار کے پانی میں زندگی کی موجیں نظر آتی تھیں۔ بس وہی اس متاع بے بہا پر اپنی جانیں چھڑکتے رہے۔

ایمان کی بات یہ ہے کہ اگر یہ سراپا ہمت اور ہمہ تن خلوص ہستیاں نہ ہوتیں تو پھر حدیث کا خدا ہی حافظ تھا۔

اور لیجئے اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ کیجئے۔ یا تو حدیث پر پابندی کا یہ عالم کہ نہ کوئی لکھے نہ پڑھے نہ سنے نہ سنائے۔ بڑے بڑے حافظان حدیث دن بھر منہ سیئے رہتے۔ پھر بھی راتوں کو عتاب و سزا کے بھیانک خواب دیکھتے! اور جب حالات نے پلٹا کھایا تو معلوم ہوا کہ پورے بلاد اسلامیہ میں "حدیث سازی" کے بے شمار کارخانے لگ گئے ہر شہر میں راویوں کی ریل پیل ہو گئی اور گلی گلی اخبار فروشی کی دکانیں سج گئیں!

یا اللہ! — یا بآں بے نمکی و یا باین شورا شوری! خیر! وقت کی یہ الٹ ایسی نہیں تھی جو قابل فہم رہتی۔ بالآخر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ حکومت کی نوازش

نے اس شعبہ کو کلیدی صنعت کا درجہ دیا ہے اور سیاست کی کرم فرمائیوں سے بھی روایتوں کی پیداوار میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی ہے!

اس عہد کی ایک اور قابل ذکر خصوصیت یہ کہ پیشہ ور اور تربیت یافتہ راویوں نے نو بہ نو حدیثیں ڈھالنے میں تو حیرت انگیز حد تک چابکی کی صفائی دکھائی تھی۔ غضب یہ کہ ان آفت کے پرکالوں نے ہزاروں حدیثوں کے ساتھ کوئی ڈیڑھ سو صحابہ بھی گھڑ ڈھالے اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کے بیسیوں کردار اور کارنامے بھی تخلیق کر لیئے! مگر حیرت ہے کہ ان روح فرسا اقدامات کے خلاف کوئی محاذ نہیں لگتا۔ کوئی آواز نہیں اٹھتی! آخر کیوں؟ شاید اس لیئے کہ یہ عوامی سطح کا مسئلہ نہیں تھا اور خاص لوگ ارباب اقتدار کی دلچسپیوں کا احترام واجب گردانتے ہوں گے۔ لبعض علماء نے توجیہ و تاویل کا سہارا لیا ہوگا اور کچھ دانشوروں نے یہ کہہ کر چپ سادھ لی ہوگی کہ ؎

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

لیکن وہی محافظ جماعت اور قدرشناس گروہ جس نے اپنا خون پسینہ ایک کر کے ذخیرہ حدیث کو ملیا میٹ ہونے سے بچایا تھا اس صبر آزما موقع پر بھی کام آیا۔ یعنی امت مسلمہ میں آثار نبویؐ کی عظمت، اہمیت اور تقدس کے احساس کو زندہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ رشد و ہدایت کے اس عظیم اثاثے کو کانٹ چھانٹ کرنے دغل فصل، ترمیم و تحریف سے محفوظ رکھنے کا شعور بھی پیدا کر دیا!

یہ خلوص و فدویت میں رچی ہوئی جماعت وہ تھی جس کے راس و رئیس "باب مدینۃ العلم" امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ ہاں! یہ علی ہی تھے جنھوں نے جمع و تدوین حدیث کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی پرواہ کئے بغیر بار بار یہ اعلان فرماتے رہے کہ "علم و دانش کو قلمبند کر لو" نیز علیؑ ہی نے حدیث کی قدر و قیمت سمجھنے کے لیۓ مسلمانوں کو یہ وقیع نظریہ عطا فرمایا کہ "نادان لوگ تو روایت تک پہنچ کر رہ جاتے ہیں مگر دانشمند کا ذہن درایت کی بلندیوں کو

چھوتا ہے۔

مکتب علویؑ کے اس انداز تبلیغ و تلقین کا یہ اثر ہوا کہ وہ کلمہ گو جو ہر سیاسی خرافات کو پیغمبر خداؐ کی بات سمجھ کر سرِ تسلیم خم کرنے کے عادی ہو گئے تھے وہ جاگ گئے اور کسی قول کو قبول کرنے سے پہلے اسے جانچنے پرکھنے اور اس کی اصل و حقیقت معلوم کرنے پر اتر آئے۔ اور پھر رفتہ رفتہ یہ جذبہ یہاں تک بڑھا کہ صاحبان فکر و نظر نے روایت کی ساخت اور راوی کی شناخت کیلئے قاعدے قانون بنا ڈالے!

اس تمام علمی جد و جہد سے جہاں علم حدیث میں قیامت کا نکھار آیا وہاں دانش مندوں میں کلمہ حق کہنے کی بھی غیر معمولی جرأت پیدا ہو گئی! جو لوگ شخصیتوں سے مرعوب رہتے تھے جرح و تعدیل کے اصول نے انھیں توانائی بخش دی۔ اور اس توانائی سے زبان و قلم میں بے باکی آ گئی! اور اس بے باکی نے زندگی کے ہر شعبہ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

چنانچہ علماء کا یہ شعار بن گیا کہ وہ ہر معاملہ کا احتساب کرنے لگے اور ہر مسئلہ پر تنقیدی نگاہ ڈالنا شروع کر دی۔

سید جمال الدین افغانی اس مزاج کا بہترین مظہر تھے اور جامعہ ازہر میں انھوں نے جو فکری تربیت کی مہم شروع کی تھی شیخ محمد عبدہٗ مرحوم اس کا عظیم شاہکار ثابت ہوئے پھر ان کے شاگردوں میں شیخ مصطفےٰ عبد الرزاق اور شیخ محمد مصطفےٰ مراغی کی شخصیتیں ابھریں تو شیخ عبد المجید سلیم نے ان ہی سے فیض حاصل کیا۔ پھر شیخ محمد شلتوت کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ شیخ عبد المجید سلیم کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر اپنے جوہر دکھائیں۔ شیخ محمود ابوریہ شلتوتؒ ہی کے شاگرد رشید ہیں اور شیخ المضیرہ ابو ہریرہ آپ ہی کی علمی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ابوریہ نے حق گوئی و بے باکی اپنے اسلاف سے ورثہ میں پائی تھی، مگر حرف حق بلند کرنے کے لئے بڑے دل جگر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ نعمت بھی انھیں حاصل تھی۔ شیخ ابوریہ نے اپنی اس وقیع تصنیف میں جس جرأت و ہمت کا مظاہرہ کیا ہے بہت کم لوگوں سے اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ وہ خود "احادیث

عائشہؓ" کے مصنف علامہ سید مرتضیٰ عسکری مدظلہ سے مخاطب ہو کر اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ :

"میں نے اس میدان میں قدم رکھ کر بڑے کڑوے گھونٹ پئے ہیں - آپ بھی میرے ہمسفر ہیں - خدا کرے کہ استقامت و پامردی ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے"

شیخ المضیرہ پڑھنے کی چیز ہے - اور اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے - عزیزم سید محمد موسیٰ رضوی نے اس کا ترجمہ کر کے ذوقِ سلیم کا ثبوت دیا ہے - رضوی صاحب کو علم اسلامی میں بھی دستگاہ حاصل ہے اور وہ لسانیات پر بھی خاصی قدرت رکھتے ہیں - اس لئے ترجمہ میں بڑی خوبیاں ہیں -

خداوند عالم ان کی توفیقات میں مزید اضافہ فرمائے اور ہماری یہ بھی دعا ہے کہ وہ ہمیشہ علمی مشاغل میں منہمک رہیں -

سید ابنِ حسن نجفی

رئیس دانشگاہ اسلامی - کراچی

حدیث کی سرگزشت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروردگارِ عالم کی حمد و ثنا اور رسول و اہلبیت رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام پر درود سلام :۔

"قرآن حکیم" کے بعد مسلمانوں کے لئے سب سے محترم، سب سے زیادہ قابل توجہ اور واجب الاتباع چیز "حدیث" ہے۔ ہم یہاں "حدیث" کے مفہوم سے بحث نہیں کر رہے ہیں کیونکہ یہ بات اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے، یہاں تو ہمیں صرف اتنی سی بات کرنا ہے کہ "حدیث"، "فقہ اسلامی" کا دوسرا اہم مآخذ اور حکم قرآنی کے مطابق تمام مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے، کیونکہ "حدیث" کے بغیر "قرآن حکیم" کا سمجھنا اور اس کے احکام پر عمل کرنا ناممکن ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے :۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ [1]

"ہم نے کسی کو رسول کو اس کے علاوہ اور کسی مقصد کے تحت نہیں بھیجا کہ خداوند عالم کی اجازت سے اس کی اطاعت کی جائے۔"

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ [2]

"جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خداوند عالم کی

---

[1] سورۂ نساء (۴) آیت ۶۴ [2] سورۂ نساء (۴) آیت ۸۰

اطاعت کی "

اس لئے اے رسولؐ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۵۳

"اگر تم لوگ اللہ عزوجل سے محبت کا دم بھرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ عزوجل تمہیں چاہنے لگے گا"

کیونکہ اس کا حکم ہے کہ :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ ۵۴

"اے صاحبان ایمان! اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی فرمانبرداری اختیار کرو (اور ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کرکے) اپنے اعمال ضائع نہ کرو"

اور اس کا یہ حکم اس لئے ہے کہ :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ ۵۵

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی بات اپنی خواہش سے کہتے ہی نہیں، وہ تو جو کچھ کہتے ہیں وہ قطعی طور پر سوائے اس وحی کے کچھ ہوتا ہی نہیں جو ان پر خداوند عالم کی طرف سے نازل کی جاتی ہے"

یہی وجہ تھی کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں "قرآن حکیم" کی حفاظت کے سلسلہ میں یہ اہتمام کیا کہ ہر آیت کو نازل ہوتے ہی اصحاب کے حافظوں میں محفوظ کروانے سے پہلے اس کو تحریری صورت میں محفوظ کرانے کے سلسلہ میں سختی اور پابندی اختیار کی وہیں حدیث کے سلسلہ میں اصحاب کو بار بار محتاط رہنے اور اسے محفوظ کرنے

---

۵۳ سورۂ آل عمران (۳) آیت ۳۱ ۵۴ سورۂ محمدؐ (۴۷) آیت ۳۳ ۵۵ سورۂ نجم (۵۳) آیت ۳

کی جانب متوجہ رہنے کی شدید تاکید فرمائی اور ایک طرف :۔

" فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ " ۵۶

" جو لوگ سامنے موجود ہیں وہ ہمارا پیغام ان لوگوں تک
پہنچا دیں جو اس وقت یہاں نہیں ہیں ۔"

نیز :۔

" قَيِّدُوا العِلْمَ بِالكِتَابِ " ۵۷

" تحریر کے ذریعہ علم کو محفوظ کر لو ۔"

جیسے احکام جاری فرما کر مسلمانوں کو حفاظت و اشاعتِ حدیث کی طرف توجہ دلائی اور دوسری جانب نہ صرف یہ کہ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السّلام کو " صحیفۂ علی علیہ السلام " کے نام سے مشہور ہونے والی مفصل " امالی " املاء کروائی جو تمام احکام شریعت پر محیط تھی[۵۸]، بلکہ دوسرے معتمد اصحاب کو بھی احادیث محفوظ کرنے اور انہیں اہل لوگوں تک پہنچانے کے سلسلے میں ایسی تربیت دی جس کی بناء پر خود عہدِ نبوی میں اس " امالی " کے علاوہ مسند سلمان محمدی رضوان اللہ علیہ صحیفۂ ابوذر رضوان اللہ علیہ، مسند ابوذر رضوان اللہ علیہ اور حضرت ابو رافع رضوان اللہ علیہ کی " کتاب السنن والاحکام " جیسی کتابیں وجود میں آئیں ۵۹

لیکن، اسلام اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسلسل کامیابیوں سے

---

۵۶ ابن شعبہ حرانی رحمۃ اللہ تحف العقول ص ۳۴

۵۷ ابن شعبہ حرانی رحمۃ اللہ : تحف العقول ص ۳۶

۵۸ آغا بزرگ رحمۃ اللہ : الذریعہ ج ۲ ص ۳۰۶ – ۳۰۷ و ابی داؤد : سنن ج ۲ ص ۲۹۱ و کلینی رحمۃ اللہ : الکافی ج ۱ ص ۱۸۳ و ۱۸۵ – ۱۸۸ و مسلم : صحیح ج ۱ ص ۴۴۲ و ۵۹۴ و ج ۲ ص ۱۶۱ و نجاشی رحمہ اللہ : رجال ص ۲۵۵ تفصیلات اور حوالوں کے لئے حسین : شعبہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین ص ۳۹-۴۸

۵۹ ملاحظہ فرمائیے حسین : شعبہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین ص ۴۹ و ۵۰ صدر : تاسیس الشیعہ ص ۲۸۰-۲۸۲

سے کفار و مشرکین اور دوسرے اسلام دشمن عناصر بہت زیادہ پریشان تھے۔ انھیں نے ان کامیابیوں کے تسلسل کو روکنے کے لئے بہت سی رکاوٹیں پیدا کیں لیکن انہیں ہر طرف سے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، تب انھوں نے منافقت کا طریقہ اختیار کیا جس کے ذریعہ انھوں نے ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان اور مومن بنا کے پیش کیا۔ اس طرح وہ مسلمانوں کی صفوں میں در آئے اور وہ بھی صحابہ میں شمار ہونے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنی اس موقعیت سے سوء استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور ان کے درمیان سوء تفاہم اور تشکیک پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ دشمنان اسلام کی یہ حرکت اتنی زیادہ خطرناک تھی کہ خداوند عالم کو بار بار مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین کرنا پڑی اور قرآن حکیم نے خداوند عالم کو بار بار مسلمانوں کو ان سے بچنے کی تلقین کرنا پڑی۔ اور قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر پوری قطعیت کے ساتھ ان کے صفات اور ان کے مقاصد پر روشنی ڈال کر مسلمانوں کو متنبہ فرمایا۔ چنانچہ سورۂ بقر کی ابتدائی آیتوں میں ان کا ذکر یوں کیا گیا ہے کہ:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ ۵ٔ

"لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے تو ہیں کہ ہم اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آئے ہیں لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اپنی دانست میں (یہ کہہ کر) اللہ عزّ وجل اور ایمان لانے والے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ یہ (لاشعوری طور پر) اپنے نفوس کے علاوہ اور کسی کو دھوکا نہیں دے پاتے۔ ان لوگوں کے دلوں میں مرض نے گھر کرلیا ہے اور (چونکہ یہ اس کی پرورش کر رہے ہیں اس لئے) خداوند عالم نے اس مرض کو اور بڑھا دیا ہے، اور ان کے لئے اس جھوٹ کی وجہ سے بہت دردناک عذاب ہے جس کو انھوں نے اپنا وتیرہ بنا رکھا ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اپنے نفاق کے ذریعہ) زمین میں فساد کو عام نہ کرو تو یہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم لوگ تو اصلاح چاہتے ہیں، یاد رکھو! کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ فسادی ہیں، لیکن یہ اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔ اور جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ جس طرح لوگ ایمان لائے ہیں، اسی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں کی مانند ایمان لے آئیں خبردار رہو! کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ احمق و نادان اور عقل سے پیدل ہیں۔ لیکن یہ اس بات کو جانتے نہیں ہیں۔ اور ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ جب مومنین سے ملتے ہیں تو

۵ٔ سورۂ بقرہ (۲) آیات ۸ تا ۱۵

کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب اپنے شر پسند رہنماؤں (شیاطین) کے پاس خلوت میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، بے شک ہم ان لوگوں کو بنا رہے ہیں۔ (نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے یہ مومنین سے استہزار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ) اللہ ان کو بنا رہا ہے اور انہیں ڈھیل دے رہا ہے اور یہ اپنی سرکشی میں خود ہی بھٹک رہے ہیں۔"

اس کے باوجود اس نفاق نے اتنی زیادتی اختیار کی کہ خداوند عالم کو کمال قطعیت کے ساتھ فرمانا پڑا کہ :-

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ [۱۱]

"جب منافقین آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقیناً آپؐ اللہ کے رسول ہیں (تاکہ اس طرح وہ آپؐ کی قربت حاصل کر کے اپنے بُرے مقاصد حاصل کر سکیں) اور اللہ (یہ بات اچھی طرح) جانتا ہے کہ آپؐ یقیناً اس کے رسول ہیں اس کے باوجود وہ (ان کے نفاق کی پردہ دری کے لئے) گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ یہ منافق اپنے قول میں جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے قسموں کو اپنی ڈھال بنا رکھا ہے اور اس کے ذریعہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ بے شک یہ جو کچھ کر رہے ہیں بہت

---

[۱۱] سورۂ منافقون (۶۳)، آیات ۱، ۲

بُرا کر رہے ہیں"۔

اسی کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً ان کی شرارتوں کی جانب متوجہ کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے صحابہ میں بابصیرت قسم کے افراد تو ان کی نیتوں اور شخصیتوں کو پہچان گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی ان کی شرارتوں کی جانب توجہ دلاتے رہے لیکن سادہ لوح قسم کے صحابہ ان منافقین کے زیرِ اثر رہے اور صحابی ہونے کے ناطے ان کے خلاف ہونے والی درست باتوں کو بھی غلط سمجھتے رہے۔ ان منافقین کے پیشِ نظر سب سے اہم کام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کو ہر پہلو سے کمزور بنانا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ خدا کا پیغام اور دینِ اسلام آپؐ سے اس طرح وابستہ ہے کہ اسے آپؐ کی ذات اقدس سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اسلام کی اشاعت کو روکنے اور اس کے قوانین کو بے اثر بنانے کا سب سے مؤثر طریقہ یہ ہے کہ آپؐ کی شخصیت کو مشتبہ اور بے اثر بنا دیا جائے۔ اس لئے انھوں نے اور بہت سی نازیبا حرکتوں کے ساتھ ساتھ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق غلط بیانی سے کام لینا شروع کر دیا اور سادہ لوح صحابہ کے درمیان خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں پوری ڈھٹائی کے ساتھ الٹی سیدھی باتیں آپؐ سے منسوب کر کے مشہور کرنا شروع کر دیں۔ اسی بنا پر مومنین کرام کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ :-

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡٓا [۱۲]

"اے ایمان لانے والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم خوب اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو"۔

---

[۱۲] سورۂ حجرات (۴۹) آیت ۶

خلاف ہو اسے ترک کر دو۔"

"یہی سبب ہے کہ صحابہ کے درمیان بہت سی متضاد روایتیں عام تھیں، سادہ لوح قسم کے صحابہ اس تضاد پر نظر نہیں رکھتے تھے، اور بعض صحابہ میں ان متضاد روایتوں کی وجہ سے مختلف قسم کے غلط رجحانات پیدا ہو رہے تھے لیکن محتاط اور ذمہ دار افراد ان باتوں پر غور کرتے اور ان کی چھان بین کی کوشش کرتے تھے سُلیم بن قیس ہلالی اسی ہی قسم کے ایک عالم تھے۔ اس لئے انھوں نے امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے عرض کی:۔

"مولا! میں نے سلمان، مقداد اور ابوذر رضوان اللہ علیہم سے قرآن حکیم کی ایسی تفسیریں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی احادیث سُنی ہیں جو عام طور سے لوگوں کے معلومات کے خلاف ہیں۔ لیکن ان باتوں کی تصدیق میں نے آپؐ سے بھی سُنی ہے، نیز میں نے لوگوں کے پاس تفسیر اور حدیث کے سلسلہ میں ایسی باتیں دیکھی ہیں، کہ آپ حضرات ان کی مخالفت فرماتے ہیں۔ تو کیا آپؐ کے خیال میں لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتے اور اپنی رائے سے قرآن حکیم کی تفسیر کرتے ہیں!

"سُلیم کی یہ بات سُنکر امیر المومنین علیہ السّلام آگے بڑھے اور آپعؑ نے فرمایا:۔

"تم نے سوال کیا ہے تو جواب کو خوب اچھی طرح سمجھ لو! دیکھو!

"لوگوں (کے درمیان جو تفسیر وحدیث متداول ہے اس میں ان) کے پاس حق و باطل، سچ اور جھوٹ، ناسخ و منسوخ، عام اور خاص، محکم و متشابہ اور حفظ و وہم (یعنی الٹکل پچو قسم کی باتیں) سب کچھ موجود ہے۔"

"پھر، حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں بھی لوگ آپؐ پر جھوٹ باندھتے تھے (اور اس بات میں ان کی ہمتیں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ یہاں تک کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا:۔

"لوگو! مجھ پر جھوٹ باندھنے کی رسم بہت بڑھ گئی ہے اس لئے خبردار رہو (اور جان لو) کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا جہنم ہی میں تلاش کرے"

"اس کے باوجود آپؐ پر آپؐ کی رحلت کے بعد بھی جھوٹ باندھا جاتا رہا۔ اس لئے یاد رکھو!

"تم سے جو لوگ حدیث بیان کرتے ہیں وہ قطعی طور پر چار قسموں میں اس طرح محصور ہیں کہ ان کی کوئی پانچویں قسم ہے ہی نہیں۔

"ان میں سے پہلی قسم اس شخص کی ہے جو منافق ہے اور ایمان کا اظہار کرتا ہے، بناوٹی طور پر اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ وہ نہ گناہ سے بچتا ہے اور نہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ و آلہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنے میں کوئی باک محسوس کرتا ہے

"تو اگر لوگ یہ جان لیں کہ یہ شخص منافق اور جھوٹا ہے تو نہ تو وہ اس کی بات قبول کریں اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں، لیکن ان کا حال یہ ہے کہ وہ (سوچے سمجھے اور پرکھے بغیر) کہتے ہیں کہ:- اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل کیا ہے ان کی زیارت سے مشرف ہوا ہے اور ان کی گفتگو سُنی ہے۔ اس لئے وہ اگرچہ اس کے حال سے بے خبر ہیں لیکن اس سے روایت لے لیتے ہیں۔

"حالانکہ خداوند عالم نے انہیں منافقین سے پوری طرح باخبر کر دیا ہے اور ان کا پورا تعارف فرمایا ہے، چنانچہ اس صاحب عزت وجلال نے فرمایا:-

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ [۱۵ك]

"کہ جب تم انہیں دیکھو گے تو ان کا ڈول تمہیں ورطۂ حیرت

[۱۵ك] سورۂ منافقین (۶۳): آیت ۴

میں ڈال دے گا اور جب وہ کوئی بات کہیں گے تو تم سنتے ہی
رہ جاؤ گے (کہ کتنے حسین و خوب صورت ہیں اور کتنی عقل
مندی کی باتیں کرتے ہیں !!"

"پھر یہ لوگ، آپؐ کے بعد بھی باقی رہے اور انھوں نے بیہودہ باتوں، جھوٹ اور بہتان کے ذریعہ گمراہی کے پیشواؤں اور جہنم کی آگ کی جانب بُلاتے والے افراد کا تقرب حاصل کرلیا، یہاں تک کہ ان لوگوں نے اُن منافقین کو معاملات کا نگراں بنادیا، انھیں لوگوں کی گردنوں پر مسلط کردیا اور ان کے ذریعہ (خوب جی بھر کر) دنیا کو کھایا۔ یقیناً لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور دنیا صرف اسی کا ساتھ دیتی ہے جو اللہ عزّ وجل کی نافرمانی کرے۔

"ان میں دوسری قسم کا آدمی وہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی بات سُنی لیکن وہ اُسے ٹھیک سے سمجھ نہ سکا (یا یاد نہ رکھ سکا) اور وہ اس سلسلہ میں وہم اور شبہ میں مبتلا ہوگیا، لیکن وہ اس بات کے سلسلہ میں جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بول رہا ہے جو اس کے پاس ہے۔ اس لئے وہ اسے کہتا ہے، اس پر عمل کرتا ہے اور یہ کہہ کر اس کی روایت کرتا ہے کہ :-

"میں نے اسے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
سُنا ہے،،

" تو اگر مسلمانوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ وہم ہے تو وہ اسے نہ مانیں اور اگر خود اسے یہ معلوم ہوجائے کہ یہ وہم ہے تو وہ خود بھی اسے چھوڑ دے۔

" ان میں سے تیسری قسم اس شخص کی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی بات کا حکم دیتے ہوئے سُنا، پھر آپؐ نے اس سے منع فرمایا۔ لیکن یہ ممانعت اس کے علم میں نہیں آئی، یا اس نے آپؐ کو کسی کام سے منع فرماتے ہوئے سُنا پھر آپؐ نے اسے انجام دینے کا حکم دیا، لیکن یہ دوسری بات اس کو معلوم نہ ہوئی۔ تو اس طرح اس نے منسوخ کو یاد رکھا اور ناسخ کو یاد نہ رکھ سکا۔

"اب، اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ بات منسوخ ہے تو وہ خود ہی اسے چھوڑ دے۔ اور اگر مسلمانوں کو اس کی بات سنتے وقت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ منسوخ ہے تو وہ بھی اسے چھوڑ دیں۔

"ان میں آخری اور چوتھی قسم اس شخص کی ہے جو کسی حال میں آپؐ پر جھوٹ نہیں باندھتا، کیونکہ وہ اللہ عزّ وجل کے خوف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کے سبب جھوٹ سے نفرت کرتا ہے اور نہ ہی وہ بھولتا ہے۔ بلکہ جو چیز سنتا ہے اسے (پورے مفاہیم کے ساتھ) بعینہٖ یاد رکھتا ہے۔ پھر وہ اسے اسی طرح بیان کرتا ہے۔ جس طرح اس نے اسے سنا تھا۔ وہ نہ اس میں کوئی بات بڑھاتا ہے اور نہ اس میں کوئی چیز کم کرتا ہے۔ نیز وہ ناسخ و منسوخ کا عالم بھی ہے اس لئے وہ ناسخ پر عمل کرتا اور منسوخ کو ترک کرتا ہے۔

"کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام بھی قرآن حکیم کے احکام کی طرح ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ ہیں، نیز کبھی کبھی آپؐ کی گفتگو پہلو دار بھی ہوتی تھی، جس کے دو رُخ ہوتے تھے: ایک عام اور ایک خاص، جیسے قرآن حکیم۔

"چنانچہ اللہ عزّ وجل نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا [16]

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو چیز تمہارے پاس لائیں اسے اختیار کر لو اور وہ جس سے تمہیں روکیں اس سے رک جاؤ۔"

"اس لئے ایسی گفتگو ان لوگوں کے لئے مشتبہ ہو جاتی تھی جو اس بات سے پروردگار عالم اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراد لئے ہوئے معانی کی

---

[16] سورۂ حشر (۵۹): آیت ۷

معرفت اور علم نہیں رکھتے تھے ؛"

کیونکہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سب کے سب ایسے نہیں تھے جو کسی چیز کے متعلق سوال کر کے اسے سمجھ لیتے ہوں۔ بلکہ ان اصحاب میں ایسے بھی تھے جو سوال تو کر لیتے تھے لیکن جواب سمجھ نہیں پاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ یہ چاہنے لگے تھے کہ کوئی بدو یا اجنبی مسافر آ کے آپؐ سے کچھ پوچھے تاکہ وہ بھی کچھ سُن سکیں۔"[۱۷]

امیر المومنین علیہ السّلام نے اس خطبہ میں حدیث سے متعلق اہم ترین تاریخی اور نفسیاتی حقائق کو انتہائی مجمل انداز میں واضح طور پر بیان فرما دیا ہے۔ یہی تاریخی اور نفسیاتی عوامل تھے جن کی بنا پر علماء اسلام کی روایات کے متون اور اسناد کی جانچ پڑتال کے لئے ٹھوس قواعد بنانا پڑے اور اس علم کو " علم درایت " کا نام دیا گیا۔

" علم اصول حدیث " یا " علم درایت " کا کام یہ قرار پایا کہ وہ روایات کے اسناد اور متون کو پرکھ کر حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی نسبت کی صحت و عدم صحت پر فیصلہ صادر کرے تاکہ اس کی سچائی کے ثبوت کے بعد اس پر عمل اور اس کے جعل کے ثبوت کے بعد اس کو رد کرنے کا مرحلہ آسان ہو سکے اور مسلمان شکوک و شبہات کی وادیوں میں بھٹکنے سے محفوظ رہیں۔

اس علم کے ذیل میں کسی بھی روایت کی صحت و سقم کی پرکھ کے لئے سب سے پہلے راوی کی حیثیت پر بحث کی جاتی ہے، کہ اگر وہ قابل اعتبار اور سچا ہو تو اس کے علمی مرتبہ کے مطابق اس بات کی روایت کو قبول کر لیا جائے اور اگر وہ مشتبہ حیثیت کا مالک،

۱۷۔ کلینیؒ: الکافی ج ۱ ص ۶۲ ـ ۶۴، اس کے علاوہ ملاحظہ فرمائیے: ابن شعبہ حرانیؒ: تحف العقول ص ۱۹۳ ـ ۱۹۶، سید رضی: نہج البلاغہ خطبہ ۲۰۱ اور دوسرے ماخذ۔

ثقۃ الاسلام کلینی رحمۃ اللہ نے اس کی سند یوں بیان فرمائی ہے :۔

علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن حماد بن عیسٰی، عن إبراھیم بن عمر الیمانی، عن أبان بن ابی عیّاش، عن سُلَیم بن قیس الھلالی"

دروغ گو، منافق یا نسیان کا مریض ہو تو مراتب کے مطابق اس کی روایت کو رد کر دیا جائے

اہل السنۃ الجماعۃ کے عظیم مصری عالم اور بالبصیرت و مسلّم محقق شیخ محمود ابوریہ مرحوم کی کتاب "شیخ المضیرہ ابوہریرہ" جو دانش گاہ اسلامی کے ایک مؤسس رکن دانشمند محترم جناب سید محمد موسیٰ صاحب رضوی بالقابہ کی کوششوں سے اپنے فارسی ترجمہ کے واسطہ سے اُردو زبان میں آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اسی فن کے ذیل میں حدیث کے ایک ایسے راوی کے حالات اور اس کی حیثیت پر گفتگو کرتی ہے جو اصول درایت کی زد میں آنے کے سبب مسلمان علماء و محققین کے نزدیک بالاتفاق ایک بے اعتبار حیثیت کا حامل ہے، لیکن بہرحال وہ صحابہ کی صف میں شمار ہوتا ہے اور اس نے نہ صرف یہ کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے منسوب بے شمار من گھڑت روایتیں بیان کرنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے بلکہ مسلم و بخاری جیسے بڑے بڑے راویوں کی مسلّم کتابوں میں بھی اس کی روایتیں بھرپور انداز میں شامل ہیں، جس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مسلمانان عالم انتشار و افتراق کا شکار ہو چکے ہیں بلکہ اکثر مسلمان علماء بھی بے شمار الجھنوں میں گرفتار نظر آتے ہیں

ابوہریرہ پر شیعہ سُنی علماء درایت نے ہر زمانہ میں سخت جرح کی ہے اور انہیں راوی حدیث کی حیثیت سے تقریباً متفقہ طور پر رد کر دیا ہے۔

چنانچہ شیخ ابوریہ نے اپنی اسی کتاب میں شرح نہج البلاغہ کے حوالہ سے جہاں امیر المومنین علیہ السّلام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :-

"اکذب الاحیاء علیٰ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لأبوھریرۃ الدوسی [۱۸]

"زندوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سب

---

[۱۸] ابوریہ : شیخ المضیرہ ص ۱۳۵

سے زیادہ جھوٹ باندھنے والا شخص ابوہریرہ دوسی ہے۔"

وہاں شیخ محمود ابوریہ اور سید شرف الدین موسوی رحمۃ اللہ نے بالترتیب اپنی کتابوں شیخ المضیرہ اور ابوہریرہ میں موصوف پر خلفاء ثلاثہؓ اور جناب عائشہؓ کی سخت تنقید و تکذیب نقل کی ہے اسی کے ساتھ ان حضرات نے تابعین اور ان کے بعد کے اکابر فقہاء و علماء کی جانب سے بھی اسی قسم کی آراء بیان کی ہیں اور ابن سعد کی طبقات، ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان اور اس پایہ کی دوسری بات بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرنے والے خود بھی ابوہریرہ کے بارے میں ان اکابرین کی رائے سے آگاہ ہیں۔

مگر، اس کا کیا کیا جائے! کہ عام مسلمان اپنی سادہ لوحی کی بنا پر آج کے روشن دور میں بھی "فریبِ ابوہریرہ" کا شکار ہیں، اور صحابی ہونے کے ناتے ان پر کسی قسم کی تنقید برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ ان کے عقیدے کے مطابق نعوذ باللہ خود حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی بعض معاملات کے سلسلہ میں خطا و نسیان کا امکان نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور آپؐ کو بھی معصوم عن الخطا نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔

عجیب بات تو یہ ہے، کہ اسلام دشمن عناصر نے بڑی ہوشیاری سے ایک طرف تو رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت کو کمزور کرنے کے لئے مسلمانوں کے ایک گروہ کے درمیان یہ بات عقیدے کے طور پر عام کردی دوسری طرف مسلمانوں میں تشتت و افتراق عام کرنے کے لئے اسی گروہ میں آپؐ ہی کی نسبت سے اعزاز پانے اور محترم گردانے جانے والے صحابہ کے متعلق یہ متضاد عقیدہ راسخ کر دیا کہ وہ صحابی ہونے کے ناتے عدول اور معصوم عن الخطاء ہیں، اور ان پر کسی قسم کی تنقید روا نہیں ہے !!!

یہی وجہ ہے کہ ابوہریرہ کے متعلق ہر قسم کے معلومات کے باوجود عام مسلمان ان کی شخصیت کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے، ان پر ہونے والی ہر تحقیق کو بدعت سمجھتے اور

ان کے متعلق کہی جانے والی کسی سچی بات کو ماننے کے لئے کسی قیمت پر آمادہ نظر نہیں آتے ہیں۔

لیکن ــــ کیا، اس قسم کے رجحانات کی پشت پناہی اور ان کی نشو ونما کا اہتمام کسی بھی صورت مناسب ہے۔؟

ظاہر ہے، ہر دانش مند اور ہر بابصیرت مسلمان کے نزدیک اس سوال کا جواب یہی ہوگا کہ اس قسم کے رجحانات کو ہر قیمت پر ختم کرنیکی ضرورت ہے، اور مسلمانان عالم کو اس قسم کے رجحانات سے نجات دلانا یا نجات دلانے کی کوشش کرنا راہ حق میں ایسا جہاد ہے جس کا اجر انشاء اللہ المستعان کبھی ضائع نہیں ہوسکتا۔

اسی بنا پر، مختلف اکابر علماء اہل سنن نے بھی اس قسم کے موضوعات پر بڑی جرأت سے قلم اٹھانا شروع کر دیا ہے اور وہ بھی اس میدان میں قابل تحسین اقدامات کر رہے ہیں۔ ان ہی موضوعات میں سے ایک ابوہریرہ کی شخصیت سے متعلق ہے جس پر شرق وسطیٰ کے عظیم المرتبت علماء نے وقیع تحقیقات، کی ہیں۔ جن میں ایک کتاب کو جو آیۃ اللہ شرف الدین موسوی رحمۃ اللہ کی تالیف ہے۔ مولانا محمد باقر صاحب قبلہ نقوی صدر الافاضل مدظلہ العالی اردو زبان میں منتقل کر کے کھجوا ہندوستان سے شائع فرما چکے ہیں اور دوسری کتاب یہ ہے جو دانشمند محترم جناب سید محمد موسیٰ صاحب بالقابہ کی محنتوں کے ثمر کے عنوان سے آپ کے سامنے پاکستان سے اُردو زبان میں پیش کی جارہی ہے، تاکہ ہم وطنان عزیز بھی علم ودین کے بارے میں بین الاقوامی رجحانات، جدید تحقیقات اور مسلم الثبوت علماء کے افکار سے مستفید ہو کر راہِ حق میں پیش قدمی کے لئے ٹھوس اقدامات کے قابل ہوسکیں۔

شیخ محمود ابوریہ نے جن حالات میں اس موضوع پر کام کیا اور اس کام کے بعد انہیں جن مصائب ومشکلات کا سامنا کرنا پڑا وہ فطری تو ضرور تھیں لیکن ان کا مقابلہ شیخ موصوف ہی کا کام تھا، جس کی بنا پر وہ یقیناً اجر کے مستحق ہیں اور ان کے مساعی ہم سب کی نظر میں مستحسن اور قابل اتباع ہیں۔

دانش مند محترم جناب سید محمد موسیٰ صاحب رضوی دامت توفیقاتہ بھی ہم سب کی صمیمانہ دعاؤں اور مخلصانہ تعاون کے مستحق ہیں جنہوں نے اس کتاب کو اُردو میں منتقل فرما کر نصرت حق کا فریضہ سرانجام دیا اور آگے بڑھ کر مجاہدین کی صف میں شامل ہو گئے۔

خداوند عالم سے دُعا ہے کہ وہ موصوف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے، امام زمانہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔ اور ہم سب کو ایمان کی سلامتی کے ساتھ شہادت کا مرتبہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحق محمد وآلہ الطاہرین

مآخذ :-

۱۔ قرآن حکیم

۲۔ آقائی بزرگ تہرانی رحمۃ اللہ، شیخ محمد محسن م: ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء:
الذریعہ الی تصانیف الشیعہ (عربی) نجف اشرف، ۱۳۵۵ھ

۳۔ ابن شعبہ حرانی رحمۃ اللہ، حسن بن علی بن حسین بن شعبہ:
تحف العقول عن آل الرسول صلی اللہ علیہم (عربی) تہران ۱۳۷۶ھ

۴۔ ابوریہ، شیخ محمود مصری:-
شیخ المضیرۃ ابوہریرہ (عربی)، مصر، طبع ثالث ۱۹۶۰ء

۵۔ ابی داؤد، حافظ سلیمان بن اشعث سجستانی م: ۲۷۵ھ
السنن لابی داؤد (عربی)، مصر ۱۳۶۹ھ/۱۹۶۰ء

۶۔ حسین مرتضیٰ سید:-
شیعہ کتب حدیث کی تاریخ تدوین (اردو) کتاب خانہ دانش گاہ پنجاب، ٹائپ شدہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء

۷۔ سید رضی رحمہ اللہ، محمد بن حسین بن موسیٰ م ۴۰۶ھ/۱۰۱۵ء:

نہج البلاغۃ (عربی و اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۶۳ء

۸۔ شرف الدین رحمۃ اللہ، سید عبد الحسین موسوی :۔

ابوہریرہ (عربی) نجف اشرف طبع ثالث ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء

۹۔ صدر رحمۃ اللہ سید حسن م: ۱۳۵۴ھ :

تاسیس الشیعۃ لعلوم الاسلام (عربی) کاظمین ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء

۱۰۔ کلینی رحمۃ اللہ، ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب م ۳۲۸ یا ۳۲۹ھ/۹۴۰ یا ۹۴۱ء

الکافی (عربی)، تہران، ۱۳۸۸ھ

۱۱۔ مسلم، مسلم بن حجاج قشیری م ۲۶۱ھ :۔

الصحیح للمسلم (عربی) کراچی، ۱۳۴۹ھ

۱۲۔ نجاشی رحمۃ اللہ، ابوالعباس احمد بن علی احمد بن عباس م: ۴۵۵ :

رجال نجاشی (عربی) بمبئی، ۱۳۱۷ھ

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ۔

والسلام علی محمد و آلہ الطاہرین وعجل فرجہم

سید حسین مرتضیٰ

ڈائریکٹر ریسرچ سیل

دانش گاہ اسلامی، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولین

خداوند علی و اعلیٰ کے اعترافِ وحدانیت و رحمانیت کے بعد اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مدح و ثنا کے ساتھ۔ زیر نظر کتاب پر ابتدائی اور اسبابی گفتگو کی سعادت حاصل کر رہا ہوں تاکہ صاحبِ فکر و نظر قاری مولف کے نظریات کی گہرائیوں تک پہنچ سکے۔ اور کلام کی رُوح کو پا سکے۔

اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ " تمام صحابہ عادل ہیں یعنی ان میں سے کسی کی پیروی کر لو، نجات پاؤ گے۔" یہ مشہور قول ہے جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا۔ اور اس قول سے تحریم و تکریم صحابہ رضوان اللہ علیہم ثابت ہے۔ مگر یہ فرمان صرف ان افراد ہمعصر کے لئے ہے کہ جو صحابیت کے معیار کو آخر تک باقی رکھے ہوئے تھے اور جن میں شرائطِ صحابیت موجود تھیں۔

مُسلم گھرانے میں پیدا ہونے والا اور کلمہ پڑھنے والا ہر فرد مسلمان ہے۔ مگر ایسا کوئی بھی شخص صرف آئینی حیثیت کا مُسلمان ہے نا کہ حقیقی مسلمان اور مومن! یعنی وہ اپنے والدین کے ترکے کا وارث ہے۔ اس کا نکاح اسلامی طریقے پر ہوگا۔ اور تجہیز و تکفین بھی اسلامی طریقے پر ہی ہوگی۔ اور بس! پوری ہوئی رسمِ مُسلمانی!!

لیکن حقیقی مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویدار قرآن و سنّت پر بھی عمل پیرا ہو۔ یعنی متقی ہو، مومن ہو، عابد ہو، زاہد ہو، صابر ہو، رحم دل ہو، صادق و امین ہو، ہمدرد و پرہیزگار ہو اور مجاہد ہو تب ہی حقیقی معنیٰ میں مسلمان کہلانے کا مستحق ہوگا۔ لیکن اگر کوئی ان شرائط کو پورا نہ کرتا ہو۔ تب بھی ہم اس کو مسلمانوں کے زمرے میں شمار کرنے پر مجبور ہیں۔ گو! مراعاتی اور آئینی حد تک ہی سہی مگر بہر حال مسلمان ہی سمجھنا ہوگا۔ بالکل یہی صورت صحابہ کے لئے بھی ہے۔ یعنی ہر وہ فرد صحابی کہلائے گا

جس نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سرسری سا ہی دیدار کر لیا ہو۔ یعنی آئینی طور پر بظاہر صحابی کہلانے کے لیے ہوش و حواس، سن و شعور اور ایمان و ایقان کی کوئی شرط نہیں ہے۔ آپؐ کے وصال سے ذرا قبل پیدا ہونے والا ہر وہ فرد صحابی ہے جو مدینہ کی حدود اور مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہو۔!

ہمارے نزدیک تمام صحابہ معزز و محترم ہیں مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ صحابی کی حیثیت سے شہرت پانے والا ہر شخص صحابیت کے اعلیٰ و ارفع معیار پر پورا نہیں اُتر سکتا تو ہر صحابی "اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ" کے زمرے میں کس طرح آسکتا ہے۔ اور اس اصول کو پرکھنے کے لئے ہمارے پاس قرآن، حدیث، تاریخ اسلام، عقل و شعور اور حقیقت پر مبنی دلائل موجود ہیں۔ اگر اس عنوان پر کوئی تفصیلی گفتگو کی جائے تو کئی ضخیم صفحے ترتیب پا جائیں۔ مگر ظاہر ہے کہ ہم اس عنوان پر کوئی مستقل کتاب ترتیب نہیں دے رہے ہیں بلکہ صرف زیرِ نظر کتاب کی اشاعت کے سبب پر گفتگو کر رہے ہیں۔ لہٰذا انتہائی مختصراً چند اشارے اور بس! تفصیل سے جاننے والوں کے لئے بازار میں اکثر کتب موجود ہیں۔

پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نفاق ہمیشہ سینوں میں چھپا ہوتا ہے! ظاہر ہو تو شرک ہے!! یعنی منافق وہ ہے جو بظاہر مسلمان بھی ہو! مگر بہ باطن مسلمان نہ ہو، بلکہ دشمنِ خدا، دشمنِ رسول، دشمنِ امام اور دشمنِ اسلام ہو۔ اور یہ بھی طے ہے کہ ہم مسلمانوں کی صفوں میں اکثر منافق ہیں جو اپنے نفاق کے ذریعے ان صفوں میں انتشار پھیلا کر اسلام کی قوت کو کمزور کرنے کی مذموم سعی کرتے رہتے ہیں۔ قرآن نے ایک سو سولہ[۱۱۶] مقامات پر منافقین کا تذکرہ کیا ہے اور اکثر مقامات پر خداوند قدوس نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔" اے رسولؐ! آپ کے اطراف بیٹھنے اور مومن

ہونے کا دم بھرنے والوں میں اکثر منافق ہیں۔"

چنانچہ قرآن میں ہے:۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(سورۃ منافقون [۶۳] آیت ۱،۲)

ترجمہ:۔ اے (رسول) جب منافقین تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اقرار کرتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ بھی جانتا ہے کہ یہ لوگ (اپنے اعتقاد کے لحاظ سے) یقیناً جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو سپر بنا رکھا ہے اور یہ (اسی کے ذریعہ سے) لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ بیشک یہ لوگ جو اس طرح کے کام کرتے ہیں بے حد بُرے ہیں۔

اس ضمن میں اکثر احادیث بھی محدثین نے نقل کی ہیں نیز تاریخ اسلام کے لکھنے والوں نے اکثر واقعات بیان کئے ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے ہمیں اکثر روایات ملتی ہیں۔ مثلاً وہ تمام مرتدین جن کی سرکوبی کے لئے خلافت اولیٰ کے دور میں مہمیں روانہ کی گئیں۔

ان تمثیلات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابی کہلانا آسان ہے مگر صحابیت کی منزل پر فائز ہونا دشوار۔

ہمارے نزدیک بھی صحابی قابلِ تعظیم و تکریم اور لائق اتباع و پیروی ہیں: مگر صرف وہی صحابہ جنہوں نے صحابیت کا عظیم المرتبت مقام پانے اور اسے باقی رکھنے کے لئے پُر خلوص جدوجہد کی۔ حصول منزل اور ایفاء عہد و وفاداری کے لئے کٹھن سے کٹھن راہوں سے گزرے۔ بڑے سے بڑے شدائد و مصائب

برداشت کئے اور اس طرح کہ پیشانی پر بل تک نہ آنے دیا۔ جب ہم ان صحابہ کرام کی زندگانی پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ کفار مکہ کی بڑی سے بڑی پیشکش کو فقر و فاقہ اور آلام و مصائب کے عوض حقارت سے ٹھکراتے نظر آتے ہیں۔ اور یہ صرف اس لئے کہ وہ خود کو ایمان و الیقان کی اعلیٰ منازل پر فائز رکھ سکیں۔ پس! یہی وہ عظیم ہستیاں ہیں کہ جن کے سامنے جبینیں خود بخود جھک جاتی ہیں۔

یہی وہ معزز و محترم صحابہ عظام ہیں کہ جن کی وجہ سے آج بھی ایمان و الیقان کی شمع روشن ہے اور اسلامی و انسانی عظمتوں کے مینار بلند ہیں۔

انہی کی پیروی ہمارے لئے راہِ حیات اور باعثِ نجات ہے مگر ہمارے دین کی بنیاد چونکہ حق و صداقت پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نہ ہم کسی ناقص کو رہنما تسلیم کرتے ہیں اور نہ کسی غلط کار کا اتباع۔ اور ہم کسی سے بھی نہیں چاہتے کہ وہ ایسا کرے۔! ہم صاحبان عصمت و طہارت کے پیرو ہیں اور ہر ایک سے ایسا ہی کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ ہر شخص حق و باطل کے درمیان تمیز رکھے۔ یعنی حق کو حق جانے اور باطل کو باطل کی حیثیت سے پہچانے۔ اور اگر کوئی ایسا نہیں کرتا ہے تو گویا وہ انسانیت کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتا ہے۔

تحقیق کے نام پر باطل کی اشاعت کو بند ہو جانا چاہیئے:۔ کیونکہ تحقیق تلاشِ حق کا نام ہے۔ نا کہ اشاعت و تبلیغ باطل کا! مگر بعض مسلمانوں کی عجب حالت ہے۔ ان کے سامنے جب باطل کو حق کہا جائے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں اور حق کو باطل کہا جائے تو بھی کوئی اعتراض نہیں کرتے! یہی وجہ ہے کہ خارجی عناصر داخلی انتشار کے کام میں مصروف ہیں۔ اور کسی حد تک کامیاب بھی! انہیں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنی ناپاک سازشوں کو بروئے کار لانے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ یہ کینہ پرور عناصر ہزاروں سالہ پرانی دشمنیوں کو اب تک فراموش

نہیں کر سکے ہیں! یوں تو یہ دشمنیاں اور رنجشیں بہت قدیمی ہیں مگر زیادہ طور پر ان کی "طرح" احد، بدر، اور احزاب کی جنگوں کے بعد سے پڑی ہے اور آج تک باقی ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں کہ جو تحقیق کے نام پر آل رسولؐ اور محسنین اسلامؑ کو مخالف دین اور دشمن اسلام ثابت کرنے کی گھناؤنی کوششوں میں مصروف ہیں اور حقیقی دشمنان اسلام و منافقان دین کو محافظانِ دین و بانیان اسلام یا بانیانِ اسلام کا ہم رتبہ ثابت کرنے پر تُلے ہوتے ہیں۔ یہ خارجی عناصر تحقیق جدید و تفتیش عمیق کے نام پر ایک طرف تو خانوادہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب کم کرنے اور ان "یطھرکم تطھیرا" کی مصداق ہستیوں میں اخلاقی و انسانی خامیاں ثابت کرنے کی انتہائی کوششیں کر رہے ہیں اور دوسری طرف خاندانِ ابوسفیان و مروان کے نقائص کو دُور کر کے ملمع سازی کے کام میں مصروف ہیں اور وہ فضیلتیں جو رسولؐ و آل رسولؐ کے لئے مخصوص ہیں۔ آہستہ آہستہ ان کے نام منتقل کی جا رہی ہیں۔ تاکہ ان دونوں گھرانوں کو برابر کی سطح پر لا کر کھڑا کیا جا سکے۔ مفکرینِ اسلام اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ شرمناک کوششیں کن عوامل کی جانب سے ہو رہی ہیں مگر خاموش ہیں۔ اِنا معلوم کیوں؟ غالباً حُبِ معاویہ ہی ہو۔! یا پھر بغضِ علی علیہ السلام!! ان عوامل و عناصر کو تو مفکرین کے علاوہ عام مسلمان بھی خوب پہچانتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں کہ جو جناب رسالت مآبؐ کو ایک عام آدمی کا درجہ دیتے ہیں! یا زیادہ سے زیادہ بڑے بھائی کا رتبہ!! وہ بھی "تکلفاً" یا عام مسلمانوں کے خوف سے (خوف خدا ہرگز نہیں)۔ گو۔ جناب رسالتمآبؐ کو عام آدمی کہنے اور مُردہ تصوّر کرنے والے بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قرآن نے آپؐ کو نذیر، بشیر، شفیع اور رحمۃ للعالمین کے القابات سے نوازا ہے۔ آپؐ تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں اور عالمین مکہ، مدینہ،

جزیرہ عرب، یا صرف اس کرۂ ارض کا نام نہیں ہے۔ اور نہ ہی زمانہ ۶۱۰ء عیسوی سے ۶۳۲ء عیسوی تک محدود و مقید ہے۔ ہمارا ایمان ہے (تمام مسلمانوں کا) کہ گو آپؐ کا ظاہری وجود تو ہمارے درمیان صرف ترسیٹھ سال رہا ہے۔ مگر آپؐ تمام مخلوقات سے پہلے خلق ہوئے اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد تک موجود رہیں گے۔ یعنی آپؐ روز اوّل بھی ہمارے درمیان موجود تھے۔ آج بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ وجود ظاہری نہ ہو مگر وجود حقیقی تو بہر حال ہے اور رہے گا۔!

ان چہروں کا بے نقاب ہونا ضروری ہے:۔ جن چہروں کو ہم بے نقاب کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کے مفاد میں بھی۔ یہ وہی لوگ ہیں، جنہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام کی مخالفت کی۔ حتیٰ کہ مکّہ کی وسعتوں کو مسلمانوں پر تنگ کر دیا اور شہر حرام کو مسلمانوں کے لئے شہر عتّاب بنا دیا۔ بعد میں یہی مکّہ مدینہ کے مقابلہ میں ایک مضبوط کافر مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مگر جب مکّہ کی کافر فوجوں پر مسلمان مجاہدین کو جناب رسالت پناہؐ کی معیت میں فتح حاصل ہوئی اور خطۂ عرب پر ایک مضبوط اسلامی مملکت کے قیام کا وقت آیا تو کفار مکّہ کے سرکردہ سیاسی قائدین و سرداران قریش اور دشمنانِ اسلام بظاہر مسلمان ہو گئے مگر اس طرح کہ ان کے سینے بغض و کینہ اور عداوت و دشمنیِ اسلام سے لبریز تھے۔ وہ جو تمام قبائل عرب کو چند مسلمانوں کے مقابلے میں مجتمع کر کے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے تھے۔ آج صرف اس لئے مسلمان ہو گئے کہ اپنے ناپاک منصوبوں کو اندرونی طور پر سازشوں کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں کیونکہ رحم دل مسلمانوں اور شفیق رحمۃ للعالمینؐ کی تلوار سے بچنے کا ان کے پاس صرف ایک ہی ذریعہ تھا (ان کے خیال میں) اسی لئے مسلمان ہونا قبول کیا لیکن صرف آئینی مسلمان! نا کہ حقیقی مسلمان!! یہی وجہ ہے کہ

مسلمان ہوتے ہی خصوصی مراعات کے حصول کی فرمائشیں شروع کر دیں۔ چنانچہ ابوسفیان کے ایمان لاتے اور مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے تقریباً تمام مورخین اسلام نے یہ یا اسی قسم کے واقعات بیان کئے ہیں جن کو ہم یہاں مفہوماً نقل کر رہے ہیں۔

جب رسالت مآبؐ نے ابوسفیان سے پوچھا کہ "اے ابوسفیان کیا اب بھی تم کو اللہ کے معبودِ واحد ہونے کا یقین نہیں ہے" تو ابوسفیان نے جواباً کہا۔ "بے شک کوئی دوسرا خدا ہوتا تو وہ میرے کام ضرور آتا۔" جناب رسالت مآب نے فرمایا۔ "افسوس ہے تم پر کہ تم کو اب بھی میری رسالت کا یقین نہیں ہوا۔" ابوسفیان نے کہا۔ "ہاں اس باب میں مجھے اب بھی تردّد ہے۔" مگر پھر عباس بن عبدالمطلبؑ کے کہنے پر بلکہ تنبیہہ پر گھبرا کر کلمہ پڑھ لیا۔ مگر اس کے بعد ایک بلند ٹیلے پر کھڑے ہو کر اسلامی افواج کا مکہ میں داخلہ دیکھتے ہوئے عباس ابن عبدالمطلبؑ سے کہا۔ "عباس، تمہارے بھتیجے نے تو بڑی شاہانہ (پیغمبرانہ نہیں) قوت حاصل کر لی ہے۔"

ایمان و ایقان ابوسفیان کو پرکھنے کے لئے یہ چند جملے کافی تھے۔ مگر مزید تشریح کے لئے چند مثالیں اور ہدیۂ قارئین ہیں۔

جب ابوسفیان بظاہر مسلمان ہونے کے بعد اپنے گھر پہنچا تو اس کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع "جنگل کی آگ" کی طرح اس سے پہلے اس کے گھر پہنچ گئی تھی۔ نتیجتاً ابوسفیان کی بیوی (جگر خورندۂ امیر حمزہؑ) ہندہ نے ابوسفیان سے باز پرس کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم پر بھی عبداللہؑ کے یتیم کا جادو چل گیا۔ اگر ایسا ہے تو اب تیرا اور میرا راستہ جدا جدا ہے مگر

ابو سفیان نے یہ کہہ کر اپنی بیوی ہندہ کو مطمئن کر دیا کہ میں تو صرف مصلحتاً مسلمان ہوا ہوں اور وہ بھی اس عزم کے ساتھ کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کا کوئی دقیقہ اپنے ہاتھ سے نہ جانے دوں گا۔ اور جو کام میں اسلام کی کھُلی ہوئی دشمنی کے ذریعہ نہ کر سکا وہی کام اب مسلمانوں کی صفوں میں رہتے ہوئے کروں گا۔

چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوتا بھی رہا۔ مثلاً

بعد وفات جناب رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ شوریٰ میں خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے حضرت ابو بکرؓ کا انتخاب ہو گیا تو ابو سفیان حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو مسند خلافت کے حصُول کی جد وجہد پر اکساتے ہوئے اپنی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔ مگر حضرت علی کے پاس سے مایوس ہی لوٹنا پڑا۔

یا ــــ

ابوسفیان کے پوتے یزید کے وہ الفاظ جو اس نے اسیرانِ کربلا۔ کے دربار میں موجودگی کے وقت کہے اور اپنے تاثرات اس طرح بیان کیئے کہ۔" نہ کوئی فرشتہ آیا نہ قرآن اُترا۔ بس یہ تو بنو ہاشم کا رچایا ہوا ایک ڈھونگ تھا (معاذ اللہ) اگر آج میرے وہ بزرگ زندہ ہوتے جو احد و بدر میں قتل ہو گئے تو دیکھتے اور خوش ہوتے کہ میں نے ان کا بدلہ لے لیا۔

کاش ابوسفیان مسلمان نہ ہوا ہوتا۔! کاش ابو سفیان اپنے ماضی کے کردار پر نادم ہوتا !! کاش سچا مسلمان بن جاتا !!! یہ ہر سچّے مسلمان کی تمنّا ہے۔

یہی کچھ صورت حال اپنی ڈگر پر چودہ سو سال سے قائم ہے اور اسی روش کا ایک واضح اشارہ اس وقت بھی ملتا ہے کہ جب برصغیر کے مسلمانوں نے ہندو کی متعصبانا ذہنیت سے تنگ آکر علیحدہ مسلم مملکت کے قیام کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس تحریک کی مخالفت کا کام گاندھی اور کانگریس سے زیادہ کانگریسی ٹولے کے مسلمان زعماء و علماء نے کیا۔ ان لوگوں نے کانگریس کی ہمنوائی کرتے ہوئے مسلم لیگ اور مسلم لیگی رہنماؤں خصوصاً بانئ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے خلاف مذہبی نوعیت کے اعتراضات کا محاذ کھول دیا اور سیدھے سادے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکا کر مسلم لیگ کے خلاف اور کانگریس کی حمایت میں ایک مضبوط محاذ قائم کر دیا۔ چنانچہ مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے مخالف کانگریسی ہمنواؤں نے مسلمانوں کے تقریباً چھبیس ۲۶ فی صد ووٹ حاصل کر کے مسلم لیگ کو کسی حد تک کمزور اور پاکستانی سرحدوں کو کچھ محدود کر دیا۔ ان انتخابات میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کے ۷۴ء۶۶ فی صد ووٹ ملے۔ اس طرح مسلمانان برصغیر کی مجموعی قوت خود مسلمانوں کے ہاتھوں ہی کم ہو گئی۔ مگر ان کی مخالفت کے باوجود پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر کر رہا۔ اور ان کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں۔ مگر ان سازشی ذہنوں نے شکست تسلیم نہیں کی بلکہ اپنی مخالفت کو نئے انداز میں بروئے کار لانے کیلئے تیار ہو گئے۔

اپنی سازشوں کو نیا رنگ دیتے ہوئے اور اپنے اسلاف کی چودہ سو سالہ ماضی کی تاریخ کو دہراتے ہوئے پاکستان قائم ہوتے ہی اس پاک سرزمین پر در آئے۔ جیسے اس ملک کے حصول میں ان کی قربانیاں بھی شامل ہوں۔ وہ اپنے تخریبی عمل میں مصروف ہو گئے۔ حتیٰ کہ ملکِ عزیز دو ۲ حصّوں میں تقسیم ہو گیا مگر یہ اب بھی مطمئن نہیں ہیں۔ اس لئے کہ یہ تو دشمن ہیں وجود کے وجودِ پاکستان کے، ہر مسلم مملکت کے، اسلام کے، یہی وجہ ہے کہ یہ

ملک کو نقصان پہنچانے کے لئے انتشار کو ہوا دیتے ہیں۔ کبھی صوبائی عصبیتوں کو بھڑکاتے ہیں اور کبھی مذہبی جذبات کو مشتعل کرتے ہیں۔ گاہے علاقیت کو ہوا دیتے ہیں۔ گاہے طبقہ واریت پھیلاتے ہیں۔ کبھی اسلام کا نام لے کر اسلام کو کمزور کرتے ہیں۔ کبھی مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑاتے ہیں اور کبھی پاکستانیوں کو پاکستانیوں سے لڑاتے ہیں۔ گو! سر آب پر یہ خوش ہیں! مگر ناکامی و شکست ان کا مقدر رہے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ ایسے ملک و اسلام دشمن عناصر پر نظر رکھے اور ان کے فتنوں کو آگے نہ بڑھنے دے۔ خصوصاً ایسے عناصر کی روک تھام ضروری ہے کہ سُنّی لبادے میں خارجیت کے نظریات کی اشاعت کر رہے ہیں۔

اب تک ہم مملکت پاکستان اور دین اسلام کی محبّت و مفاد کی خاطر خاموش ہیں ورنہ دنیا جانتی ہے کہ ہمارے ہاتھ میں بھی قلم ہے اور قلم میں زورِ تحریر۔ ہمارے منہ میں بھی زبان ہے اور زبان میں زورِ تقریر۔ ہمارے سینوں میں بھی دل ہیں اور ان میں حرارتِ ایمانی۔ ہمارے پاس بھی احساسات ہیں اور ان میں ایک انقلابی رُوح۔

ہم مناظرہ نہیں چاہتے، گو ہم نے آج تک کوئی مناظرہ نہیں ہارا اور نہ آئندہ کبھی ہاریں گے کیونکہ حق ہمارے ساتھ ہے اور ہم حق پر ہیں۔ ہمارے خیال میں مناظرہ مفید بھی ہے اور مضر بھی۔ مفید اس طرح کہ یہ حق کو واضح کرتا ہے اور باطل کا ابطال۔ علوم کو سنوارتا ہے اور افکار کو نکھارتا ہے۔ ذہن سے تاریکیوں کو چھانٹتا اور روشنیوں کو اجاگر کرتا ہے۔ حق کے متلاشیوں کے لئے راہوں کا تعین کرتا ہے اور گمراہوں کو ہدایت بخشتا ہے۔ صدق کو نمایاں کرتا ہے اور کذب کو فنا۔ مگر یہ سب ان کے لئے جو حق کی تلاش میں ہوں اور جو حق سے فرار چاہیں اور ہدایت حاصل کرنا ہی نہ چاہیں تو۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰی سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ؏ (سورۃ البقرہ آیت ۷)

(ترجمہ) اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب موجود ہے۔

پھر مناظرہ ایک ایسی بیماری ہے جو ایمان کو مزید کمزور کرتا ہے اور عقائد کو نحیف۔ یہ انسان کو ہٹ دھرم اور ضدی بناتا ہے۔ آنکھوں اور عقلوں پر پڑے ہوئے پردوں کو مزید دبیز کرتا ہے۔ نفرتوں کی خلیجوں کو زیادہ وسیع اور دشمنیوں کو پختہ بناتا ہے۔ محبت و اخوت کے رشتوں کو منقطع کرکے اتحاد کو آناً فاناً تباہ و برباد کرتا ہے۔ قوموں کی عظمتوں کو تباہ، آباد بستیوں کو ویران اور مضبوط مملکتوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

یہ بات تو طے ہوگئی کہ وہ افراد جو حیات طیبہ میں موجود تھے اور آپؐ کے اطراف بیٹھتے تھے تمام کے تمام شرائط صحابیت پر پورے نہیں اترتے تھے۔ اور یہ کہ تمام صحابہ کے درجات مساوی نہیں تھے۔ اور یہ کہ ان میں اکثر منافق بھی تھے۔ جیسا کہ خود خدائے بزرگ و برتر نے ایک اور مقام پر فرمایا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ ۘ (سورہ بقرہ آیت ۸)

(ترجمہ) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم خدا پر اور قیامت پر ایمان لے آئے۔ حالانکہ وہ (دل سے) ایمان نہیں لائے۔

اور یہ کہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے کہ جو اپنی بات منوانے کے لئے آپؐ سے کچھ جھوٹی باتیں منسوب کر دیتے تھے۔ چنانچہ خود آنجنابؐ نے فرمایا۔

ایھا الناس! قد کثر علی الکذابة فمن کذب علی متعمداً فلتبوء مقعدہ من النّار

(ترجمہ) لوگو! اب مجھ سے جھوٹی باتیں منسوب کرنے کی انتہا ہوگئی ہے۔ اس لئے میں تمہیں خبردار کررہا ہوں کہ جو جان بوجھ کر مجھ سے جھوٹی بات منسوب کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنّم میں ہوگا!!

ظاہر ہے کہ ان حالات میں ہم تمام احادیث کو آنکھیں بند کرکے قبول نہیں کرسکتے۔ کسی حدیث کو قبول کرنے کے لئے ہم پر واجب ہے کہ ہم پہلے اس کو عقل کی کسوٹی پر کس لیں، اصول کے پیمانوں پر پرکھ لیں اور قرآن الحکیم سے مطابقت کرلیں۔ یہ کام تو ہم اب بھی کرتے ہیں مگر گروہ در گروہ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام عالم اسلام اور تمام مسالک کے مفکرین یکجا ہوکر اور پورے خلوص و غور و فکر کے بعد احادیث کے ذخائر کی طہارت کا کام انجام دیں۔ اور اپنے اپنے عقائد پر کاربند رہتے ہوئے بنیادی مراکز پر مجتمع ہوجائیں۔ تاکہ ہم خود بھی حقیقی اسلام پاسکیں اور نوع انسانی تک بھی اصلی و مثالی پیغام پہنچا سکیں۔

زیر نظر کتاب اسی مقصد کے حصول کے سلسلے کی ایک انفرادی کاوش ہے۔

گر قبول افتد!

اور یہ عظیم کاوش ہے! مصر کے قابلِ فخر محقق جناب شیخ محمود ابوریہ کی اور اس کے ترجمے کی سعادت حاصل کی ہے۔ پاکستان کے مایہ ناز ادیب جناب سیّد محمّد موسیٰ رضوی نے۔ یہ ہے تو ترجمہ مگر اس کی روانی تسلسل کا اندازہ آپ کو کتاب پڑھنے کے بعد ہی ہوگا۔ موسیٰ رضوی ایک دیندار اور مخلص مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ صاف ستھرے ذہن کے ادیب بھی ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی زبانوں پر خاصہ عبور رکھتے ہیں.......

اس کتاب پر پیش لفظ لکھنے کی زحمت فرمائی ہے علامہ سیّد ابن حسن نجفی صاحب نے۔ علامہ نجفی صاحب ملک کی مشہور و معروف شخصیت ہیں۔

اور اسلام کے عظیم اسکالر کی حیثیت سے پورے عالم اسلام میں پہچانے جاتے ہیں۔ آپ نے عالمِ اسلام اور کئی یورپی ممالک کے دورے کئے ہیں اور وہاں کے نامور اسکالروں سے دینی و اسلامی یک جہتی کے امور پر مذاکرات کر چکے ہیں۔ مقدمہ لکھنے کی زحمت فرمائی ہے۔ ایران کے عظیم مفکر جناب محمد وحید گلپائیگانی نے۔ اور یہ ادارے کی خوش قسمتی پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔ جناب سیّد حسین مرتضیٰ نے تقریظ لکھ کر احسان فرمایا ہے۔ سیّد حسین مرتضیٰ ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے اُبھر رہے ہیں اور برصغیر کے مشہور عالمِ دین سیّد مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کے صاحبزادے ہیں۔ مولا سیّد مرتضیٰ حسین متعدد کتابوں کے مولف و مصنّف ہیں۔ اب ان کے صاحبزادے بھی اسی میدان کے شہسوار بن رہے ہیں اور یہ ایک اچھی مثال ہے۔ ان عظیم مفکرین کی۔ اس بے مثال و منفرد کاوش کو آپ کے ہاتھوں تک پہنچانے میں ادارے کی معاونت فرمائی ہے جناب امیر علی سجن صاحب نے۔ امیر علی سجن کے متعلق یہ چند جملے میں اس لئے نہیں لکھ رہا ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کے تمام اخراجات برداشت کئے اور اس طرح ادارے کی مالی اعانت فرمائی۔ کیونکہ میرے نزدیک معیار انسانیت خریدنے کے لئے دولت کے انبار کی نہیں، اعلیٰ کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ گو امیر علی کاروباری اور خوجہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں، مگر کاروباری مصروفیات کے باوجود علمی مشاغل میں بھی مصروف رہتے ہیں۔ چنانچہ اس سے قبل بھی اکثر علمی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ علماء کی محفلوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتے ہیں۔ مزاج میں سادگی، خلق میں بلندی، کردار میں پختگی، عادات میں شائستگی، حیات میں زہد و تقویٰ، طبیعت میں انکساری اور سینے میں حسّاس دل رکھتے ہیں۔ کاروباری حضرات تو اکثر مصلحت کوش ہوتے ہیں مگر امیر علی سجن... صاف گو اور بے باک قسم کے انسان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پہلی ملاقات میں

کچھ اچھے تاثر لے کر نہیں اُٹھیں گے (کم از کم میرے ساتھ تو یہی ہوا) مگر دوسری اور تیسری ملاقات کے بعد یقیناً متاثر بلکہ گرویدہ ہوجائیں گے۔ امیر علی سجن اس سے پہلے "دین حق" کی طباعت کر چکے ہیں اور آئندہ بھی کئی اہم و نادر کتابیں شائع کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ غرض یہ کہ علم اور کتاب کے رشتوں کو بخوبی پہچانتے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ دولت کے بل پر چند برس بھی نام باقی نہیں رہتا مگر کتاب سے بقائے دوام حاصل ہوتا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت میں معاونت حاصل رہی ہے مُلک کے مشہور مصوّر سیّد تصدّق حسین نقوی کی۔ کتابت کے فرائض انجام دیئے ہیں۔ رشید رستمِ قلم، ثناء اللہ، صغیر احمد، سلام لائلپوری اور عثمان صاحب نے۔ بائنڈنگ کے فرائض انجام دیئے ہیں غلام عباس فاروقی نے۔ ان حضرات کے علاوہ بھی چند احباب کے مشورے شاملِ حال رہے ہیں۔ میں فرداً فرداً ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں۔

آخری بات:۔ ادارۂ عظمتِ انسانیت کے قیام کا مقصد تعلیماتِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کو عام کرنا۔ تحقیقی مقالات کی اشاعت کرنا اور نادر تخیّلات کو منظرِ عام پر لانا ہے۔ مگر ان تمام کٹھن مراحل سے گزرنے کے لئے آپ کی اعانت و رہنمائی ضروری ہے۔ ارادے وسیع اور دشوار گزار ہیں مگر ہمیں اُمید ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام کی سرپرستی اور آپ کی پُرخلوص دُعاؤں کے طفیل تمام مشکلیں حل ہوجائیں گی۔

انصار حسین واسطی
ادارۂ عظمتِ انسانیت
تنویر منزل ۱۸۱/۳ لیاقت آباد۔ کراچی

اس کتاب کے مولف علامہ شیخ محمود ابوریہ کا شمار مصری سواد اعظم کے
ان بلند پایہ علماء میں ہوتا ہے جن کی شخصیت تبحر فکری، قوت ارادی اور
حق کی حمایت میں اظہار جرأت کے لئے مشہور عام ہے۔ انھوں نے دین کی
طرفداری، بیانِ حقائقِ مذہبِ اسلام اور دین کی حقیقی اور اساسی مبادیات

پر مسلمانوں کی ترغیب و تحریص کے سلسلے میں اتنی تن دہی، استقامت اور استقلال کے ساتھ اپنی کوششوں کو جاری رکھا کہ ظاہر بیں اور سطحی فکر کے حامل افراد یکلخت ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں ہدف طعن و تشنیع قرار دیا۔ پھر آل علی علیہم السلام کی صادقانہ جانبداری اور خالصانہ تمجید کے سبب بعض شیوخ اور علماء ازہر کی بے مہری کا سبب بنے اور رفض و تشیع کا الزام ان کے سر پر آیا جس کے نتیجے میں مناقشات اور ہرزہ گوئی کا ایک سلسلہ شروع ہوگیا جیساکہ انھوں نے خود اس واقعے کو لبنان سے شائع ہونے والے ایک ماہنامے "**النہج**" کے دو شماروں میں "ازہر یونکے ساتھ میری داستان" کے عنوان سے دو مفید اور مستدل مقالوں میں لکھا۔ ان مقالوں میں انھوں نے فی مابین اختلافات کو ہر دشوار گذار موڑ پر بڑے شائستہ انداز سے شیرینیٔ کلام اور حلاوت زبان کی رعایت کے ساتھ بیان کیا۔

یہاں ہم اختصار اور... سب سے بڑھ کر ان نامطلوب نتائج کے باعث جو اس طرح کی کشمکش سے مسلمانوں کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور وہ بھی اس دور میں جبکہ اتحاد اور یگانگت ان کے لئے ایک حیاتی پہلو رکھتی ہو اس کی تفصیلات سے صرف نظر کرتے ہیں اور اس رب جلیل سے ارواح مقدس حضرت خاتم الانبیاء ائمہ اطہار اور اولیاء اسلام علیہم السلام کی استشفاع کے ساتھ اسلام کے مایۂ ناز پرچم تلے مسلمانوں کی سربلندی، کامیابی، سعادت اور وحدت کلام کے خواہاں ہیں۔

محمد وحید گلپائیگانی (تہران)

ماخذ کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ قرآن حکیم
۲۔ ابوہریرہ، علامہ عبدالحسین شرف الدین مرحوم
۳۔ الاحکام فی اصول الاحکام، آمدی
۴۔ الاحکام فی اصول الاحکام، ابن حزم
۵۔ الاستیعاب ابن عبد البر
۶۔ اسد الغابہ ابن اثیر
۷۔ الاصابہ ابن حجر عسقلانی

۸ - اصل الشیعہ واصولہا، استاد محمد حسین کاشف الغطاء مرحوم
۹ - الفیہ سیوطی اور اس کی شرح، احمد بن شاکر -
۱۰ - الفیہ اور اسکی شرح، عراقی
۱۱ - انساب الاشراف بلاذری
۱۲ - البدایۃ والنہایہ ابن کثیر
۱۳ - تاریخ آداب العرب، استاد مصطفےٰ صادق الرافعی
۱۴ - تاریخ ابن خلیدون
۱۵ - تاریخ الخلفاء سیوطی
۱۶ - تاریخ کبیر ذہبی
۱۷ - تاریخ مختلف الحدیث ابن قتیبہ
۱۸ - تذکرۃ الحفاظ ذہبی
۱۹ - تفسیر ابن کثیر
۲۰ - تفسیر امام محمد عبدہٗ
۲۱ - تفسیر سورہٗ اخلاص، ابن تیمیہ
۲۲ - تفسیر طبری
۲۳ تفسیر کشاف علامہ زمخشری
۲۴ - التقریب، نودی
۲۵ - توجیہ النظر جزائری
۲۶ - جامع ابن وہب
۲۷ - جامع بیان العلم ابن عبد البر
۲۸ - جامع ترمذی
۲۹ - الحلیہ ابونعیم
۳۰ - حیواۃ الحیوان دمیری
۳۱ - ربیع الابرار زمخشری
۳۲ - رد الدارمی علی المریس
۳۳ - الروض الباسم - وزیر الیمانی
۳۴ - روض الاخبار محمد بن قاسم بن یعقوب
۳۵ - سنن ابی داود
۳۶ - سنن نسائی
۳۷ - سیرت ابن ہشام
۳۸ - سیرۃ اعلام النبلا، حلبی
۳۹ - سیرۃ الحلبیہ، حلبی
۴۰ - شذرات الذہب فی اخبار من ذہب عمار حنبلی -
۴۱ - شرح صحیح مسلم، نودی
۴۲ - الشعر والشعراء ابن قتیبہ
۴۳ - صحیح بخاری اور اسکی شرح - ابن حجر عسقلانی -
۴۴ - الصداقہ والصدیق، ابوحیان توحیدی

۴۷ - طبقات ابن سعد مطبوعہ یورپ

۴۸ - عقد الفرید، ابن عبد ربہ

۴۹ - فتوح البلدان، بلاذری

۵۰ - فجر اسلام، ڈاکٹر احمد امین

۵۱ - الفخری، ابن طقطقی

۵۲ - الفصل والنحل

۵۳ - قواعد التحدیث قاسمی

۵۴ - کتاب الانصاف بطلیوسی

۵۵ - کتاب المعمرین سجستانی

۵۶ - لسان العرب، ابن منظور

۵۷ - المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر ابن اثیر -

۵۸ - مجلہ الرسالہ

۵۹ - مجلہ الکاتب

۶۰ - مجلہ المنار

۶۱ - مختصر تاریخ ابو الفداء

۶۲ - مختصر کتاب المومل ابو شامہ

۶۳ - مراۃ الاصول ملا خسرو (خطی)

۶۴ - مسند احمد

۶۵ - مسند بقی

۶۶ - المضاف والمنسوب ثعالبی

۶۷ - المعارف ابن قتیبہ

۶۸ - معجم الادباء، یاقوت حموی

۶۹ - معجم البلدان، یاقوت حموی

۷۰ - معجم الحیوان، امین المعلوف

۷۱ - المغنی، ابن ہشام

۷۲ - مقامات بدیع الزماں ہمدانی اور اس کی شرح، امام محمد عبدہٗ -

۷۳ - مناقب ابی حنیفہ، مکی

۷۴ - الموافقات شاطبی

۷۵ - النجوم الزاہرہ، ابن تغری بردی

۷۶ - نہایۃ الارب، النویری

۷۷ - نہج البلاغہ اور اسکی شرح - امام محمد عبدہٗ -

۷۸ - ہدی الساری، ابن حجر عسقلانی

۷۹ - الوحی المحمدی، محمد رشید رضا -

مقدمہ مولف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ مختصر مجموعہ " اضواء علی السنۃ المحمدیہ " کی کتاب کا ایک حصہ ہے جس کی اشاعت عالم اسلام کے چپے چپے میں ہو چکی ہے۔ یہ کتاب " فی الشعر الجاہلی " کے بعد اس دور کی سب سے زیادہ مشہور اور معرکتہ الآراء کتاب ہے۔ اور باوجود اس کے کہ الحمد اللہ بلند پایہ دانشوروں اور صاحبان فکر ونظر کی جانب سے نہایت قدردانی اور تعریف وتوصیف کا سبب بنی۔ تاہم بعض فکری جمود کے شکار، ظاہر بین اور تنگ نظر نگاہوں نے دشنام طرازی اور ہرزہ گوئی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔ مگر ہم نے انکی کوئی پرواہ نہیں کی اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اسی طرح ضلالت اور گمراہی کی زندگی بسر کریں اور اگر یہی لوگ ہماری طرح راہ راست اختیار کرتے اور علمی سرمائے کے ساتھ یہ پسندیدہ روش اختیار کرتے تو ہم بھی نہایت خندہ پیشانی اور رضا و رغبت کے ساتھ ان سے بحث و گفتگو کا آغاز کرتے مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ضد، بدگوئی، اور دشنام طرازی کے لجن زار میں غوطہ ور ہو کر راہ راست سے انحراف کیا جسکی بنا پر ہمیں بھی ان کے ساتھ گفتگو سے صرف نظر کرنا پڑا۔ جس چیز نے سب سے زیادہ ہمیں مطعون اور بد دہن ہرزہ گویوں کا ہدف بنایا وہ " ابو ہریرہ " کی تاریخ تھی جس میں ہم نے حیرت انگیز حقائق کا انکشاف کیا اور جو ان کے لئے ایک انوکھی بات تھی جس سے وہ پہلے یکسر بے خبر تھے۔ اس اچانک اطلاع نے انھیں مبہوت بنا دیا اور قریب تھا کہ فرط تعجب سے ان کی چیخ بلند ہوتی کہ ایسے میں آہستہ آہستہ ہوا س بجا ہوئے اور انھوں نے طے کیا کہ اپنی

شکست کا ازالہ کریں مگر ہماری ضرب اتنی کاری تھی کہ انھیں فحش اور ناسزا گوئی کے علاوہ اور کوئی راہ دکھائی نہ دی جس میں وہ وحید عصر تھے۔ اسلئے انھوں نے اپنی زبانوں کو ہمارے دشنام کے لئے وا کیا اور نوک قلم کو اس مدعا کے لئے بروئے کار لائے۔

اس بد کلامی کے مقابلے میں سب پر فائق آنے والی ایک شامی اور ازہری شخصیت ہے جو اپنے آپ کو "ڈاکٹر مصطفےٰ السباعی" کے نام سے جانتی ہے اور بالحق بد زبانی کے میدان میں وہ یکہ تاز عصر ہے (اور فن ہرزہ گوئی کا بے نظیر ڈاکٹر ہے) اس نے اپنی گفتگو کو جس عریانی اور فحاشی کے ساتھ ہمارے حوالے کیا ہے۔ شاید روئے ارض کا پست ترین آوارہ اور ہر جائی انسان بھی اس کی ادا مثل سے عاجز ہو اور شاید وہ اس طرح یہ سمجھانا چاہتا ہو کہ اسے فن ہجا اور ناسزا گوئی میں تمام فحاشیوں پر دسترس حاصل ہے اور الحق کہ ایسا ہی ہے۔ مگر اس میں حیرانی اس لئے نہیں کہ ہم تاریخ کے اوراق میں اس کی زندگی کو پڑھ چکے ہیں اور ہم پر واضح ہو گیا ہے کہ اس قسم کی حماقتوں اور جمود کو اس نے اپنے قبیلے سے ورثہ میں پایا ہے اور گالم گلوچ کو بھی اس نے اپنے اساتذہ سے سیکھا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارا فرض تھا کہ اس کو ہم عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرتے تاکہ وہ اپنے گفتار و کردار کے اثرات سے بہرہ ور ہوتا اور اپنے ہم عصروں کے لئے عبرت کا نمونہ بنتا لیکن ہم نے رحم کھا کر اس پر شفقت کی اور اپنی جوانمردی سے دور دیکھا کہ ایک ایسے انسان سے الجھا جائے جو خود ایک مزمن بیماری کا شکار ہو اور اپنے علاج سے مایوس حیات و ممات کے دوراہے پر کھڑا ہو۔ لہٰذا حسِ عاطفہ و جوانمردی نے مجھے ابھارا کہ میں یہودیوں کے شفاخانے میں اس سے ملنے جاؤں جہاں وہ حکومت کے خرچ سے زیر علاج تھا میں نے اسکی تمام اہانتوں کو یکسر فروگذاشت کیا اور ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۵ مارچ ۱۹۶۱ء کو بدھ کی دوپہر اس سے ملنے گیا اور نہایت خلوص کے ساتھ

بارگاہ خداوندی میں اس کے لئے شفائے عاجل کا طلب گار ہوا اور عید الفطر کی آمد پر از قبل اسے مبارک باد دی میرا گمان تھا کہ اگر اس شخص میں ذرا بھی حمیت نفس ہوگی یا اس کا نسب محترم ہوگا تو وہ ان عواطف انسانی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھے گا۔ اور بہتر نہ سہی تو کم از کم اسی سطح پر مجھ سے سلوک کرے گا۔ اس کا ضمیر اسے آواز دے گا اور جو کچھ اس نے دیگر فحاشوں اور بے ادبوں نے ایک ایسے انسان کے حق میں روا رکھے گا اور جو برتاؤ پچھلے خطوط میں میرے ساتھ کئے انہیں پر اکتفا کرے گا۔ مگر اس شخص نے کہ خدا اس کے تمام امراض کو دور کرے ایسا نہیں کیا۔ کچھ ہی عرصے بعد اسکی فطرت اور طبع سرکش نے اس پر غلبہ کیا اور اس کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ از سر نو رکیک گالیوں کی باڑ پر مجھے لے آئے اور ان تحائف کو عیناً "الاہرام" کے مجلے میں منعکس کرے۔ خدا رحمت کرے عرب کے شاعر متنبی پر جس نے کہا ہے۔

اذا انت اکرمت الکریم ملکتہ　　　وان انت اکرمت اللئیم تمردا

"کسی محترم اور عالی نسب انسان کی تکریم اس کو خرید لیتی ہے اور اگر پست فطرت اور کم مایہ انسان کی تکریم و تعظیم کی جائے تو وہ اسے سرکش بنا دیتی ہے۔"

انھیں ظاہر بین، کوتاہ نظر، جمود پذیر فکروں کے شور و غوغا اور ہنگامہ آرائیوں نے ہمیں اس بات پر مجبور کر دیا کہ "شیخ المضیرہ ابو ھریرہ[1]" کی تاریخ پر من جمیع الجہات تجدید نظر کی جائے تاکہ اس مشہور صحابی کی حقیقت ہستی کما حقّہ سب پر آشکار ہو جائے اور سب اس کو باحسن الوجوہ پہچان لیں۔ اس بنا پر ہم نے ان تمام مصادر و ماخذ سے جو ارباب روایت کے نزدیک معتبر اور موثق ہیں اور جن پر ہمیں دسترس حاصل ہے رجوع کیا اور اس بحث و تحقیق میں فقط انہی پر اعتماد کیا اور

---

[1] کتاب المضاف والمنسوب ثعالبی کے صفحہ ۸۶ اور اس کتاب کے صفحہ ۲۵ پر ابو ہریرہ کی اس وجہ شہرت کو ملاحظہ فرمائیں۔

دیگر ماخذ سے قلم روک لیا تاکہ احمق اور نادان لوگ ہم پر تشیع کا الزام نہ دھریں
اور یہ نہ کہہ سکیں کہ ایسی باتیں ہم سے کہتا ہے جن سے نہ ہمیں آشنائی ہے
اور نہ اعتماد اور اس طرح ہم نے اس بحث میں اس مواد سے استفادہ کیا جسکو
ہم نے اپنی عظیم الشان کتاب کی تالیف کے موقع پر مذکورہ کتب کے درمیان مطالعہ
اور تحقیق کے دوران نکالا تھا وہ مطالعہ وتحقیق جس میں پندرہ سال سے زیادہ وقت
صرف ہوا اور آخر کار مذکورہ کتاب کی پہلی اشاعت میں جو کچھ ہم سے جمع ہو سکا
اکٹھا کر دیا۔ کیونکہ اختصار اور جمود پسند ظاہر بین دونوں ہمارے پیش نظر تھے
ایسا نہ ہو کہ ہماری باتوں کو ان کے دل و دماغ قبول نہ کریں اور وہ ضائع ہو
جائیں ہم نے ان تمام ماخذوں سے رجوع کیا تاکہ ابوہرہ کی تاریخ کے لئے ایک
مکمل اور دلچسپ بحث تیار ہو سکے۔ ہم نے بحث کی طوالت یا اختصار پر کوئی
توجہ نہیں دی کیونکہ اسکا موضوع بڑی اہمیت کا حامل ہے اور اس کے
بارے میں گفتگو آسان نہیں۔ پھر ہم نے اس موضوع کے لئے ایک واضح اور
مستقیم مورّخانہ روش کو اختیار کیا جو سچائی اور امامت کا راستہ ہے جس سے
انحراف سراسر گمراہی اور دربدری ہے۔ اس کے بعد ہمیں کسی کی پرواہ نہیں
کہ مثلاً زید ہم سے خوش ہوگا یا عمر ناراض۔ اہل مطالعہ پر یہ واضح کرنا ضروری ہے
کہ اس روش کو اختیار کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر ہم نے اس دشواری کو اپنے لئے گوارا
کیا اور اپنے کیئے پر نہایت خوش ہیں اس لئے کہ حق ہم پر واضح ہوگیا اور راہ حق
پر جادہ پیمائی کے لئے ہم نے اپنے پروردگار سے مدد چاہی جس نے ہماری ہر قدم پر راہ
نمائی کی۔

بہرحال ابھی بحث وتحقیق سے فراغت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ ہم نے
محسوس کیا کہ موضوع نے کچھ طوالت حاصل کر لی ہے اور صفحات کی تعداد ۱۵۰
تک پہنچ گئی ہے درآں حالیکہ اصل صفحات شاید ۵۰ سے زیادہ نہیں تھے۔ اور
اگر ہم کمیت قلم کی باگ اس پر چھوڑ دیتے تو کتاب کے صفحات مزید سیاد

ہو جاتے لیکن ہم نے راستہ روک کر اسی پر اکتفا کیا اور پھر خیال آیا کہ اس بحث کے لئے ایک جداگانہ کتاب مرتب ہونی چاہیئے تاکہ زیادہ مفید اور زیادہ قابل استفادہ ہو۔ اس طرح اب یہ کتاب مکمل تحقیق کے ساتھ پڑھنے والوں کی خدمت میں حاضر ہے ۔ جس میں بغیر کسی شک و تردید کے مشہور صحابی ابوہریرہ کی خیبر کے دن پیغمبرؐ کے حضور نہایت فلاکت و تنگدستی کے عالم میں شرف یابی سے لے کر کمال بے نیازی کے ساتھ عتیق کے ایک عالیشان محل میں موت کی تصویر سرتا پا منعکس ہے ۔ اس صاف و شفاف آئینے میں ہر پڑھنے والا ابوہریرہ کی شخصیت واضح اور آشکار طور پر دیکھ سکتا ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے دور میں انکی زندگی اس پر روشن ہو سکتی ہے ۔ نیز یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس دور فترت میں صحابہ کے نزدیک انکی کیا قدر و منزلت تھی اور یہ کہ حضرت عمرؓ نے کس طرح ان کو احادیث پیغمبرؐ بیان کرنے سے منع کیا تھا اور اسی امر پر انھیں تازیانے لگائے تھے ۔ اور شہر بدر کرنے کی دھمکی بھی دی تھی اور پھر بحرین پر حاکمیت کے دوران امانت میں عدم رعایت کے سبب ان کے اموال کا کچھ حصہ بھی بحق سرکار ضبط کر لیا تھا ۔

پھر جب انھوں نے بزرگ صحابہ سے میدان خالی دیکھا اور حضرت عمرؓ کے اس تازیانے کا خوف باقی نہ رہا ۔ جو ہر وقت روایت حدیث پر انکی پیٹھ زخمی کرتا تو انھوں نے حدیث گوئی کا سلسلہ شروع کر دیا اور پیغمبر اسلامؐ کی مختصر مصاحبت کے باوجود اتنی کثیر تعداد میں حدیثیں نقل کیں کہ مورد الزام ٹھہرے اور عالم اسلام کے پہلے متہم راوی محسوب ہوئے ۔ اسکے بعد انھوں نے اپنے آپ کو بنی امیہ سے منسلک کر لیا جو غاصب حکمران تھے اور جنھوں نے اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کو ختم کر دیا تھا اور شاہانہ صورت اختیار کر لی تھی جن کے دستِ قدرت میں امر و نہی عزل و نصب سب ہی کچھ تھا ۔ ابوہریرہ نے ان کے دوستوں اور مبلغین کے حلقوں میں شمولیت اختیار کی اور انھیں اپنی زبان اور روایات کے ذریعے کمک پہنچاتے رہے اور اس طرح وہ ان کے الطاف و عواطف عطایا اور من بھاتے کھانے بالخصوص "مضیرہ" میں شریک

ہو گئے جس کا شمار معاویہ کے اعلیٰ ترین کھانے میں ہوتا تھا۔ اس غذا کی طرف ابو ہریرہ کی رغبت اس حد تک تھی کہ بالآخر اس نام سے پکارے جانے لگے اور یہ لقب ہمیشہ ان کے ساتھ چپاں رہا عرصہ دراز تک یہی لقب ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ جیسا کہ آپ اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے اور اسی لئے ہم نے بھی اپنی کتاب کو اسی نام سے منسوب کیا۔ علاوہ ازیں ابو ہریرہ کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے ایک اور عجیب و غریب داستان سے دوچار ہوں گے جس کے تین مراحل ہیں اور اس کا تعلق اس دور سے ہے جب وہ معاویہ کے دربار میں خدمت گزار تھے اور یہ قصہ وہی "بسط ثوب" دعائیں اور مزود" والی داستانِ حدیث ہے اور اس میں شک نہیں کہ اسکا شمار ابو ہریرہ کے تاریخِ حیات کی سب سے انوکھی اور دلچسپ داستانوں میں ہوتا ہے۔

اس طرح ہم نے ابو ہریرہ کی روایات، ان کے صدق گفتار کا پیمانہ اور پیغمبر اکرمؐ سے ان کے احادیث کی نسبت کے بارے میں ان اہم ترین مطالب سے پردہ اٹھایا ہے جس کا جاننا مسلم اور غیر مسلم دونوں کے لئے نہایت ضروری ہے تاکہ حقیقت کھل کے سامنے آئے اور اپنے وزن کی صلاحیت کے مطابق مورد قبول واقع ہو متذکرہ روایات میں ایسا مواد شامل ہے جس سے ایک طرف اسلام دشمن عناصر ہماری ضد پر اتخاذ سند کرتے ہیں اور دوسری طرف مومنین شک و تردید میں پڑ جاتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ ابو ہریرہ روایات میں تدلیس سے کام لیتے تھے۔ تدلیس جیسا کہ علمائے حدیث نے کہا ہے حکم مرسل میں آتا ہے اور علمائے فن کے نزدیک اسکی قبولیت میں اختلاف ہے اور بعضوں نے تو کلی طور پر اس کو رد کر دیا ہے۔ اسی سبب تمام صحابہ کے برخلاف ابو ہریرہ کی تاریخ ہماری توجہ کا خاص مرکز بنی۔

یہ ہے ہماری کتاب کے مواد کا ایک حصہ۔ اس میں دوسرے علمی حقائق بھی منضبط ہیں جو اس سے قبل کہیں کسی کتاب کا سرمایہ نہ بن سکے۔ مجھے معلوم ہے کہ اس کتاب کی طباعت کے بعد میرا کیا حشر ہوگا مگر اس راہ میں جو بھی میرا حال

ہوگا وہی میرا مطلوب ہے اور اس کے لئے میں بالکل تیار ہوں۔ خدا رحمت کرے ابن حزم پر جس نے کہا تھا:-

'جب کو کسی امر کی تحقیق پر کمر بستہ ہو جائے اور اپنی ہستی کو حقیقت کی راہ میں محکم بنالے۔ اگرچہ آغاز کار اس کے لئے مشکل ہوگا اور اسے بہت دکھ سہنے پڑیں گے۔ مگر ایک ایسا مقام حاصل ہوگا جہاں وہ لوگوں کی ستائش سے زیادہ انکی بدگوئی سے محفوظ ہوگا۔

سرآغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ طے شدہ امر ہے کہ تمام احادیث نبوی قرآن کریم کی طرح دین کی اساس ہیں کیونکہ دین کی عمارت بغیر ان کے استوار نہیں رہ سکتی اور اصل و حقیقت دین کا اس راہ سے ہٹ کر معلوم کرنا ناممکن ہے نیز ہر فرد مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ ان احادیث کو سمجھے اچھی طرح یاد رکھے اور ان میں جو احکام ہیں ان کی پیروی کرے بالکل اسی طرح جیسے قرآن کی ہدایات پر عمل کیا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی مسلم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنے صحابہ کو

حفظ و نقل حدیث کے لئے تاکید فرمائی ہے تاکہ وہ آپکے بعد ہمیشہ باقی رہ سکے
ایسی حالت میں لازم ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ تمام
صحابی جنہوں نے نقل حدیث میں زیادہ حصّہ لیا ہے ، دین کی منزل میں بلند ترین
مرتبہ پر فائز ہوں ، ایمان میں سب سے زیادہ ثابت قدم اور علمی مدارج میں سب سے
اونچے ہوں اس کے برعکس جنہوں نے ان کے مقابلے میں کم حدیثوں کو نقل کیا دین
و فضیلت و علم میں ان کا مقام کچھ کم اور قدر و منزلت کے لحاظ سے انہیں پہلے
گروہ کی نسبت دوسرے درجہ پر فائز ہونا چاہیئے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ مشہور
کتب کی شہادتیں ہمیں اس امر کے خلاف ثبوت بہم پہنچاتی ہیں کیونکہ صحابہ کا وہ
گروہ جو مرتبہ میں افضل اور مقام و منزلت میں زیادہ بلند اور علوم دین میں
دوسروں سے زیادہ واقف اور تمسک دین اور اس کی دفاع اور جانبداری
میں ہر ایک پر سبقت لے جانے والا تھا۔ جسنے درحقیقت اصول و فروغ دین کو
اپنے عظیم مربی یعنی جناب سرورِ کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے ورثہ میں
پایا تھا بالخصوص ایسے افراد جنہیں عہد پیغمبرؐ ہی میں منصب فتویٰ سونپا گیا۔ مثلاً
خلفاء اور انصار و مہاجرین کرام یا جن کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ پیغمبر صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم ان سے راضی خوشی دنیا سے رخصت ہوئے یہ تمام کے تمام
وہ بزرگ تھے جنہوں نے جنابِ پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے بہت کم حدیثیں
نقل کیں ، ان میں بعض ایسے صحابی بھی تھے جنہوں نے پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ
— سے ایک حدیث بھی نقل نہیں کی ، اصحاب کے اس گروہ نے نہ فقط یہ کہ نقل
حدیث سے کنارہ کیا بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے بعض بزرگوں نے نقل حدیث
سے اعتراض کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کام سے روکا اور نقل حدیث میں اس
درجہ احتیاط کی کہ آخر کار وہ اپنی لکھی ہوئی احادیث کو خود اپنے ہی ہاتھوں نذرِ
آتش کرنے لگے [1]

۱۔ مذکورہ مطالب کے اجزاء کو ہم اپنی کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ"
میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

"ابوھریرہ"

اور یہی واقعہ اس بات کا موجب بنا کہ ہم اس کتاب کی تالیف کریں جو اس وقت اہل مطالعہ کے ہاتھوں میں ہے اور اس میں ایک ایسے شخص کی شرح زندگی پر گفتگو کریں جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اصحاب میں سب سے زیادہ کثیر تعداد میں حدیثیں نقل کیں درآں حالیکہ وہ بالتحقیق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت

میں ایک سال اور چند ماہ سے زیادہ نہ رہے۔ نیز یہ کہ اصحاب میں بھی ان کا کوئی خاص مقام یا مرتبہ نہیں تھا اور کسی بھی اعتبار سے وہ قابل ذکر نہ تھے، اس شخصیت کو تاریخ ابوہریرہ کے نام سے جانتی ہے۔

ان کی روایات ہیں کہ ....!!

کاش نہ ہوتیں وہ تمام روایات جن کو حدیث کی مشہور کتابوں نے ان سے نقل کیا اور جس نے مسلمانوں کے دلوں میں صداقت و اعتبار کے ساتھ گھر کر لیا اور ان کے افکار و خیالات میں رچ بس گئی اور آخر کار اصول و فروغ دین میں داخل ہو کر احکام و قوانین دین میں فقہا کے لئے ماخذ اور سند قرار پائی اور صاحبان مذہب و ملت اور متکلمین کے درمیان ان کے عقیدہ و آراء میں دلیل و مدرک بنی اس بندش کے ساتھ کہ اس طرح کی احادیث نے جن مشکلات کو جنم دیا ان سے مومن اور غیر مومن دانشوروں کے افکار عجیب طرح کی حیرانی میں مبتلا ہیں۔ ان میں ایسے شبہات اور خرافات پائے جاتے ہیں جو دین پر طعن و تمسخر کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ پھر ان روایات میں ایسے اسناد بھی داخل ہیں جن کا تعلق اسرائیلیات [1] سے ہے اور جن پر کمال بے اعتنائی کے ساتھ بھروسہ کیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ اگر ابوہرہ کی احادیث میں ان تمام معایب و مصائب کا وجود نہ ہوتا تو ہم کبھی اپنے قلم کو اس بحث کی طرف متوجہ نہ کرتے اور اپنا قیمتی وقت اس پر صرف نہ کرتے، مگر ان کی روایات ہیں کہ ......!

١۔ اسرائیلیات ان احادیث و روایات و قصص کو کہا جاتا ہے جو یہودیوں کی طرف سے اسلامی روایات میں داخل ہوئیں اور جن میں بیشتر جھوٹ اور خرافات کی بھرمار ہے۔

ابوھریرہ کے نام میں اختلاف

عصر جاہلیت اور عہد اسلام دونوں ادوار میں ابوہریرہ کی طرح کسی کا نام اتنی فراوانی کے ساتھ مورد اختلاف نہیں ٹھہرا اسی وجہ سے انکا خاندانی نام جس سے وہ گھر میں پکارے جاتے تھے صحیح طور پہ ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے والد کے نام میں بھی کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ "نووی" لکھتے ہیں ابوہریرہ اور ان کے والد کے ناموں میں اختلاف ہے جس کے لئے تقریبًا ۳۰ تک نام نقل

کیے گئے ہیں جو تمام کے تمام حاکم کی کتاب "الکنیٰ" میں مذکور ہیں۔ اس موضوع کو ابن حجر نے الاصابہ میں بھی نقل کیا ہے[۱] حافظ غرب ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الاستیعاب" میں لکھا ہے، ابو ہریرہ اور ان کے والد کے ناموں میں اس کثرت کے ساتھ اختلاف پایا جاتا ہے کہ جس پر عصر جاہلیت اور دور اسلام دونوں وقتوں میں احاطہ ممکن نہیں۔ پھر مزید لکھتے ہیں۔

اور ظاہر ہے اختلاف و اضطراب کا یہ سمندر ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم کسی ایک بات پر بھروسہ کریں۔ ہاں جو بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی کنیت ان کے نام پر غالب تھی اور حقیقتاً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ ان افراد کی طرح ہیں جو کنیت کے علاوہ کوئی نام نہیں رکھتے۔ بہترین مقام جہاں ان کا نام آسکتا ہے وہ صاحبان کینت کی فہرست ہے[۲] اور "اسد الغابہ" میں ہے کہ۔ ابو ہریرہ کے نام میں بہت اختلاف ہے ایسا اختلاف کہ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی شخص کے نام میں اتنا اختلاف نہیں پایا گیا۔[۳] البتہ ان کی والدہ کا نام جیسا کہ کہا جاتا ہے "امیمہ" تھا، ان باتوں سے پتہ چلا کہ قطعی اور یقینی طور پر ابو ہریرہ کے لئے صحیح نام کی دریافت حدس و تخمین کے سوا کچھ نہیں لہذا ہم ان کا ذکر ان کی کنیت کے ساتھ کرتے ہیں جس میں وہ شہرہ آفاق تھے اور ان کی وجہ شہرت کے تذکرہ کو خود ان پر چھوڑتے ہیں، جہاں وہ کہتے ہیں:

"میں اپنے گھر کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ میرے پاس ایک چھوٹی بلی تھی جسے میں رات کو درختوں میں چھوڑ جاتا اور جب صبح ہوتی تو اس کو

ساتھ لے کر صحرا میں نکل جاتا تا[1] جس کے سبب لوگ مجھے "ابوہریرہ" کہنے لگے " کوئی حرج نہیں اگر ہم اپنے بارے میں ان کے اس اقرار و بیان کو تسلیم کریں، ایسا معلوم ہوتا ہے وہ بلی مدینہ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ رہی ہے کیوں کہ جس طرح فیروز آبادی نے "قاموس المحیط" میں تحریر کیا ہے۔ ایک موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوہریرہ کو اس طرح دیکھا کہ وہ ایک بلی کو گود میں سنبھالے ہوئے تھے[2]۔

---

(۱) شاید بلی سے اتنی شدید طور پر دلچسپی نے انھیں اس سلسلے میں روائت بیان کرنے پر مجبور کیا۔ جس کے سبب وہ حضرت عائشہؓ کے اعتراض کا ھدف بنے اس روائت کی داستان کو علامہ "دمیری" نے اپنی کتاب "حیواۃ الحیوان" میں لفظ "ھرہ" کے ذیل میں نقل کیا ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "مسند ابوداود الطیالسی میں شعبی نے علقمہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضرت عائشہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ہمارے ساتھ ابوہریرہ بھی موجود تھے ایسے میں حضرت عائشہ نے ابوہریرہ سے مخاطب ہو کر کہا "ابوھریرہ تم نے رسول خدا سے یہ حدیث نقل کی ھے کہ خدا بلی کو صدمہ پہنچانے کے سبب ایک عورت کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا کرے گا"؟ ابوہریرہ نے کہا ھاں میں نے رسول خدا سے ایسا ھی سنا تھا، "حضرت عائشہؓ نے کہا کہ مومن کی ذات اللہ کے نزدیک اس سے کہیں زیادہ بلند و محترم ھے کہ وہ بلی کی خاطر آگ کے عذاب میں مبتلا ہو۔ شاید بلی کو تکلیف دینے والی عورت کافرہ ہو، ابوھریرہ جب تم کوئی حدیث نقل کیا کرو تو اچھی طرح دیکھ بھال لو کہ کیا کہہ رہے ہو اور کس بات کو نقل کر رہے ہو۔

(۲) ۱۵۹ - ج ۲ -

ابوہریرہ کا سلسلہ نسب اور ان کی پرورش

ابوہریرہ کے سلسلۂ نسب کے بارے میں جو کچھ دریافت ہوا ہے اس کے مطابق ان کا تعلق سلیم بن فہم کے خاندان، قبیلۂ ازد اور آخرکار عرب کے ایک جنوبی قبیلے "دوس" سے تھا، مگر ان کی پرورش کے بارے میں کہنا پڑیگا کہ کسی کو اس کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ اسی طرح خود انکو ان کی سرزمین یمن کے لوگ بھی نہیں جانتے جس میں وہ اسلام لانے سے قبل برسہا برس

رہ چکے تھے، جو کچھ ہمیں ان کے بارے میں معلوم ہوا ہے وہ خود ان کی زبانی ہے۔ جس میں انہوں نے کہا ہے کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے، فقیر و مسکین آدمی تھے اور اپنی بھوک مٹانے کے لئے ہر خاص و عام کی خدمت کیا کرتے تھے، پھر ایک اور مقام پر بتاتے ہیں کہ انہوں نے کچھ عرصہ ابن عفان اور غزوان کی صاحبزادی کے پاس کام کیا۔ ابن سعد نے خود ان سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے

"میں نے کچھ عرصے ابن عفان اور غزوان کی صاحبزادی کے پاس کام کیا ہے۔ جہاں میں اپنے پیٹ کی آگ کو بجھاتا تھا اور جب وہ سفر اختیار کرتے تو ان کی سواریوں کو ہنکاتا اور جب پڑاؤ ڈالتے تو انکے لئے[1] حدی خوانی کیا کرتا تھا[2]۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابوہریرہ ناخواندہ بھی تھے اور لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے آخر عمر تک محروم رہے۔

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس خوبصورت حدی خوانی نے انہیں اس بات پر ابھارا کہ وہ عامل بحرین علاء بن الحضرمی کے حضور موذن بننے کی درخواست کریں اور اس طرح سے انہوں نے ۶۰ سال سے زیادہ کا عرصہ عشق موذنی میں گذارا۔ کیونکہ بطور تحقیق وہ مروان بن حکم کیلئے اس وقت اذان کہا کرتے تھے جب وہ ۴۱ ہجری میں معاویہ کی طرف سے حاکم مدینہ مقرر تھا، جیسا کہ بعد میں اسکا ذکر آئے گا۔

[2] ص ۵۳۔ ج ۴۔ طبقات حصہ دوم۔

خیبر میں پیغمبرؐ کے حضور ابوہریرہ کی شرفیابی

جسوقت ابوہریرہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت اور آپ کی تبلیغات سے آگاہی ہوئی تو وہ بھی دوسرے اشعریین کی طرح خیبر میں پیغمبرؐ کے حضور شرفیاب ہوئے اس وقت انکی عمر ۳۰ سال تھی اور خیبر مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہو چکا تھا، جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں۔

"میں اس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مشرف ہوا جب آپ خیبر میں تھے اور مسلمانوں نے اسے فتح کر لیا تھا[۱]"، اور جب ابوہریرہ کی نظریں مال غنیمت کے انبار پر پڑیں تو لالچ آڑے آیا اور انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مال میں اپنی شمولیت کی درخواست کی۔ اور پھر اس کے بعد انہوں نے ان باتوں میں دخل اندازی کی جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا جیسے انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ابان بن سعید کو جو جنگ میں شریک تھے اس مال سے محروم رکھا جائے۔ جس کے سبب ابان بن سعید ان پر معترض ہوئے اور ان سے خشونت آمیز گفتگو کی، چونکہ ابان کا خیال تھا کہ جب ابوہریرہ نے اس جنگ میں کسی بھی صورت شرکت نہیں کی تو پھر وہ کس طرح اپنے آپ کو اس مال میں شریک بنانا چاہتے ہیں اور آخر کار جھگڑے اور پرخاش نے یہ نوبت اختیار کی کہ ابان نے ابوہریرہ کو مخاطب کر کے کہا

---

[۱] ص ۳۱ — ج ۶ فتح الباری اور ص ۳۶ — ج ۲ سیر اعلام النبلاء ذہبی۔

"والے ہواس" وبرسلہ پر جو "قدوم ضمان سے۲ سے آکر ہم میں شامل ہوگیا" ایک دوسرے قول کی بناء پر ابان نے کہا: "اے رأس ضال" سے ہمارے سر لگنے والے "دبر" اس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ابان بیٹھ جاؤ اور ابوہریرہ کو اس مال میں حصہ دار نہیں بنایا۔ اس طرح ابوہریرہ ابان کی جانب سے شدت کے ساتھ ہدف تنبیہ بنے اور انھیں کوئی مناسب جواب نہ دے سکے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابان کی اس گفتگو کی ایک مفسر نے اس طرح تعبیر کی اور کہا کہ ابان کی مراد ان باتوں سے ابوہریرہ کی تحقیر تھی اور وہ انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ ان کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ وہ کسی کے سہم وعطا پر اظہار نظر کریں کیونکہ وہ جنگ وجہاد میں واماندہ وناتواں ہیں۔ ابوالحسن قابسی سے منقول ہے کہ: ابان کی گفتگو کا منشا یہ ہے کہ ابوہریرہ جنہوں نے اپنے آپ کو قریشی سے منسلک کیا ہے انکی مثال اس خار وخاشاک کی سی ہے جو بھیڑ بکریوں کے بدن پر چسپاں ہو جاتا ہے اور اگر ابوہریرہ کی کوئی شخصیت ہوتی تو وہ اس کی قدر جانتے اور اسے برقرار رکھنے کی کوشش کرتے یا پھر کسی نفس محترم کے حامل ہوتے تو اس کی حفاظت کو اپنا فریضہ سمجھتے اور اپنا ہاتھ کسی ایسی شے کی طرف نہیں بڑھاتے

۱۔ دبر (بروزن جبر) بلی کی مانند ایک چھوٹا جانور ہے۔ ابو علی قالی نے ابو حاتم سے نقل کیا ہے کہ عربوں کے بعض گروہ حشرات الارض سے متعلق ہر رینگنے والے کیڑے کو "دبر" کہا کرتے تھے۔ امین معلوف پاشا نے اپنی کتاب "معجم الحیوان" میں لکھا ہے کہ "دبر" خرگوش جتنا ایک خاکستری زہریلا جانور ہے جس کی دم چھوٹی ہوتی ہے اور ہمیشہ اپنے نچلے جبڑے کو جنبش دیتا رہتا ہے جیسے کوئی چیز چبا رہا ہو۔

۲۔ "قدوم ضمان" سرزمین دوس (قبیلہ ابوہریرہ) کا ایک پہاڑ ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ضمان ایک پہاڑ کی چوٹی ہے کیونکہ اس جگہ غالباً بھیڑ بکریوں کی چراگاہ تھی۔

جس کے وہ حقدار نہیں یا اپنی آنکھوں کو ان جنگی غنائم کی طرف نہیں پھیرتے جس میں وہ شریک نہیں۔ غرض یہ کہ وہ ایک ایسے وقت میں تحقیر و تمسخر کا نشانہ بنے جب وہ پہلی بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آپ کے اصحاب سے ملاقات کر رہے تھے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ایسے موقع پر وہ عزت نفس اور بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے مگر تعجب یہ ہے کہ ابوہریرہ کے ساتھ پیغمبرؐ کے حضور مشرف باسلام ہونے والے ۵۰ سے زیادہ اشعریین جن میں ابوموسی اشعری[۱]، عمران بن حصین خزاعی اور عبید بن خلف اعلام النبلاء ذہبی۔ ص ۳۶۳ - ج ۲) شامل ہیں کسی نے ایسی حرکت نہیں کی جو ابوہریرہ سے سرزد ہوئی۔ بلکہ وہ تمام کے تمام چپ سادھے بیٹھے رہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے لوٹنے والوں کے حصے سے نہیں بلکہ غنائم خیبر سے انکو حصہ دیا۔ اس بنا پر ابوہریرہ سے سرزد ہونے والا یہ فعل جو روز اول ہی سے ان کے پوشیدہ مقاصد، باطنی اغراض اور نفسانی حقائق کا آئینہ دار ہے مورخ کے پاس ان کی شخصیت کی کلید ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوہریرہ پیغمبر اکرم

۱۔ ابوموسی اشعری کہتے ہیں، جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعثت اور آپ کے حملے کی خبر ملی اس وقت ہم یمن میں تھے۔ ہم نے اپنے قبیلے کے پچاس سے زیادہ افراد کے ساتھ جس میں میرے دو بڑے بھائی بھی شامل تھے کشتی کے ذریعہ راہ سفر اختیار کیا۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کشتی نجاشی کے دائرہ اثر حبشہ میں لنگر انداز ہوئی اس طرح ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابیطالبؑ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی جو اس وقت حبشہ میں مقیم تھے۔ حضرت جعفر بن ابیطالبؑ نے فرمایا کہ ہم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حکم ہی سے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ یہیں رک جائیں ہم لوگوں نے بھی وہیں پڑاؤ ڈال لیا، یہاں تک کہ سب کے سب ایک ساتھ روانہ ہوئے اور پیغمبرؐ کے حضور اس وقت پہنچے جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے غنائم کا کچھ حصہ ہمیں بھی عطا فرمایا (فتح الباری - ص ۱۸۲ - ج ۶) عطا اور بخشش، اسہام سے الگ شے ہے، سہم کیلئے ضروری ہے کہ جنگ میں شرکت کی جائے اور اس کے صدمات کو برداشت کیا جائے۔

صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نظروں سے گر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نزدیک ان کی کوئی قدر و منزلت نہ رہی اور آپؐ نے اصحاب کے درمیان ان کو وہی مقام دیا جس کے وہ حقدار تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ آپؐ نے ابان سے انکی سخت اور ذلت آمیز گفتگو پر باز پرس نہیں کی۔ حالانکہ جب کوئی صحابی کسی کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتا تو آپؐ شدت کے ساتھ غضبناک ہوتے جیسے خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف کے سلسلے میں برعکس ان دونوں کے غضبناک ہوئے جس وقت خالدؓ بن ولید نے کسی غزوہ میں عبدالرحمنؓ بن عوف سے اپنی گفتگو کے دوران سخت کلامی کی اور یہ بات گوش ہمایون رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے نصیحتاً ارشاد فرمایا میرے اصحاب کو دشنام نہ دو....... لیکن ابان اور ابوہریرہ کے سلسلے میں آپ نے خاموشی اختیار کی اور ابان کو کچھ نہ کہا بس فقط انہیں بیٹھنے کے لئے فرمایا اور ساتھ ہی ابوہریرہ کو اس مال میں حصہ دار نہیں بنایا اور خاموشی اختیار فرما کر آپ نے انھیں حسرت اور غیض و غضب کے عالم میں چھوڑ دیا۔ گویا اس طرح آپؐ ابان کی تائید فرما رہے تھے۔ ابوہریرہ اس دن مہمان کی حیثیت سے تھے اور یہ ایک عام بات ہے کہ مہمان محترم ہوتا ہے جس کی بنا پر اس کی عزت و تکریم ضروری ہے ولو یہ کہ ایک میٹھی اور اچھی بات ہی کو اس کا ذریعہ کیوں نہ بنایا جائے مگر ابوہریرہ کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا سلوک اس کے برعکس تھا۔ جس کے نتیجہ میں آخرکار انھیں تمام صحابہ کے سامنے خفت و رسوائی اٹھانی پڑی کیونکہ اگرچہ وہ مہمان اور تازہ وارد تھے مگر کسی طرح بھی مستحق تعظیم و تکریم نہ تھے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

ابوہریرہ کی مصاحبت کا سبب

ابوہریرہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصاحبت کے سبب کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور اپنے ان تعلقات کی استواری سے برجستہ طور پر دلیری کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے باقی تمام اسلام لانے والوں کی طرح یہ نہیں کہا کہ وہ دوستی اور نجات کی خاطر پیغمبرؐ کی رفاقت اور مصاحبت اختیار کر رہے ہیں بلکہ یہ کہا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیٹ کی

خاطر یاری گانٹھ رہے ہیں۔ جیسا کہ احمد، امام بخاری اور حضرت مسلم بن حجاج نے زہری کے ذریعے عبدالرحمٰن بن العرج سے روایت کی ہے کہ میں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:

"میں ایک مفلس آدمی تھا اور میں نے اپنے پیٹ کی خاطر پیغمبر اکرمؐ سے وابستگی اختیار کی ہے[1]" اور ایک دوسری روائیت میں "لشبع بطنی اور کشمیہنی کی روائیت میں "بشبع بطنی" کے الفاظ آئے ہیں[2] مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ "میں ایک مفلس آدمی تھا اور اپنی بھوک مٹا کر پیغمبرؐ کی خدمت کیا کرتا تھا"۔ مسلم کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ "میں اپنی بھوک مٹانے کی خاطر پیغمبرؐ کی خدمت کیا کرتا تھا"۔ ابن حجر عسقلانی نے شرح احادیث بخاری میں لفظ "لشبع"، اور "بشبع" پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان دونوں کے مفاہیم میں فرق ہے حرف "با" کے ساتھ آنے والے لفظ کے معنی معاوضہ و مبادلہ ہے مگر لام کے ساتھ استعمال ہونے والا لفظ مطلق طور پر معاوضہ کے مفہوم میں نہیں آتا مگر اس کی نفی بھی نہیں کرتا۔ اس صورت میں "لشبع بطنی" سے مراد یہ ہوگی: تنہا اپنی بھوک مٹانے کی خاطر اور اسی طرح ابن حجر نے لفظ "لشبع" پر آنے والی روایت کی شرح میں لکھا ہے "لشبع" لام تعطیل کے ساتھ بیشتر روایتوں میں آیا ہے اور صحیح بخاری کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی لام ہی کے ساتھ لکھا گیا ہے[3]۔

یہ ہیں وہ باتیں جو ابوہریرہ نے خود اپنے لئے کہی ہیں اور ہم نے اس کو بالکل اسی طرح ظاہری صورت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ ان کے دل میں اور کیا تھا یہ ایک علیحدہ امر ہے۔ جسے واقف اسرار، خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

۱۔ فتح الباری۔ ص ۲۷۱ اور ۲۷۲ — ج ۱۳

۲۔ فتح الباری۔ ص ۶۱ — ج

۳۔ فتح الباری۔ ص ۱۸۳ — ج ۱

ابوھریرہ کی زندگی

بعد از اسلام

خیبر کی فتح کے بعد جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو ابوہریرہ بھی دوسروں کی طرح آپ کے ساتھ تھے۔ اس وقت خیال تھا کہ ابوہریرہ بھی اوروں کی طرح تلاشِ معاش میں جستجو کرتے یا تجارت وزراعت میں سے کسی ایک کے درپے ہوتے تاکہ زندگی کی راہیں آبرومندانہ طریقے سے طے کرتے۔ مگر انہوں نے کام کرنے سے پہلوتہی کی اور ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس کے راہی ہر طرح کی سعی وکوشش سے آزاد ہیں اور ہمیشہ صدقات اور نیکوکار لوگوں کے اموال سے اپنی جھولی بھرتے رہتے ہیں۔ وہی صدقات جس کے لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ مال ومتاع کا میل ہے اسطرح ابوہریرہ اور ان کے ساتھی جنہوں نے ان کی طرح سستی اور کاہلی کو سرنامہ حیات بنایا تھا گدی نشینوں اور خانقاہی مکینوں کی طرح زندگی بسر کرنے لگے اور اگر ابوہریرہ ایک ایسے کام کو منظور نظر بناتے جو مردوں اور ان افراد کے شایان شان ہوتی ہے جو اپنی شرافت کی حفاظت کے درپے ہوتے ہیں یا اسی حدیث کی پیروی کرتے جس کو انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی شخص بندھی ہوئی لکڑیوں کی گٹھڑی کو اپنی پشت پر لاد کر مارا مارا پھرے بہتر ہے اس سے کہ کسی دولت مند کے آگے دست نیاز دراز کرے خواہ وہ سرمایہ دار اپنی دولت سے اسے کچھ دے یا نہ دے۔"[1]

۱۔ بخاری، مسلم اور نسائی سبھوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے!

اگر ابوہریرہ اس روش کو اپناتے تو یقیناً زیادہ شرافت مند زندگی کے حامل ہوتے
مگر انہوں نے راہ سوال اختیار کیا جس سے کبھی وہ پاتے اور کبھی محروم رہ جاتے۔
جیسا کہ انہوں نے بارہا اس بات کی تصریح کی ہے جس کو ہم آگے بیان کریں گے۔ ان
مطالب کو پڑھکر ابوہریرہ اور عبدالرحمٰن بن عوف کے درمیان فرق بخوبی واضح
ہو جاتا ہے۔ جن کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک مالدار شخص
سعید بن ربیع کا بھائی قرار دیا تھا اور جب سعید نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ میں اپنے
مال کا آدھا حصہ تم کو دیتا ہوں اور تمہارے لئے موزوں رشتہ تلاش کرتا ہوں
تو عبدالرحمٰن نے ان کے جواب میں کہا کہ خدا تمہارے اہل و مال میں برکت
دے مجھے بازار کا راستہ بتا دو[1]، اس صورت سے اگر کوئی شخص ابوہریرہ کی اس
خستہ حال زندگی کا جس کی انہوں نے خود تصریح کی ہے۔ مطالعہ کرے تو دیکھے
گا کہ مدینہ میں قیام کے دوران انکی زندگی کتنی تلخ اور دردناک تھی یہاں
تک کہ مفلسی اور بھوک نے انھیں صرع کا شکار بنا دیا تھا اور یہی صرع
کا اثر تھا۔ جس کو بعض افراد نے ان کے حق میں جنون سے تعبیر کیا ہے۔

۱۔ فتح الباری۔ ص ۲۳۲۔ ج

صفہ میں ابوھریرہ کی سکونت

لیکن جس جگہ ابوہریرہ نے پناہ لی اور اسے اپنا مسکن ٹھہرایا وہ "صفہ" کا مقام تھا[1]۔ جیساکہ ابونعیم نے "حلیۃ الاولیا"[2] میں لکھا ہے کہ ابوہریرہ اہلِ صفہ کے معروف ترین اشخاص میں سے تھے۔ انہوں نے کبھی اس جگہ سے کوچ نہیں کیا۔ وہ درحقیقت اس جگہ بسنے والوں میں سب پر سبقت رکھتے تھے، خود ان

۱۔ "صفہ"، مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمالی حصہ میں ایک مسقف جگہ تھی جس کے رہنے والے تاریخ ابوالفدا کے مطابق گھربار اور خاندانی جھمیلوں سے آزاد تھے۔ اسی لئے انہوں نے مسجد کے زیرسایہ پناہ لی اور صفہ کو اپنا ٹھکانا بنایا جس کی بنا پر اسی نام سے منسوب ہوئے۔ شام کے شام پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماحضر تناول فرماتے تو ان میں سے کچھ افراد کو پاس بلاکر اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرلیتے اور باقی کو اصحاب میں بانٹ دیتے تاکہ وہ ان کی تواضع کریں۔ اصحاب صفہ کے گروہ میں شادی بیاہ، سفر یا پھر کسی ذمہ داری کو قبول کرنے کے سبب ہمیشہ کمی بیشی ہوا کرتی تھی مگر ان تمام افراد میں ابوہریرہ ہی ایک ایسی شخصیت تھے جنہوں نے کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی یہاں تک کہ وہ بحرین منتقل ہوگئے جس کا بیان آگے آئے گا۔

۲۔ فتح الباری۔ ص ۳۷۶۔ ج ۱

کا کہنا ہے کہ: میں اہل صفہ سے تھا۔ اور جب رات کی سیاہی چھانے لگتی تو پیغمبر خدا ہمارے پاس آتے اور اپنے ساتھیوں سے فرماتے کہ ہم میں سے ایک یا زیادہ افراد کو صرف طعام کیلئے اپنے ساتھ لے جائیں۔ انہوں نے نیز یہ بھی کہا ہے کہ "میں نے اصحاب صفہ کے ستر افراد کی یہ حالت دیکھی ہے کہ ان کے پاس پہننے کیلئے درست کپڑے تک نہیں تھے۔ کچھ لوگ پرانی اور کچھ ایسی پھٹی ہوئی پوشاک پہن کر گذارہ کر رہے تھے جو فقط گلے کے ساتھ بدن پر لٹکی ہوئی تھی وہ بھی اس طرح کہ کسی کے پاؤں نمایاں تھے اور کسی کی نصف ٹانگیں۔ مگر کچھ ایسے بھی تھے جن کے ٹخنوں کو پوشاک نے ڈھانک رکھا تھا۔ تاہم ان سب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ ان سب کو اپنی پوشاک سمیٹنی پڑتی تھی تاکہ ان کی شرمگاہیں کھل نہ جائیں۔[1] واثلہ بن اسقع نے[2] اسکا مزید ذکر کیا ہے کہ: میں اصحاب صفہ میں سے تھا اور ہم میں سے کسی کے پاس بھی ڈھنگ کے کپڑے نہیں تھے جس کے سبب پسینے اور غبار نے ہمارے بدن پر گھر کر لیا تھا۔

۱۔ فتح الباری۔ ص ۴۲۶۔ ج ۱

۲۔ فتح الباری۔ ص ۳۷۸۔ ج ۱

صفہ میں ابوھریرہ کی بسر اوقات

صفہ میں ابوہریرہ کی بسر اوقات کے بارے میں اس بحث کو ہم خود ان پر چھوڑتے ہیں" تاکہ ان کی زبان سے یہ واقعات ہمارے سامنے آئیں پھر ہم اس میں اپنی طرف سے کوئی اضافہ بھی نہیں چاہتے۔ تاکہ اہل شورش اور جمود پذیر افکار طعنِ ابوہریرہ کے جرم میں ہمیں موردِ الزام نہ ٹھہرائیں۔

ابوھریرہ کے متعلق" ابونعیم نے "حلیتہ الاولیاء" میں ان ہی

سے نقل کیا ہے کہ "میرا تعلق اہل صفہ سے تھا۔ ایک دن روزہ کی حالت میں گزرا[1] شام ہوئی بھوک سے میرا برا حال تھا ایسے میں قضاء حاجت کے لئے صفہ سے کچھ دور نکل گیا۔ جب واپس لوٹا تو اغنیاء قریش کا لایا ہوا کھانا ختم ہو چکا تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اب کہاں جاؤں اور کیا کروں کہ ایسے میں کسی نے کہا عمر بن خطاب کے پاس جاؤ، میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جب وہ نماز سے فارغ ہو کر تسبیح میں مشغول تھے۔ میں نے توقف کیا۔ جب وہ عبادت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف جانے لگے تو میں نے ان کے قریب جا کر کہا۔ کیا آپ میری قرائت سننا پسند فرمائیں گے۔ درآں حالیکہ مجھے ان سے کھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیئے تھا۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے آل عمران کی چند آیتوں کو سنا اور اپنے گھر میں داخل ہو گئے۔ میں باہر ان کا انتظار کرتا رہا۔ جب انتظار نے کچھ طوالت اختیار کی تو میں نے دل میں سوچا کہ شائد کپڑے بدلنے میں دیر لگ گئی ہو ابھی کھانا لیکر آتے ہی ہوں گے۔ مگر جب کافی انتظار کے بعد بھی وہ لوٹ کر نہ آئے تو میں بالکل ہی مایوس ہو گیا۔[2] اور بخاری نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: "خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم بھوک کی وجہ سے کبھی میرا یہ حال ہوتا تھا کہ میں اپنے جگر کو زمین سے رگڑا دیا کرتا تھا اور کبھی شدتِ گرسنگی سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ اسی کیفیت کو لئے ہوئے ایک دن میں مسجد سے نکلنے والوں کی راہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایسے میں حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا، میں نے بڑھ کر ان سے کلام اللہ کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ میرے سوال کا مقصد بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ (مجھے سیر کیا جائے) لیکن حضرت ابوبکرؓ گذر گئے اور انہوں نے کچھ نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے میں نے پھر کلام اللہ کی ایک آیت کے بارے

۱۔ فتح الباری ۔ ص ۲۳۶ اور ۲۷۳ ۔ ج ۱۱

۲۔ سیر اعلام النبلاء ۔ ص ۲۷ ۔ ج ۲

میں ان سے سوال کیا۔ میرے سوال کا مقصد بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔۔۔۔۔۔۔۔ الخ۔ بخاری ہی نے ایک اور روایت میں ان سے نقل کیا ہے کہ میں شدید فلاکت میں گرفتار تھا۔ حضرت عمرؓ کے پاس گیا اور استفادہ کی خاطر کلام اللہ کی ایک آیت کے بارے میں ان سے سوال کیا۔ حضرت عمرؓ نے گھر پہنچ کر میرے لئے دروازہ کھولا میں دروازہ سے چند ہی قدم گیا ہونگا کہ شدت بھوک سے ان پر گر پڑا، بخاری ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ ان کا کہنا ہے: کبھی یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ میں منبر رسول اللہ؀ اور حجرہ عائشہؓ کے درمیان منہ کے بل پڑا ہوں اور وہاں سے گزرنے والے عابرین میرے سر و گردن کو کھندل رہے ہیں اور مجھے دیوانگی کی حالت میں دیکھ رہے ہیں۔ درآں حالیکہ میں دیوانہ نہیں تھا بلکہ بھوک تھی جس نے میرا یہ حال بنا رکھا تھا[1]۔ صفہ میں ابوہریرہ کی زندگی سے متعلق اس طرح کی باتیں کثرت کے ساتھ ملتی ہیں مگر ہم نے انھیں چند روایات پر اکتفا کیا ہے۔ ہمارا مقصد ان روایات سے ابوہریرہ کی عیب جوئی اور ان کی فلاکت کا مذاق اڑانا نہیں ہے۔ کیوں کہ فقر و افلاس عیب و ننگ نہیں۔ بلکہ ہمارا مقصد ان کی تاریخ حیات کے ایک حصّہ کو پیش کرنا ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔

۱۔ فتح الباری۔ ص ۲۵۹ اور ۲۶۰۔ ج ۱۳

ابوھریرہ

اور حضرت

جعفر بن ابی طالبؑ

ایسے موقع پر ابوہریرہ کی دستگیری کرنے والی شخصیت حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی تھی جب وہ لوگوں سے کھانے کی درخواست کرتے اور ان کی یہ درخواست کبھی قبول اور کبھی رد کر دی جاتی جیسا کہ بخاری نے خود ان سے نقل کیا ہے[2]۔۔۔!

۱۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب کو فقراء اور مساکین سے محبت تھی آپ ان کے ساتھ نیکی سے پیش آتے اسی سبب پیغمبر اکرم (ص) نے آپکی کنیت ابو المساکین رکھی تھی۔ ابو ظفر الصقلی کی کتاب "ابناء نجباء الابناء" میں مذکور ہے کہ: ایک دن ابوسفیان بن حرب اپنی لڑکی ام حبیبہ کے گھر آیا جو پیغمبر اکرم (ص) کی شریک حیات تھیں۔ اس نے وہاں جعفر بن ابی طالب کو دیکھا جو ابھی بچے ہی تھے اس کے بعد اپنی لڑکی سے مخاطب ہو کر پوچھا ام حبیبہ یہ کون بچہ ہے جس کے چہرے سے کرم و شرف و حیا کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ اُم حبیبہ نے کہا: تمہارا کیا خیال ہے؟ ابوسفیان نے کہا: شمائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاشمی ہے۔ اُم حبیبہ نے کہا: ہاں درست ہے! مگر کس خاندان کا فرد ہے؟ ابوسفیان نے کچھ تامل کے بعد کہا: اگر ابی طالب کا فرزند نہ ہو تو مجھے بطحا کے سچوں میں شمار نہ کرنا۔ اُم حبیبہ نے کہا بالکل درست ہے۔ ابی طالب کا بیٹا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: وہ شخص کبھی نہیں مر سکتا جس نے اس شان کا بیٹا اپنے پیچھے چھوڑا ہو۔

۲۔ فتح الباری۔ ص ۶۱ اور ۶۲۔ ج ۷

"اکثر ایسا ہوتا کہ میں ــــ لوگوں سے قرآن کی کسی آیت کے بارے میں پوچھتا تا کہ اس ذریعے سے لوگ میری طرف متوجہ ہوں اور نتیجتاً مجھے اپنے ساتھ کھانے پر مدعو کریں۔ ان تمام افراد میں سب سے زیادہ غریب پرور، مسکین دوست اور خیر خواہ ترین شخصیت حضرت جعفر بن ابی طالب کی تھی جنھیں ہمیشہ میرا خیال رہتا تھا اور جو کچھ گھر میں ہوتا وہ ہماری خاطر داری میں صرف کر دیتے تھے"

اسی طرح ترمذی نے ان سے نقل کیا ہے کہ: "میں جب کبھی حضرت جعفر سے کسی آیت کے بارے میں پوچھتا تو آپ کوئی جواب نہیں" دیتے یہاں تک کہ گھر پہنچ جاتے[1] شایداً اسی لئے[2] حضرت جعفر ابوہریرہ کی نگاہوں میں سب سے زیادہ افضل تھے اور آپکو حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور دیگر تمام اصحاب پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ ترمذی اور حاکم نے اسناد صحیح کے ساتھ ابوہریرہ سے روائیت کی ہے کہ: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نے پاپوش نہیں پہنی اور پشت زین پر سوار نہ ہوا اور قدم زمین پر نہیں رکھے اس کیفیت کے ساتھ کہ وہ فضیلت میں جعفر بن ابی طالب سے بڑھکر ہو۔ اسی روائیت کو کتاب سیر اعلام النبلاء نے بھی نقل کیا ہے[3]

یہ تھی مدینہ میں اصحاب صفہ کے سرگروہ ابوہریرہ کی داستان حیات۔ اسکے علاوہ ان کی اور کوئی شخصیت نہیں تھی کیونکہ وہ کوئی ایسا کام ہی انجام نہیں دیتے تھے جو قابل ذکر ہو بجز اس کے کہ سڑک اور مسجد کے دروازہ پر لوگوں کا راستہ روک

---

[1] کہ یہ ان کی عادت تھی۔

[2] شاید حضرت جعفر بن ابی طالب ابوہریرہ کے اس قسم کے سوالات کو اچھی طرح سمجھتے تھے جبھی تو گھر پہنچنے سے پیشتر ان کا جواب نہیں دیتے تھے۔

[3] ص ۱۵۸ ـ ج ۱

کر کھڑے ہوجائیں اور زبان کو طلب پر آمادہ کرکے ان کی بخشش قبول کریں۔ کوئی کچھ دے اور کوئی کترا کر نکل جائے۔ علاوہ ازیں منقول ہے کہ ایک مرتبہ اپنی کم ہمتی کے باوجود انہوں نے یہ طے کیا کہ شریک جنگ ہو کر اپنے آپ کو سرفروش مجاہدوں کی صف میں شامل کریں لہذا غزوہ موتہ میں دوسرے مجاہدوں کے ہمراہ شریک ہوئے لیکن جس وقت تلواروں کی جھنکار اور نیزوں کی تابش کو دیکھا تو طبع ان پر غالب آئی۔ خوف و دہشت سے ان کا بدن کانپنے لگا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور جب ان کو اس عمل پر سرزنش کی گئی تو انھیں اپنے دفاع کے لئے کوئی جواب نہ مل سکا۔

ابوھریرہ کی شکم پروری

ابوہریرہ کی شخصیت کئی پہلو سے قابل بحث ہے ان میں سے ایک پہلو شکم پروری اور کھانوں سے ان کی شدید رغبت ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ شکم پرستی ان کی زندگی میں بڑی شدت کے ساتھ اثر انداز ہوئی ہے اور یہ صفت طول حیات میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہی ہے حتیٰ کہ روایتِ صحیح کے مطابق جب حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان صفین کا معرکہ ہوا تو اس میں ابوہریرہ معاویہ کے دسترخوان

رنگ دسترخوان پر کھانا نوش فرماتے اور نماز حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے ادا کرتے اور جب لڑائی شدت اختیار کرتی تو وہ اطراف کے پہاڑوں میں چھپ جاتے۔ شکم پروری نے انھیں اس منزل تک پہنچا دیا تھا کہ صفتِ قناعت سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے وہ قناعت جو انھیں رسوائیوں سے بچاتی اور لوگوں کی بدگوئیوں سے محفوظ رکھتی۔ اسی سبب ہم نے یہ طے کیا کہ ابوہریرہ کی اس صفت کو بھی ضبط تحریر میں لے آئیں تاکہ ان کے بارے میں ہماری تاریخ کسی عنوان سے ناقص نہ رہ جائے۔ جو کچھ ابوہریرہ نے اپنے بارے میں نقل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کی کیفیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ لوگوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے اور ہر خاص و عام کا دروازہ کھٹکھٹاتے تاکہ اپنی بھوک مٹا سکیں اور یہی سبب تھا کہ لوگ ان سے گریزاں رہتے تھے۔ ابوہریرہ میں اس صفت نے اتنی شہرت اختیار کرلی تھی کہ آخر کار پیغمبر اکرم ؐ کو ان سے کہنا پڑا کہ وہ دیر دیر میں لوگوں سے ملنے جایا کریں۔ جس کی تفصیلات ہم بعد میں بیان کریں گے اور یہ شہرت ابوہریرہ کے نام کے ساتھ تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔ اب ہمیں ابوہریرہ کی شکم پروری اور خاص طور پر مضیرہ سے ان کی شدید رغبت کے سلسلے میں علماء اور اہل قلم حضرات کے منقولات کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

شیخ المضیرۃ

ابوہریرہ "شیخ المضیرہ" کے نام سے ملقب تھے۔ مضیرہ ایک خاص قسم کا کھانا تھا جو معاویہ کے رنگا رنگ کھانوں میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ یہ اہل قلم اور اہل سخن دونوں کا من بھاتا کھانا تھا اور اسے دوسرے تمام کھانوں پر فوقیت حاصل تھی۔ اسی لئے بیشتر نوادرات میں اس کا ذکر ملتا ہے اور — ! ابوہریرہ کی مرغوب غذا ہونے کی حیثیت سے یہ صدیوں بحث و گفتگو کا موضوع

بنا رہا۔ اس موضوع پر قلم فرسائی کرنے والوں میں ایک مشہور و معروف شخصیت ثعالبی کی ہے جس نے اپنی کتاب "ثمار القلوب فی المضاف[1] و المنسوب" میں لکھا ہے کہ "شیخ المضیرہ[2]" ابوہریرہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مصاحبت اور مقام فضل کے باوجود بہت شوخ اور بسیار خور تھے اور پھر اس کیفیت کے ساتھ انھیں علم طب کا بھی دعویٰ تھا وہ کہتے تھے کھجور قولنج کو رفع کرتی ہے اور صبح ناشتے میں شہد کا استعمال فالج کے لئے مفید ہے اور بہی کھانے سے بچے خوبصورت ہو جاتے ہیں۔ اور انار مصلح کبد ہے اور کشمش پٹھوں کو محکم بناتا ہے اور درد و مرض وحشی کو زائل کرتا ہے۔ کرفس معدہ کو تقویت پہنچاتا ہے اور کدو عقل میں اضافہ اور جلد کو ملائم کرتا ہے اور یہ کہ بہترین گوشت پیٹ، شانے اور گردن کی ہڈیوں کے اطراف کا گوشت ہے۔ ابوہریرہ دلیہ اور فالودہ کو کبھی ترک نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے یہ دونوں مادہ تولید فرزند ہیں۔ اور پھر ناقابل بیان حد تک مضیرہ کے بھی دلدادہ تھے اور اسے معاویہ کے دسترخوان پر تناول

1۔ ص ۸۶ اور ۸۷

2۔ مضیرہ گوشت کو دہی یا پھر دودھ کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا ہے، البتہ دودھ کے ساتھ ملا کر پکایا جاتا ہے۔ اور پھر اس میں دوسرے مصالحہ جات استعمال کئے جاتے ہیں۔ جس سے وہ بے انتہا لذیذ بن جاتا ہے اس کے شوربے میں اتنی لذت ہوتی ہے کہ سبھی اس کو پسند کرتے ہیں۔ امام محمد اعبدہ نے شرح مقامات بدیع الزمان ہمدانی میں لکھا ہے بلاد شام کے بیشتر کھانے جو دودھ کے ساتھ پکائے جاتے ہیں اور انکا شمار معاویہ کے لذیذ ترین کھانوں میں ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ مورد ضرب المثل قرار پایا۔

3۔ جب ہم طب ابوہریرہ کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات خاص طور پر نظر آتی ہے کہ اس میں بیشتر ایسی خوراک اور ایسے کھانوں کا ذکر ہے جو آنتوں کے درد کو زائل کرتی ہیں اور جس سے ابوہریرہ کی شکم پرستی کا مداوا ہوتا ہے۔

فرماتے اور جب نماز کا وقت آتا تو حضرت علی (ع) کے پیچھے اس فریضہ کو ادا کرتے اور جب کوئی ان سے اس طرز عمل کے بارے میں پوچھتا تو کہتے: معاویہ کا "مضیرہ" زیادہ مجرب اور علی (ع) کے پیچھے نماز زیادہ افضل ہے۔ اسی وجہ سے ان کو "شیخ المضیرہ" کہا جانے لگا۔ ایک شاعر نے ان کے بارے میں کہا ہے۔

وتولی ابوہریرہ عن نصر علی لیستفید الثریدا

ولعمری ان الثرید کثیر للذی لیس یستخف الہبیدا[1]

یعنی ابوہریرہ نے علی کی یاوری سے سرتابی کی تاکہ ثرید سے بہرہ ور ہو، اور ہاں اپنی جان کی قسم کہ ثرید اس شخص کے لئے زیادہ ہے جسے ہبید بھی نصیب نہ ہوتی ہو۔

زمخشری نے ربیع الابرار میں کہا ہے کہ ابوہریرہ کو مضیرہ بے حد پسند تھی اور اسے معاویہ کے دسترخوان پر نوش فرماتے تھے اور جب نماز کی گھڑی آتی تو حضرت علی (ع) کے پیچھے کھڑے ہو جاتے۔ جب ان سے اس بارے میں پوچھا گیا تو کہنے لگے۔ معاویہ کا مضیرہ زیادہ چرب و تر اور علی کے پیچھے نماز زیادہ افضل ہے، اسی لئے ان کا نام شیخ المضیرہ پڑ گیا۔ اور علامہ زمخشری نے "اساس البلاغہ" میں یہ بھی لکھا کہ ابوہریرہ کہتے تھے۔ اگر علی (ع) کے پاس مضیرہ ہوتا تو وہ معاویہ اور اس کے مضیرہ سے بہتر تھے۔ اور عماد حنبلی[2] کی تالیف "شذرات الذہب فی اخبار من ذہب" میں آیا ہے کہ ابوہریرہ نماز حضرت علی کے پیچھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر کھاتے تھے اور جنگ سے دامن بچایا کرتے تھے اور کہتے تھے: نماز علیؑ کے پیچھے زیادہ درست اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر زیادہ مجرب اور جنگ سے

۱۔ ہبید شاخ و برگ حنظل ہے جس کو لوگ ایام قحط میں پیس کر کھایا کرتے تھے۔

۲۔ ص ۶۴ ۔ ج ۱

دامن بچانا سلامتی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اور اس تذکرے کو برہان حلبی نے "سیرۃ الحلبیہ"[1] میں اور صاحب کتاب "روض الاخیار المنتخب من ربیع الابرار تالیف محمد بن قاسم بن یعقوب نے طعام اور اس کی قسموں کے باب میں نقل کیا ہے[2]۔ اور بدیع الزماں ہمدانی نے اپنی کتاب مقامات میں "مقامۃ المضیرہ" کے نام سے مضیرہ کے لئے ایک مخصوص مقام متعین کیا ہے اور اس میں ابوہریرہ پر طعنوں کی بوچھاڑ کی ہے اور کہا ہے "عیسیٰ بن ہشام سے منقول ہے کہ میں بصرہ میں تھا۔ میرے ساتھ ابوالفتح اسکندری بھی تھے جو فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ ہم دونوں ایک سوداگر کے مہمان تھے۔ جب ہم اس کے دستر خوان پر حاضر ہوئے تو صاحب خانہ نے مضیرہ کی ڈش ہمارے سامنے رکھدی، وہ مضیرہ جو اپنے برتن میں لرزہ براندام حاضرین کو دعا و سلام بھیج رہا تھا اور سلامتی کی نوید کے ساتھ معاویہ کی امامت کی گواہی دے رہا تھا۔ ہمارے استاد امام محمد عبدہ رضی اللہ عنہ نے اس عبارت کی تشریح میں لکھا ہے۔ معاویہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیعت کے بعد مدعی خلافت ہوئے ان کی خلافت کو حضرت علی علیہ السلام کی موجودگی میں کسی نے تسلیم نہیں کیا مگر وہ لوگ جو طالبان لذت اور ہوا و ہوس کے پیرو کار تھے۔ اور اگر مضیرہ کا شمار معاویہ کے اعلیٰ ترین کھانوں میں ہوتا تھا تو بلاشبہ یہی اس بات کا سبب بنا کہ اس کے کھانے والے معاویہ کی خلافت کی گواہی دیں اور گواہی کی نسبت مضیرہ کے ساتھ اس لئے ہے کہ مضیرہ ہی اس گواہی کا اصل باعث ہے

۱۔ ص ۳۹۷۔ ج ۳

۲۔ ص ۱۱۲

یہاں خلافت و امامت ایک ہی معنوں میں آیا ہے[۱]۔ بہر صورت یہ مغیرہ ہی تھا جس نے ابوہریرہ اور ان کے دیگر ساتھیوں کو خلافت معاویہ کی گواہی پر آمادہ کیا۔ اگرچہ ہمارے استاد معظم نے صراحت کے ساتھ ابوہریرہ کا نام نہیں لیا مگر اشارہ وکنایہ میں سب کچھ کہہ گئے۔ اسی طرح ہمدانی نے بھی اس کا پورا حق ادا کر دیا اس لئے ہم مغیرہ کے بارے میں اس بحث کو اسی حد تک چھوڑتے ہیں اور دوسری باتوں کی طرف جاتے ہیں۔ ابونعیم نے "حلیۃ الاولیا" میں روایت کی ہے کہ: ایک مرتبہ ابوہریرہ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: وائے ہو تجھ پر اے پیٹ۔ اگر تجھے بھرتا ہوں تو مجھے تکلیف دیتا ہے اور خالی چھوڑتا ہوں تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ "البدایہ والنہایہ" میں ابن کثیر کی روایت کے مطابق گالیاں دیتا ہے کی بجائے "مجھے رنج پہنچاتا ہے[۲]" کی عبارت درج ہے۔ نیز البدایہ میں ان سے روایت ہے کہ فرماتے تھے: "خداوندا مجھے تیز دانت قوی معدہ، اور دبر نشور[۳] عنایت فرما۔" یہی بات علامہ زمخشری نے ربیع الابرار میں نقل کی ہے۔ مذکورہ روایت کے بعد ہم اس موضوع پر نقل ہونے والی دوسری بے شمار روایتوں سے صرف نظر کرتے ہیں تاکہ فرد پرست اور ظاہر بین افراد کو اس سے زیادہ تکلیف نہ پہنچے۔

۱۔ ص ۱۰۹

۲۔ ص ۱۱۲۔ ج ۸

۳۔ چونکہ مترجم کو اس جملے کے اردو ترجمہ پر شرم محسوس ہوئی اس لئے عربی کی اصل عبارت کو عیناً نقل کیا ہے۔ (مترجم)

حدیث زر غبا
تزدد حبا

جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابوہریرہ کی کثرت کے ساتھ مسلمانوں کے گھروں پر آمد و شد اور انکو اس باعث تنگ آتے دیکھا تو آپؐ نے طے فرمایا کہ انھیں آداب زندگی کا درس سکھائیں شائد اس طرح وہ عالم قناعت میں قدم رکھکر اپنے مرتبہ کا تحفظ کریں۔ یوں بھی سرور کائنات (ص) اپنے اصحاب کیلئے بہترین معلم اخلاق تھے اور ہمیشہ ادب و حکمت کے ساتھ ان کی پرورش کیا کرتے تھے اور اپنی مخصوص اور مکمل روش کے ساتھ آداب و مکارم اخلاق کے پودے کو انہیں نشو و نما دیتے تھے ایسی صورت میں کسی طرح بھی یہ درست نہیں تھا کہ ابوہریرہ جیسے انسان کو جو برخلاف مراسم آداب و اخلاق ہر گھر پر جا کر مزاحمت ایجاد کرتے اور لوگوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے اپنی حالت پر چھوڑ دیں اور اپنی حکیمانہ تادیب و تربیت کے ساتھ ان کی تربیت نہ کریں۔ اسی لئے ایک دن آپ نے ابوہریرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابوہریرہ کل کہاں تھے؟ ابوہریرہ نے جواب دیا: اپنے عزیزوں کے گھر تھا، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ وقفہ وقفہ سے لوگوں کے گھر جایا کرو تاکہ تمہاری ساکھ برقرار رہے۔!

انصر اخاک ظالماً او مظلوماً

ہم ان دو حدیثوں " زر غبا تزدد حبا " اور " انصر اخاک ظالما او مظلوما " کے مفاہیم کو مجلۂ " الرسالہ " میں نشر کر چکے ہیں۔ ہماری بحث سے متعلق اس کے ایک حصّہ کو ہم دوبارہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ انصر اخاک ظالما او مظلوما " کا جملہ لوگوں کے درمیان ایام جاہلیت میں رائج تھا۔ اسلام نے اس کلام کے مفہوم کو نسخ کر دیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے اپنے عادلانہ مبادیات سے ہم آہنگ کرتے ہوئے اس کی تفسیر کی جیسا کہ مفضل ضبی نے اپنی کتاب "الفاخر" میں لکھا ہے: پہلا شخص جس کی زبان پر "انصر اخاک ظالما او مظلوما" کا جملہ آیا وہ جندب بن عنبر بن عمرو بن تمیم تھا اور اس سے اس کی مراد وہی ظاہری عبارت اور حقیقتاً حمیت جاہلی کی پیروی تھی جس کے لوگ عادی تھے اور اس ضمن میں ایام جاہلیت کے ایک شاعر نے کہا ہے۔

اذا انا لم انصر اخی وہو ظالم
علی القوم لم انصر اخی وہو یظلم

"اگر میں ستمکاری کے موقع پر اپنے بھائی کی مدد نہ کروں تو گویا میں نے مظلومیت میں اس کی حمایت نہیں کی ہے۔"

اس بنا پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی موقع کی مناسبت سے ضرورتاً اپنی گفتگو کے دوران امثال عرب سے کچھ فرماتے تو راویانِ حدیث اس کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کلام گردانتے اور لوگ اس کلام کو حدیث سمجھنے لگتے حالانکہ اصل بات وہی تھی جو ہم کہہ چکے ہیں۔ اسی گفتگو میں حدیثِ "زر غبا" "تزدد حبا" ہے۔ رجالِ حدیث نے اسکو پیغمبر اکرمؐ ہی سے منسوب کر کے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ سب سے پہلے جسنے یہ بات اپنی زبان پر جاری کی وہ معاذ بن حزم الخزاعی تھا۔ ابوحیان توحیدی نے بھی اپنی کتاب "الصداقہ والصدیق" میں اس جملہ کا اضافہ کیا ہے کہ: ابوہریرہ نے کہا "زر غبا" "تزدد حبا" کا جملہ ہمیشہ لسان عرب میں رائج تھا۔ یہاں تک کہ میں نے پیغمبر اکرم (ص) سے اس حدیث کو اپنے بارے میں سنا۔ اور عسجدی نے کہا ہے کہ اس کلام کو عمومیت حاصل نہیں ہے بلکہ ایسے مقام پر بولا جاتا ہے جہاں ملاقاتی کو اس کا حق پہنچتا ہو۔ اسی لیے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو حضرت ابوبکرؓ، حضرت

علی بن ابی طالب علیہ السلام یا ان کے مانند کسی دوسرے صحابی سے نہیں کہا مگر چونکہ ابو ہریرہ اس کے حقدار تھے اس لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے یہ بات ان سے کہی اور اس کا سبب وہی ناپسندیدہ روش تھی جس کو ابو ہریرہ اپنائے ہوئے تھے اور جسے اس گفتگو کے بعد ختم ہو جانا چاہیئے تھا۔ یہ ناپسندیدہ روش جس کی خاطر وہ ہمیشہ در در گھوما کرتے اور آخر کار کہیں کسی کے لطف و کرم کا سبب بنتے اور کہیں کوئی ان سے دوری اختیار کرتا اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چاہا کہ اس طرح ابو ہریرہ کو ادب دیدار کا درس سکھائیں اس رو سے آپ نے "زر غبا تزدد حبا" والی عربی مثل کو ان کے لئے بیان فرمایا۔ اور پے در پے دیدار کے بارے میں شاعر نے کہا ہے:

ازا شئت ان تقلی فزر متواتر
وان شئت ان تزداد حبا فزر غبا

اگر لوگوں کا غصہ اور ان کی ناراضگی چاہتے ہو تو پے در پے ان سے ملنے جایا کرو اور اگر ان کے محبوب بننا چاہتے ہو تو وقفے وقفے کے ساتھ ان سے ملاقات کرو۔"

اس بحث کے اختتام پر ہم اس حدیث کو نقل کرتے ہیں جسے مسلم نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کیونکہ اس حدیث کا ہمارے موضوع بحث سے گہرا تعلق ہے اور وہ حدیث یہ ہے: "بدترین کھانا ولیمہ کا کھانا ہے اس لئے کہ جو کوئی اس میں شریک ہوتا ہے (یعنی بن بلائے) اس سے محروم ہوتا ہے اور جو اس سے امتناع کرتا ہے اسے اس کی دعوت دینا چاہیئے۔ اور جو کسی کی دعوت قبول نہ کرے گویا اس نے خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کی ہے۔" اس طرح ابو ہریرہ کھانے کے بارے میں اپنا خود ساختہ قانون اور شریعت کے مطابق فیصلہ کر رہے ہیں۔

ابوھریرہ کی شوخیاں

مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ ابوہریرہ بہت شوخ طبع واقع ہوئے تھے انہوں نے لوگوں کے ساتھ ہر وقت آنے جانے کو اپنا معمول بنا رکھا تھا۔ اور عجیب طرح کی باتوں اور شوخیوں سے ان کا دل بہلایا کرتے تھے تا کہ اس طرح وہ لوگوں کی توجہ اور ان کی دلچسپی کو زیادہ بہتر طریقہ سے اپنی طرف منعطف کریں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے جو سب سے زیادہ ابوہریرہ کے حالات کی واقف

کار تحقیق حدیث "مہراس[1] میں کہا ہے کہ: ابوہریرہ بے انتہا یاوہ گو[2] شخص تھے" ذیل میں ہم انکی یاوہ گوئی کی ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔

ابو رافع نے روایت کی ہے کہ: کبھی ایسا ہوتا تھا کہ مروان بن حکم، ابوہریرہ کو مدینہ میں اپنا جانشین چھوڑتے۔ ابوہریرہ گدھے پر کاٹھی جمائے گردن میں لٹکے ہوئے لیف خرما کے حلقے کے ساتھ اس پر سیر کو نکلتے اور جب کسی کے سامنے پہنچتے تو آواز دیتے: "راستہ دو امیر آرہا ہے"۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ رات کو گھر سے نکل کر گلی میں کھیلنے والے بچوں میں شامل ہو جاتے اور، ہنگامہ آرائی کرتے، بچے یہ دیکھکر ان کے پاس سے فرار ہو جاتے[3]۔ ابن کثیر کی روایت میں ہے کہ: گویا ابوہریرہ ایک دیوانہ تھے۔ جب بچوں کو ہنسانا چاہتے تھے۔ بچے بھی انھیں چھوڑ کر اطراف کی گلیوں میں بھاگ جاتے اور ہر طرف سے ہنسنے کی صدائیں بلند ہوتیں[4] اور ثعلبہ بن ابی مالک القرظی نے نقل کیا ہے کہ: ایک دن ابوہریرہ لکڑیوں کی گٹھری بغل میں دابے بازار سے گذر رہے تھے۔ اسوقت وہ مروان کے جانشین تھے۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگے: امیر کیلئے راستہ چھوڑو![5] میں نے ان سے کہا: اے ابو مالک یہ راستہ تمہارے لئے کافی ہے۔ انہوں نے دوبارہ کہا: امیر کے لئے راستہ

۱۔ حدیث مہراس کا واقعہ یوں ہے کہ ابوہریرہ نے پیغمبر اکرمؐ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا "سو کر اٹھنے کے بعد تم میں سے کوئی پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے کیوں کہ اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ (نجاست و طہارت کے اعتبار سے) کس عالم میں ہے" اور جب حضرت عائشہ اور ابن عباس نے اس حدیث کو سنا تو انہوں نے اس کی سخت مخالفت کی اور کہا پھر ہم کس طرح بغیر ہاتھ ڈالے ہوئے آب مہراس سے (سنگین پیالہ جس سے وضو کیا جاتا ہے۔ منتھی الاداب) وضو کر سکتے ہیں۔

۲۔ کتاب الاحکام فی اصول حکام، تالیف آمدی۔ ص ۱۰۶۔ ج ۲

۳۔ کتاب المعارف ابن قتیبہ، ص ۱۲۱ اور کتاب سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۴۱ اور ۴۴۲

۴۔ کتاب البدایہ والنہایہ۔ ص ۱۱۳۔ ج ۸

۵۔ کتاب سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۴۲۔ ج ۲

چھوڑ دو کہ وہ لکڑیاں لادے جا رہا ہے۔)

ابو ہریرہ کو مدینہ میں مروان کی جانشینی اس وقت نصیب ہوئی جب وہ معاویہ سے منسلک ہوئے اور ان کے دوستوں میں ان کا شمار ہونے لگا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کا ذکر آئے گا۔

۱۔ یہ انسانی جملہ حلیہ ابو نعیم سے نقل ہوا ہے۔

ابوھریرہ بحرین میں اور انکی پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ مصاحبت

اس سے پہلے ہم ابوہریرہ کی طرز زندگی اور اہل صفہ کے درمیان ان کی شہرت کے بارے میں تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ اب ہم مدینہ سے باہر انکی شرح زندگی کو اجاگر کرنے کے لیئے اس داستان کو آگے بڑھانا چاہتے ہیں تاکہ مطالب کماحقہ ایک دوسرے کے ساتھ مربوط و مسلسل رہیں۔ ابوہریرہ نے جیسا کہ خود اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔ ایک مدت تک صفہ میں زندگی بسر

کی اور مسلسل تکالیف برداشت کیں۔ اس مدت کی ابتداء صفر سنہ ۵ ہجری یعنی جس مہینے خیبر کا معرکہ سر ہوا ہے شروع اور ذیقعدہ سنہ ۸ ہجری کو ختم ہو جاتی ہے۔ جس کے بعد وہ بحرین منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں ابو ہریرہ فقط ایک سال اور نو مہینے مدینہ میں توقف کرتے ہیں نہ یہ کہ آخری لمحہ تک سرور کائنات ص کی مصاحبت میں رہے۔ جیسا کہ جمہور مسلمین کا خیال ہے۔ گویا اس طرح انہوں نے تین سال بقولے چار سال مدینہ میں گذارے۔ اب ہم انکی بحرین مہاجرت اور وہاں پر اقامت کی داستان کو موثق ترین مصادر اور صحیح ترین اسناد کے ساتھ پیش[1] کرتے ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "جعرانہ[2]" سے واپسی پر اور غنائم حنین کی تقسیم کے بعد علاء بن حضرمی کو بحرین[3] میں ایرانیوں کے عامل منذر بن ساوی العبدی کے پاس دعوت اسلام کی غرض سے بھیجا۔ منذر نے اسلام قبول کیا۔ جزیہ کے ذریعہ اعلاء سے سمجھوتہ کرلیا۔ علاء بن حضرمی کے ساتھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ اس بحث میں ہم کتب ذیل سے رجوع کرتے ہیں۔ طبقات ابن سعد، تاریخ طبری سیرۃ ابن ہشام الاستیعاب تالیف حافظ مغرب ابن عبدالبر، ابن خلدون، اسد الغابہ، اعلام النبلاء تاریخ کبیر ذہبی، البدایہ والنہایہ تالیف ابن کثیر، معجم البلدان، فتح الباری اور الاصابہ ابن حجر عسقلانی۔

۲۔ "جعرانہ"، طائف اور مکہ کے درمیان ایک دریا ہے مگر مکہ سے زیادہ قریب ہے اس پانی کے کنارے پیغمبر اکرم ص نے حنین کے غنائم کو ذیقعدہ، سنہ ۸ ہجری میں تقسیم فرمایا تھا۔

۳۔ بحرین، بصرہ اور عمان کے درمیان عراق کا مشہور و معروف شہر ہے اور اسلامی فتوحات سے پہلے عبدالقیس، بکر بن وائل، اور تمیم کے قبائل کے بہت سے لوگ حکومت ایران کی حمایت کے تحت اس علاقے میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ آج کل یہ ایک مستقل حکومت ہے۔

نے جن افراد کو بحرین بھیجا ان میں ابوہریرہ بھی شامل تھے، جن کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علاء سے فرمایا تھا: اس کوشش میں رہو کہ ان کے ساتھ نیکی کی جائے۔ اس لئے اعلاء سے فرمایا، پیغمبر اکرمؐ نے مجھ سے سفارش کی ہے کہ تمہارے ساتھ نیکی کی جائے۔ بتاؤ کس چیز کی ذمہ داری قبول کرنا چاہتے ہو۔ ابوہریرہ نے کہا۔ مجھے اپنا موذن بنالو اور دوسرے یہ کہ "آمین کہنے میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔ اعلاء نے ان کی درخواست قبول کی[1]۔ منذر بن ساوی نے پیغمبر اکرمؐ

۱۔ اس صحیح خبر کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ ابوہریرہ بجز موذنی کوئی اور دینی خدمت انجام دینے سے قاصر تھے اور بخاری نے امام کے آمین بالجہر کہنے کے باب میں لکھا ہے کہ ابوہریرہؓ امام سے فرماتے تھے کہ آمین پر دست درازی نہ کرنا اور شرح حافظ ابن حجر میں اس حدیث کے متعلق یوں آیا ہے کہ "ابوہریرہ کی مراد یہ تھی کہ نماز میں امام کے ساتھ "آمین" کہیں اور حقیقتاً ابوہریرہ کا مقصد یہ ہے کہ آمین کہنے میں جو ماموم کے وظائف میں شامل ہے مجھ سے نہ الجھنا دوسرے طریقہ سے بیہقی کی روائیت کے مطابق: ابوہریرہ مروان کے لئے اذان دیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ شرائط رکھی تھیں کہ " ضالین " نہ کہنے جب تک یہ نہ جان لے کہ وہ داخل صف ہو گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ءِ نماز میں ابوہریرہ اقامہ کہنے کے بعد صفوں کو درست کرنے میں لگ جاتے مگر مروان ان کے فارغ ہونے سے پیشتر ہی نماز شروع کر دیتا جس کی بناء پر ابوہریرہ کو یہ تاکید کرنی پڑی، یہ صورت حال ابوہریرہ کو مروان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ بھی پیش آئی جیساکہ سعد بن منصور نے محمد بن سیرین کے سلسلہ میں روایت کی ہے کہ ابوہریرہ بحرین میں موذن تھے انہوں نے امام جماعت کے ساتھ یہ شرط رکھی کہ آمین کہنے میں اُن پر سبقت نہ کی جائے اُس وقت امام بحرین علاء بن حضرمی تھے۔ اور عبدالرزاق نے بھی ابوسلمہ کے سلسلے میں اس روائت کو نقل کیا ہے۔ فتح الباری۔ ص ۲۰۸، ۲۰۹۔ ج ۲

کی وفات کے بعد اور اہل بحرین کے ارتداد اسلام سے پہلے انتقال کیا جبکہ علا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اسی طرح بحرین کے امیر
تھے اور جب اہل بحرین بھی پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد دیگر بے شمار
لوگوں کی طرح مرتد ہو گئے تو حضرت ابو بکرؓ نے علاء بن الحضرمی کو مسلمانوں کے ایک
لشکر کے ساتھ مرتدین سے جنگ کیلئے بھیجا۔ ان کے اور مرتدین کے درمیان ایک کم گہری
نہر کی رکاوٹ حائل تھی، مسلمانوں نے اس نہر کو عبور کیا اور مرتدین سے سخت مقابلہ
کر کے ان پر غلبہ حاصل کیا پھر علاء نے ان سے زکاۃ وصول کی اس کے بعد وہ شہر دارین[1]
پہنچے اور اسے بھی فتح کیا۔ اسی طرح وہ آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ حضرت ابو بکرؓ کا
انتقال ہو گیا، علاء اسی طرح بحرین کے امیر تھے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کو خلافت ملی
علاء کو اب بھی امارت حاصل رہی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ عتبہ بن غزوان[3] کے پاس
جائیں اور اس کے منصب کو سنبھالیں، علاء ایک گروہ کے ساتھ اپنی منزل
کی طرف روانہ ہوئے جسمیں ابو ہریرہ بھی شامل تھے۔ حضرت عمرؓ نے بحرین کی امارت
قدامہ بن مظعون[4] کے حوالہ کی پھر سنہ ۲۰ ہجری میں طبری کی روایت کے مطابق
اسے معزول کر کے اس کی جگہ ابو ہریرہ کو جو اسوقت بحرین میں تھے۔ وہاں کی امارت
سونپی چونکہ قدامہ نے شراب پی لی تھی اور دوسری طرف علاء بن الحضرمی کو
بحرین کی امارت جیسا کہ ذہبی نے لکھا ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱- دارین بحرین کی ایک بندرگاہ ہے۔

۳- عتبہ بن غزوان اسلام لانے والوں میں ساتویں شخص تھے اور نیز ان افراد میں
سے تھے جو غزوات میں شریک ہوا کرتے تھے۔ یہی وہ شخص ہیں۔ جنہوں نے شہر
بصرہ کی بنیاد ڈالی، عتبہ کا سن وفات ۱۸ اور بقول بعضے ۱۵ ہجری ہے۔
(صحیح مسلم میں ان سے حدیثیں وارد ہیں۔)

۴- قدامہ بن مظعون سابقین بدریین میں سے ہیں۔

کے زمانِ سے آپ ہی کے زمانے میں ملی۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف سے بھی یہ امارت ان کے پاس رہی[1] اور سابقہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوہریرہ اپنے وطن سے مہاجرت اختیار کر کے پیغمبر اکرمؐ کی خدمت اقدس میں شرفیاب ہوئے اور وہ وقت صفر سنہ ۷ ہجری کا تھا جب آپؐ خیبر میں تشریف فرما تھے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں تقسیم غنائمِ حنین کے بعد جعرانہ[2] سے واپسی پر علاء بن الحضرمی کے ساتھ بحرین بھیجا اور یہ وقت ذیقعدہ سنہ ۸ ہجری کا تھا۔ اس رو سے ابوہریرہ کی جوار پیغمبر اکرمؐ میں مدت اقامت صفر سنہ ۷ ہجری سے شروع اور ذیقعدہ سنہ ۸ ہجری کو ختم ہو جاتی ہے اور جب ہم اس مدت کا حساب لگاتے ہیں تو کسی طرح بھی ایک سال نو مہینے سے زیادہ عرصہ نہیں بنتا اور جب ابوہریرہ بحرین گئے تو وہاں ان کا کام جیسا کہ وہ خود چاہتے تھے۔ اذان دینا تھا اور اگر علاء، ابوہریرہ میں دینی امر پر مبنی کسی اور کام کی صلاحیت پاتے تو کبھی ان سے یہ نہ پوچھتے کہ: تمھیں کیا کام پسند ہے؟ نیز اگر ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے کہ ابوہریرہ کام کے آدمی ہیں اور دینی امور میں سے کسی کام کو انجام دے سکتے ہیں تو بلا تردید علاء سے ان کی سفارش کرتے وقت فرماتے: میں ابوہریرہ کو تمہارے ساتھ بھیجتا ہوں تاکہ وہ دینی امور سے لوگوں کو آگاہ کریں جیسا کہ معاذ بن جبل، ابن مسعود

۱۔ سیر اعلام النبلاء ذہبی۔ ص ۱۹۱ — ج ا

۲۔ طبقات ابن سعد۔ ص ۷۶، ۷۷۔ ج ۴ ق ۲ — اس کے علاوہ دیگر بہت سے موقع میں اس کا ذکر ملتا ہے۔

اور ابوموسی اشعری[۴۱] جیسے دیگر افراد کو جو تمام ابوہریرہ کے ہمراہ ایک ہی وقت میں اسلام لائے تھے مختلف خطوں میں بھیجا جاتا تاکہ وہ لوگوں کو امر دین سے آشنا کریں۔ مختصر یہ کہ جن نکات کی ہم نے یاد دہانی کی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ ابوہریرہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں یا حضرات ابوبکر و عمر و عثمانؓ کے زمانوں میں سے کسی بھی زمانے میں کسی دینی مسئلہ سے آگاہ تھے جس کی بنا پر لوگ ان سے بہرہ مند ہوتے اور انشاء اللہ ہم جلد ہی اس موضوع کو دیگر محکم دلائل کے ذریعے ثابت کریں گے۔ ہاں البتہ جس وقت وہ علاء بن الحضرمی کے ساتھ تھے اس وقت وہ اذان کے فریضہ سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے اور اسی طرح مروان بن حکم کے زمانے تک جو ۴۱ ہجری کے بعد معاویہ کی طرف سے والی مدینہ بنا اس وظیفہ کو بحسن و خوبی انجام دیتے رہے اور یہ اس لئے تھا کہ وہ

۴۱۔ ابوموسی اشعری فتح خیبر کے موقع پر پیغمبر اکرمؐ کے حضور شرفیاب ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں خیثمی مرتبتؐ کے نزدیک اپنا ایک مقام حاصل کر لیا۔ ختمی مرتبتؐ نے انھیں مخالیف یمن پر مامور کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں والی بصرہ مقرر ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد حضرت عمرؓ نے ان کے اموال کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ اٹھا کر انھیں بصرہ کی ولایت سے معزول کر دیا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ان کی طرف سے والئی کوفہ بنے یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام نے انھیں معزول کیا اور اسی وجہ سے وہ آپ کے مخالف ہو گئے اور آپ کے حق میں کسی بدگوئی سے پرہیز نہ کیا اور حکمین کے دن آپ سے منحرف ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں معاویہ کے نزدیک انھیں بلند مرتبہ حاصل ہو گیا۔ ابوموسی کے فرزند ابوبردہ کا کہنا ہے کہ معاویہ کی طرف سے تمام دروازے ان کے لئے کھلے ہوئے تھے کوئی ایسی خواہش نہیں تھی جس کو معاویہ ان کے لئے بر نہ لاتا اور یہ سب باتیں اس لئے تھیں کہ میرا باپ ان کا دوست تھا۔

ایام جوانی میں ابن عفان اور بسرہ دختر غزوان کی خدمت گذاری کے موقع پر حدی[1] کو اچھے انداز میں گایا کرتے تھے۔ مذکورہ مطالب کی بنیاد پر بطور قطع ویقین کتاب طبقات ابن سعد کے صحت قول کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ' ابوہریرہ نے اظہار فتوی اور نقل حدیث نہیں کیا مگر قتل حضرت عثمان کے بعد اس ضمن میں ابن سعد اور دیگر افراد کے اقوال کو انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان کیا جائے گا۔ قابل ذکر امور میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جب ابوہریرہ علاء کے ساتھ بحرین میں تھے اور جنگ زدہ وقوع پذیر ہوئی تو اس لڑائی اور علاء کی شہامت نے انھیں بری طرح متاثر کیا اور اس بارے میں جن مطالب کو انہوں نے نقل کیا وہ حقیقت سے زیادہ خرافات پر مبنی ہے۔ ہم ان کی گفتگو کے ایک حصہ کو یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ اہل مطالعہ روایت اور نقل خبر میں ان کے میزبان تخصص و نبوغ کو اچھی طرح جان لیں، ابوہریرہ نے اس معرکہ کو اس طرح نقل کیا ہے کہ جب علاء بن الحضرمی چار ہزار افراد کے ساتھ عازم بحرین ہوئے تو انہیں میں بھی شامل تھا۔ انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا یہاں تک کہ ایسے دریا کے کنارے پہنچے کہ جس پر نہ ان سے پہلے کسی نے قدم رکھا اور نہ ان کے بعد کوئی رکھ سکتا ہے۔ اس کے بعد علاء نے گھوڑے کی لگام کو تھاما اور پانی پر سے روانہ ہوئے۔ ان کے پیچھے ان کا لشکر بھی روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ کہتے ہیں: قسم باخدا نہ تو ہم میں سے کسی کا پیر گیلا ہوا اور نہ جوتا یہاں تک کہ گھوڑوں کے سم بھی خشک رہے، اور دوسری روایت میں یوں فرماتے ہیں کہ: میں نے علاء سے ایسی باتیں دیکھی ہیں جس کے سبب ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے دارین کے دن دریا کو نور دیکھا اور بحرین سے رہسپار ہوئے اس کے بعد ہنا[2] میں

---

[1] حدی وہ گانا ہے جسے ساربان اونٹوں کے لئے گایا کرتے ہیں۔

[2] ہناء نجد میں ایک مقام ہے جہاں پر بنی تمیم آباد ہے۔

اللہ سے پانی مانگا تو پانی زمین سے جوش مارنے لگا اور تمام لشکر سیراب ہو کر آگے بڑھا۔ ایسے میں کسی سپاہی کو اپنی بھولی ہوئی چیز یاد آئی اور جب وہ اسے لینے واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ وہاں پانی کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور یہ کہ جب علاء کا انتقال ہوا تو ان کے غسل کے لئے پانی دستیاب نہ تھا۔ اللہ نے ایک ابر کو ہم پر برسایا اور ہم نے اس کے پانی سے علاء کو غسل دیا۔ اس کے بعد اپنی تلواروں سے قبر کھود کر بغیر لحد تیار کئے انھیں دفن کر دیا۔ اور ایک دوسری روایت میں اس طرح کہتے ہیں کہ ہم نے علاء کو دفن کر دیا اور ضرورتاً ہمیں ان کی لحد کی ایک اینٹ اٹھانی پڑی تو ہم نے دیکھا علاء قبر میں نہیں ہیں۔ لیکن یہ تمام باتیں جن سے علاء حیران نظر آتے ہیں ان کا قطعی طور پر حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بجز اس کے کہ علاء کا لشکر دارین جاتے ہوئے دریا کی ایک عمومی گذرگاہ سے گذرا جس کی طرف کرار البکری نے رہنمائی کی تھی اور انہیں اس راہ سے آشنا کیا تھا، اور ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۸ ہجری میں جس دن سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوہریرہ کو علاء کے ساتھ بحرین بھیجا وہ اسی طرح وہیں رہے اور یہ بات واضح طور پر خود ان ہی کی اس گفتگو سے مختلف ہے جس میں انہوں نے کہا کہ وہ نویں ہجری میں حج کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، الغرض ہماری یہ بات کہ ابوہریرہ کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدت مصاحبت صفر سنہ ۷ ہجری سے ذیقعدہ سنہ ۸ ہجری تک تھی۔ قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس بحث کے اختتام پر ضروری ہے کہ ہم ایک دلچسپ اور مزیدار موضوع کو جو ہمارے موضوع بحث سے غیر مربوط نہیں ہے نقل کر کے اس باب کو ختم کریں۔

۱۔ اس موضوع کے لئے کتب الاستیعاب ابن البر، الاصابہ ابن حجر، سیر اعلام النبلاء ذہبی، معجم البلدان اور کتاب عبداللہ بن سبا تالیف علامہ مرتضی العسکری جن کا شمار کبار علماء عراق میں ہوتا ہے۔ ص ۱۷ ا سے رجوع فرمائیں۔

ابوھریرہ کا تجاہلِ عارفانہ

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جس وقت حضرت عمر بن خطابؓ نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کی امارت حوالے کی اور قدامہ نے وہاں شراب نوشی کی تو قبیلہ عبد قیس کے سردار جارود العبدی نے اس کی خبر حضرت عمرؓ کو دی۔ حضرت عمرؓ نے جارود سے پوچھا کہ تمہارے علاوہ کوئی اور بھی اس امر پر گواہی دینے والا ہے تو جارود نے کہا: بے شک، ابوہریرہ، حضرت عمرؓ نے ادائے شہادت کے لئے

بحرین سے ابوہریرہ کو طلب کیا۔ ابوہریرہ نے کہا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ قدامہ نے شراب پی لی ہو۔ مگر یہ دیکھا کہ وہ مستی کے عالم میں تھے اور بار بار قے کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: ابوہریرہ میں خوب جانتا ہوں تم بھولے بن رہے ہو اور گواہی سے کترانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ابوہریرہ نے قدامہ کی بیوی ہند کو جو ولید کی لڑکی تھی بلوا بھیجا اور اس سے شہادت طلب کی۔ ہند نے گواہی دی کہ اس کے شوہر نے شراب پی تھی۔ جب حضرت عمرؓ نے چاہا کہ حد جاری کریں تو قدامہ نے کہا: تم ایسا نہیں کرسکتے، کیونکہ خداوند عزوجل کا فرمان ہے۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا[1]

(سورہ مائدہ۔ آیہ ۹۳) حضرت عمرؓ نے کہا تم نے قرآن کی نامناسب تفسیر کی ہے آگے کا حصہ بھی پڑھو "إِذَا مَا اتَّقَوْا"[2] اور اگر تم پرہیزگار ہوتے تو جن چیزوں کو خدا نے حرام قرار دیا ہے اس سے اجتناب کرتے اس کے بعد حکم دیا کہ ان کو تازیانے مارے جائیں۔ اور پھر پلٹ کر ان سے گفتگو کی اور ان کے لئے طلب مغفرت چاہی۔

بدریوں میں سے قدامہ کے علاوہ کسی اور پہ حد شراب خمر جاری نہیں ہوئی[3]

۱۔ (ترجمہ) جو لوگ ایمان لائے اور جو نیک عمل کرتے ہیں انہوں نے جو کچھ کھایا پیا ہو اس کے بارے میں ان پر کوئی گناہ نہیں۔

۲۔ ترجمہ: اس حال میں کہ وہ ڈرتے رہے۔

۳۔ کتاب الاستیعاب۔ ص ۴۵۸ ۔ فتح الباری۔ ص ۲۵۵، ج ۷

قدامہ بن مظعون، ام المومنین حضرت حفصہؓ اور ابن عمر کے ماموں ہیں انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی اور سنہ ۳۶ ہجری میں انتقال کیا۔

ابوھریرہ کعب الاحبار سے نقلِ حدیث کرتے ھیں

علماء حدیث نے "باب روایت اکابر از اصاغر یا صحابہ از تابعین" میں نقل کیا ہے کہ ابوہریرہ اور عبداللہ نامی تین اشخاص (عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، اور عبداللہ بن عمرو بن العاص) اور دیگر افراد نے یہودی عالم کعب الاحبار سے نقل روائیت کی ہے جس نے راہ فریب سے اظہار اسلام کیا تھا اور اس کا قلب یہودیت کی طرف مائل تھا، جیسا کہ علامہ سیوطی نے اپنی الفیہ میں کہا ہے:

وقد روی الکبار عن صغار | فی السن او فی العلم والمقدار[1]
ومنہ اخذ الصحب من اتباع | وتابع عن تابع الاتباع
کالحبر عن کعب وکالزہری | عن مالک ویحییٰ الانصاری

"اکابرین میں بہت سوں نے کیا سن اور کیا علم و منزلت کے اعتبار سے اپنے سے کمتر لوگوں کی روایتوں کو اپنایا ہے اور اس طرح بہت سے صحابہ نے تابعین اور تبع تابعین سے نقل حدیث کی ہے۔ جیسے عبداللہ بن عباس نے کعب، اور زہری نے مالک اور یحییٰ الانصاری سے روایت کی ہے۔

شارح الفیہ شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے کہا ہے صحابہ کا تابعین سے روایت کرنا اس طرح ہے جس طرح عبداللہ بن عباس (ابوہریرہ) اور انس وغیرہ نے کعب الاحبار سے روایت کی ہے۔ الی آخرہ[2]

---

[1] ص ۲۳۷، ۲۳۸ - اس قسم کے ابیات الفیہ عراق میں وارد ہوئے ہیں۔
——— الکتاب فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث عراقی کے صفحات ۸۳۲ اور ۸۳۳

۲ - کعب الاحبار اپنے دور کا سب سے بڑا یہودی پیشوا تھا وہ حضرت عمر کے زمانے میں مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے ظاہرا اسلام لایا، اس نے اپنے ساتھی وہب بن منبہ کے ساتھ جو کچھ چاہا اسلام میں داخل کر دیا، اس کا اہم ترین کام حضرت عمرؓ کے اقدام قتل میں اس کی شرکت ہے۔ حضرت عمر نے کبھی اس سے کہہ دیا تھا کہ اپنی یہودی گری سے باز آجائے اور اس کے بعد اسے دھمکایا بھی کہ اگر نقل حدیث سے اپنی زبان نہ روکی تو مستوجب سزا ہوگے۔ اور جیسا کہ سبط ابن الجوزی نے اپنی کتاب مراۃ الزمان میں لکھا ہے کہ جب کعب الاحبار عہد حضرت عمر میں اسلام لایا تو وہ حضرت عمر کے لئے اپنی قدیم کتابوں سے نقل اخبار کیا کرتا تھا اور اکثر ہوتا کہ حضرت عمر اس کی باتوں کو سن لیا کرتے تھے۔ جس کی بنا پر لوگوں نے بھی اس کی باتیں سننے میں اپنے آپ کو آزاد پایا اور اسکی صحت و سقم سے کوئی سروکار نہ رکھا (تفسیر ابن کثیر ص ۱۷، ج ۴)

دانش کعب الاحبار کی نشر و اشاعت میں ابوہریرہ اور ابن عباس کا بہت بڑا حصہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہ میں سب سے زیادہ ابوہریرہ کعب الاحبار کے فریفتہ تھے اور اسپر بھروسہ کرتے تھے اور ان سے نقل حدیث کیا کرتے تھے۔ انہوں نے دیگر تمام راویوں میں سب سے زیادہ کعب الاحبار سے روایتوں کو نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہونے والی تحقیق اور مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ کعب الاحبار نے اپنی ہوشیاری اور چالاکی کے ساتھ ابوہریرہ کی سادگی پہ ایک خاص تسلط حاصل کر لیا تھا تاکہ انھیں اپنے زیر اثر لا کر افسانہ، اوہام اور خرافات میں سے جو بھی چاہے انکے ذریعے دین اسلام میں داخل کرے اور اتفاقا ابوہریرہ کو اس فن میں عجیب مہارت حاصل تھی، جیساکہ ذہبی نے طبقات الحفاظ" میں لکھا ہے اور اعلام النبلاء" نے ابوہریرہ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ کعب الاحبار انکے بارے میں کہتے تھے:

میں ابوہریرہ کے علاوہ کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جس نے توریت کو نہ پڑھا ہو مگر اس کے مطالب کو سب سے زیادہ جانتا ہو[۱]، بیہقی نے بھی اپنی کتاب "المدخل" میں بکر بن عبداللہ کے سلسلہ سے ابورافع کی زبانی ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ: ابوہریرہ نے ایک دن کعب الاحبار سے ملاقات کی اور ان سے بحث و گفتگو میں مصروف تھے کہ ایسے میں کعب نے کہا: میں نے ابوہریرہ کے علاوہ کوئی آدمی نہیں دیکھا جس نے توریت نہ پڑھی ہو مگر سب سے زیادہ اس کا علم رکھتا ہو[۲] ایسی حالت میں ہمیں اس کاہن[۳] کی چالاکی اور ہوشمندی کا اندازہ لگانا چاہیئے

معاویہ نے اس کے بارے میں کہا ہے ہم کعب سے جھوٹی باتیں سنا کرتے تھے، اور جو کوئی اس کاہن اور دیگر یہودی کاہنوں کے بارے میں اطلاع حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ ہماری کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ" سے رجوع کرے۔

۱۔ کتاب اعلام النبلاء۔ ص ۴۳۲ ۔ ج ۲

۲۔ کتاب الاصابہ ۔ ص ۲۰۵ ۔ ج ۵

۳۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ بعض شیوخ دین ہمیشہ اسی فریبکار کاہن کو کبار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔

جس نے اپنے مکر کے ساتھ ابوہریرہ کو اپنے جال میں پھانس لیا۔ جو تاریخ کی روشنی میں نہایت بے خرد اور بے خبر انسان تھے وگرنہ کس طرح ممکن ہے کہ بقول کعب جسنے تورات نہ پڑھی ہو اور لغت عبری سے ناواقف ہو بلکہ بنیادی طور پر ناخواندہ ہو جسے لکھنا پڑھنا بھی نہ آتا ہو اور عربی لغت سے ناآشنا ہو وہ عالم تورات بن جائے اور پھر خوبی یہ کہ اس زمانے میں تورات کسی طرح بھی مسلمانوں کی دسترس میں نہ تھی اور اس یہودی کے علاوہ کسی کو اس سے آگاہی نہ تھی: ذیل کی یہ چند روایتیں ابوہریرہ پر اس چالاک کاہن کے تسلط اور نفوذ کو واضح کرتی ہیں اور بتاتی ہیں کہ کس طرح ابوہریرہ ان کی باتوں کو عیناً نقل کرکے اس کو حدیث مستند پیغمبر اکرم ص:- کی صورت دیا کرتے تھے: بخاری نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم ص:- نے فرمایا ــــ

"قیامت کے دن چاند اور سورج ایک دوسرے میں مدغم ہو کر اپنا نور کھو بیٹھیں گے"[1]

ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: بزار اور ان کے ساتھ اس حدیث کے دیگر راویوں نے اس جملے کا اضافہ کیا ہے۔" اور آگ میں ڈال دیئے جائیں گے"؛ جس پر حسن نے کہا: آخر ان دونوں کا قصور کیا ہوگا جو اس طرح آگ میں ڈال دیئے جائیں گے"؛ ابوسلمہ نے کہا: میں پیغمبر کی حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم دونوں کا قصور پوچھتے ہو"۔ اسی حدیث کو ذاتی طور پر کعب الاحبار نے بھی بیان کیا ہے جیسا کہ ابویعلی موصلی نے نقل کیا ہے کہ کعب کہتے ہیں: قیامت کے دن چاند اور سورج کو دو ہیبت ناک گایوں کی صورت میں لایا جائیگا اور ان لوگوں کی نگاہوں کے سامنے دوزخ میں ڈال دیا جائیگا جو انکو پوجتے تھے[2] حاکم نے مستدرک میں طبرانی اور دیگر موثق رجال کے توسط آئی ہوئی ایک روائت کو ابوہریرہ سے نقل کیا ہے اور وہ روایت یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ اذن دیا ہے کہ میں تمہارے لئے ایک مرغے کی داستان

۱۔ فتح الباری۔ ص ۲۲۹ ۔ ج ۶ اور تفسیر ابن کثیر۔ ص ۴۷۵ ۔ ج ۴

۲۔ کتاب حیواۃ الحیوان ۔ ص ۲۳۲

نقل کروں جس کے دونوں پیر زمین میں دھنسے ہوئے ہیں اور گردن زیرِ عرش مستقر ہے اور ہمیشہ "سبحانك ما اعظم شانك" کی تسبیح میں مشغول ہے۔ پھر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی نے میری جھوٹی قسم کھائی ہے ہو اسے اس امر کا پتہ نہیں چل سکتا، یہ حدیث بھی منقولات کعب الاحبار سے ہے۔ اس کی نص یہ ہے کہ: اللہ کا ایک مرغا ہے جس کی گردن زیرِ عرش اور پنجے زیرِ زمین ہیں جب کبھی یہ مرغا بانگ دیتا ہے تو دوسرے مرغے بھی بولنے لگتے ہیں: "سبحان القدوس الملك الرحمن لا الہ غیرہ۔"

"حدیث" نیل، سیحون، جیحون اور فرات بہشت کی نہریں ہیں"

احمد اور مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: نیل، سیحون، جیحون اور فرات بہشت کی نہروں میں سے ہیں، اس بات کو کعب الاحبار نے اس مقام پر عیناً بیان کیا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں[1]: چار نہروں کو خداوند عزوجل نے دنیا میں رکھا ہے۔ نیل جو بہشت میں شہد کی نہر ہے۔ فرات جو شراب کی نہر ہے۔ سیحون جو جنت میں پانی کی نہر ہے اور جیحون جسے دودھ کی نہر کہا جاتا ہے۔

ان نہروں کا بہشت سے جاری ہونا ایک قدیم افسانہ ہے

مذکورہ نہروں کا بہشت سے متعلق ہونا ایک نہایت قدیم افسانہ ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کا تعلق اسرائیلی افسانوں سے ہے بلکہ اس کی تاریخ بہت ہی قدیم ادوار سے منسلک ہے، اس بارے میں ہم استاد ابوالنصر احمد حسینی ہندی کے ایک نہایت اہم مقالے کے ایک حصہ کو جسے انہوں نے "گنگا ہندوستان کی مقدس نہر" کے عنوان سے مجلہ "الکتاب"[2] میں نشر کیا ہے، نقل کرتے ہیں:

۱- النجوم الزاہرہ - ص ۳۴ - ج ۱

۲- نہایہ الادب نویری - ص ۲۲۰ - ج ۱،

دریائے گنگا کا ذکر ہندوستان کی چار مقدس اور مشہور کتابوں میں بار ہا ملتا ہے جیسا کہ "راج ویدا" میں اسکا ذکر دو مرتبہ آیا ہے اور "پورانا" میں "ویار گنگ" کے عنوان سے اسکا ذکر ہوا ہے جس میں اسے جنت کی ایک نہر قرار دیا گیا ہے اور اس طرح ان نہروں کی بہشت سے نسبت بڑی قدیم ہے جس کا ذکر تقریباً ادیان میں پایا جاتا ہے، جیسا کہ بابلیوں کے قدیم دینی نصوص میں آیا ہے کہ "چار نہریں ہیں جن کا سرچشمہ بہشت ہے ۔۔ "نارو" یہی آج کا فرات ہے ۲۔ سی جال ۔ ۳۔ سی لیم ۔ ۴۔ رود یج" رود یج موجودہ دجلہ ہے، اسی طرح تورات میں بھی چار نہروں کے بہشت سے جاری ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جو اس ترتیب سے ہے: ۱۔ فیشون ۲۔ جیجون ۳۔ حداقل ۴۔ فرات ۔ بالکل اسی طرح اسلام میں بھی ایک حدیث ابو ہریرہ کی طرف سے آئی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: نیل، سیحون اور فرات بہشت کی نہریں ہیں[۳] اور ایک حدیث میں ابن عباس[۴] سے مرفوعاً نقل ہوا ہے کہ خداوند عالم نے پانچ نہروں کو بہشت سے نکالا ہے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات اور نیل، پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچ نہروں کو بہشت کے سب سے نچلے درجے کے ایک چشمہ سے جبرئیل کے دو پروں کے ذریعے جاری کیا اور پھر پہاڑوں کے حوالے سے سطح زمین پر دوڑایا۔ اور ان میں لوگوں کے لئے منفعتیں

۱۔ النجوم الزاہرہ ۔ ص ۴۳ ۔ ج ۱

۲۔ نہایہ الادب نویری ۔ ص ۲۲۰ ۔ ج ۱۰

۳۔ علامہ سیوطی نے کتاب "حسن المحاضرہ" طبع مصر کے جلد ۲، ص ۱۷۹ پر امام احمد اور مسلم سے "اصل حاشیہ کتاب میں اس خبر کو نقل کیا ہے۔

۴۔ ابن عباس اور ابو ہریرہ نے جیسا کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ سب سے زیادہ کعب الاحبار کے علم کی اشاعت کی ہے۔

: واپس جاؤ کل کھودنے آجانا، وہ دوسرے دن واپس آکر پھر کھودنے لگ جاتے ہیں..... الخ۔ اس کے بعد ابن کثیر کہتے ہیں کہ شاید ابوہریرہ نے یہ بات کعب الاحبار سے لی ہو کیونکہ وہ کثرت کے ساتھ کعب کے پاس اٹھتے بیٹھتے اور ان سے تبادلہ خیال کیا کرتے تھے، اس لئے یہ بات کعب ہی نے ابوہریرہ سے کہی ہوگی۔ جس کو ابوہریرہ نے پیغمبر اسلام ص سے نسبت دے کر نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم[1]

اس کے علاوہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کے بیشتر مقامات پر ان مطالب کو نقل کیا ہے جنھیں ابوہریرہ نے کعب الاحبار سے لیکر پیغمبر اکرم ص کی طرف منسوب کیا ہے اس لئے جو حضرات ان مطالب کو جاننا چاہتے ہیں ان کو اس تفسیر کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

مسلم اور بخاری کی صحاح میں اس حدیث کا شمار بھی ابوہریرہ کے احادیث میں ہوتا ہے کہ: خداوند عالم نے آدم کو اپنی شکل و صورت پر خلق کیا[2] ہے اور یہ گفتگو توراۃ کے تصحیح اول (عہد قدیم) میں ہوئی ہے جہاں اس کی نص یہ ہے کہ "اللہ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا اور خدا کی شکل میں اسے خلق کیا۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص ۱۰۴ اور ۱۰۵ - ج ۲۔

۲۔ اس حدیث میں وارد ہونے والی باتوں میں یہ بھی ہے کہ آدم ساٹھ گز لمبے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ آدم خدا کی شکل پر ہیں، ابن حجر نے اس حدیث کے ایک پہلو پر تنقید کی ہے۔ اور کہا ہے کہ: ممکن ہے کہ اس حدیث پر اعتراض کیا جائے کیوں کہ آثار امم سالبغہ مثلاً ان کے مکانات اور دیار عاد و ثمود سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے کے لوگ حسب ترتیب سابق اس قدر طویل القامت نہیں تھے یہاں تک کہ کہتے ہیں: اس بناء پر اس اشکال کو رفع کرنے والی کوئی چیز اب تک مجھ پر آشکار نہیں ہوئی ہے (فتح الباری۔ ص ۲۸۱ اور ۲۸۲۔ ج ۷۔) امام مالک نے تو اس حدیث کو سرے سے ہی رد کر دیا ہے اور اسی طرح یہ حدیث کہ خداوند عالم قیامت کے دن اپنے پیر کو گھٹنوں تک مشکوف کریگا جسے صحیحین نے نقل کیا ہے۔

(حدیث ۱)

خُدا وند عَالم نے زمین کو ہفتے کے دن خلق کیا،

مسلم نے اپنی کتاب میں ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: پیغمبر اکرم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیکر فرمایا: خداوند عالم نے زمین کو ہفتے کے دن پہاڑوں کو اتوار کے دن درختوں کو پیر، برائیوں کو منگل، نور کو بدھ، کیڑے مکوڑوں کو جمعرات اور حضرت آدم کو جمعہ کے دن بوقت عصر یعنی جمعہ کی آخری ساعتوں میں عصر و شب کے درمیان تمام مخلوقات کے بعد سب سے

آخر میں پیدا کیا[1]۔ (گویا اس اعتبار سے کائنات سات دن میں وجود پذیر ہوئی۔) اس حدیث کو امام احمد اور نسائی نے بھی ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے۔ البتہ نسائی کی روایت میں اس طرح ہے کہ خداوند عالم نے آسمان، زمین اور جو کچھ اسکے درمیان ہے سب کو چھ دن میں خلق فرمایا اور ساتویں دن عرش پر متمکن ہوا۔ اس بارے میں اکابرین سے خاص کر بخاری، ابن کثیر اور تاریخ کبیر میں اس طرح وارد ہوا ہے کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث کو کعب الاحبار سے نقل کیا ہے کیوں کہ حدیث اولیٰ اس نص قرآنی کے صریحاً خلاف ہے کہ جس میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے زمین و آسمان اور اس کے درمیان تمام اشیاء کو (کل) چھ دن میں خلق کیا۔ جو باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ابو ہریرہ نے اس حدیث کو کعب الاحبار سے اخذ کیا ہے اور اس کا تعلق اسرائیلی منبع سے ہے جیسا کہ اکابرین حدیث نے اس کی تصریح کی ہے ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس سلسلے میں اس سے مشابہ ایک اور حدیث عبداللہ بن سلام سے ملتی ہے جو یہودی عالم تھا اور بعد میں مسلمان ہو گیا تھا، اس کی روائت کو طبری نے نقل کیا ہے[2]۔ جس کی نص یہ ہے۔ خداوند عالم نے اتوار سے اپنی خلقت کا آغاز کیا۔ جس کی ترتیب یہ ہے کہ زمین اتوار اور پیر کے دن بنی، دن اور پہاڑ منگل اور بدھ کو وجود پذیر ہوئے، آسمانوں کی تخلیق جمعرات اور جمعہ کو ہوئی اور جمعہ کے آخری لمحات میں تخلیقی امور سے فراغت حاصل ہوئی[3] اور پھر اسی

۱۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا زمین و آسمان کی خلقت کے وقت ہمارے دن اور ہماری گھڑیوں کا یہی حساب تھا اور کیا اللہ کے نزدیک دن یہی ہماری ساعتیں ہیں یا پھر وہ عرصہ ہے جس کو اس نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ:

۲۔ ص ۲۴۔ ج ۱ —— ۳۔ واضح ہونا چاہیئے کہ اس روایت کے اسرائیلی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ راوی یا جاحل نے کسی کام کو ہفتہ کے دن اللہ سے منسوب نہیں کیا ہے۔ گویا اللہ نے ہفتہ کے دن جو یہودیوں کی تعطیل کا دن ہے آرام کی غرض سے چھٹی کی ہے۔

نعوذ باللہ و نستجیو بہ۔

گھڑی عجلت کے ساتھ آدم کو خلق کیا۔ یہی عبداللہ بن سلام ہیں جن سے ابوہریرہ نے نقل حدیث کی ہے جیسا کہ کعب الاحبار سے کرتے رہے ہیں[1]۔ تعجب اس بات پر ہے کہ ابوہریرہ نے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا اور وہ بھی اس طرح کہ آپ نے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا سب پر واضح ہے کہ یہ حدیث قواعد اہل حدیث کے مطابق صحیح السند ہے اور اس میں کسی اختلاف کو دخل نہیں ہے۔ پھر مسلم نے بھی اپنی صحیح میں اسکو نقل کیا ہے۔ اس حدیث میں ابوہریرہ نے فقط سننے پر ہی اکتفا نہیں کی ہے بلکہ اس بات کی تصریح کی ہے کہ اسکو بیان کرتے وقت پیغمبر اکرمؐ نے ان کے ہاتھ تھام رکھے تھے دیگر یہ کہ آئمہ حدیث تمام کے تمام اس بات پر متفق ہیں کہ ابوہریرہ نے اس حدیث کو کعب الاحبار سے لیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث کتاب خدا کے سراسر خلاف ہے۔ اور اگر اس حدیث کو ابوہریرہ کسی سے اور پھر وہ کسی اور سے "معنعن" بنا کر نقل کرتے تو یہ کہنے کی گنجائش نکل آتی کہ غلطی کسی اور طرف سے ہوئی ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے بچاؤ کی کوئی صورت نکل ہی آتی مگر اس کو کوئی کیا کرے کہ خود ان کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے پیغمبر اکرمؐ سے سنا اور سنتے وقت ان کا ہاتھ ختمی مرتبتؐ کے ہاتھ میں تھا۔ لہذا یہ حدیث بغیر کسی شک و شبہ کے پیغمبر اکرمؐ پر افترا اور کذب صریح ہے۔ ایسی صورت میں اس گناہ کے مرتکب پر کیا حکم عائد ہوتا ہے کیا اس شخص کا شمار پیغمبر اکرمؐ کی اس حدیث کے ذیل میں نہیں ہوگا۔ جہاں آپ نے فرمایا۔ مجھ پر جھوٹ بولنے والے کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یا یہ کہ اس نے فرار کے لئے کوئی اور راہ اختیار کر لی ہے کیونکہ اس حدیث کا راوی "صاحب ثوب و دعایئں و مزود" ہے[2]

۱۔ کتاب سیر اعلام النبلاء ذہبی۔ ص ۲۹۶۔ ج ۲

۲۔ جلد ہی ہم "ثوب، دعایئں اور مزود" کے دلچسپ اور قابل ذکر قصوں کے متعلق گفتگو کریں گے۔

اور میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے اس بات کا انتظار ہے کہ کوئی اس بارے میں مجھے اپنے جواب سے مطمئن کرے کیوں کہ اگر انسان فقط اسی ایک حدیث کو مورد تحقیق و نظر قرار دے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ابوہریرہ کی تمام روایات پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے اس لئے کہ جب اس حدیث کا یہ حال ہو جس میں ان کی تصریح شامل ہو کہ انہوں نے بنفس نفیس سرورِ کائناتؐ سے اس حدیث کو سنا تو دوسری روائیتوں کا کیا حال ہوگا۔ جو دست بدست ان سے نقل ہوئی ہیں۔ اب ہم ایک اور روائت کو جس میں انہوں نے پچھلی روائت کی طرح تصریح کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی زبانی بنفس نفیس سنا، قارئین کرام کے لئے بیان کرتے ہیں۔ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا[1]:

میں نے پیغمبر اسلامؐ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپؐ حضرت موسیٰؑ کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ (گویا تمام اصحاب نے سنا) آپ نے فرمایا حضرت موسیٰؑ کے ذہن میں یہ سوال ابھرا کہ کیا خدا بھی سوتا ہے؟ اور اس پر بھی نیند کا غلبہ ہوتا ہے؟ کہ ایسے میں خدا نے ایک ملک کو حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا جس نے انہیں تین شب و روز جگائے رکھا اور ان کے ہاتھوں میں دو شیشیاں تھما کر انہیں اچھی طرح سنبھالے رکھنے کی تاکید کی۔ موسیٰؑ پر نیند نے غلبہ کیا، جونہی عالم غشی ان پر طاری ہوتے لگتی اور ان کے ہاتھوں میں تھمی ہوئی شیشیاں ایک دوسرے کے قریب ہو کر ٹکرانے پر آتیں موسیٰؑ بیدار ہو جاتے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو الگ کر لیتے، یہاں تک کہ نیند نے پوری طرح ان پر غلبہ کر لیا اور وہ سو گئے جس کے نتیجے میں دونوں شیشیاں ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش

۱۔ ص ۵۶۱ ـ ج ۲

ابوہریرہ کی روایت شدہ

احادیث ناقابل اعتبار ہیں

مسلم بن حجاج نے بسر بن سعید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ
سے ڈرو اور نقل حدیث سے پرہیز کرو، خدا کی قسم ہماری ابوہریرہ
کے ساتھ ہمنشینی تھی ہم دیکھتے تھے کہ وہ کس طرح رسول خداؐ اور
کعب احبار دونوں سے روایات بیان کیا کرتے تھے، ہمارے ساتھیوں
نے سنا تھا کہ ابوہریرہ پیغمبر اکرمؐ کی حدیث کعب سے روایات کیا کرتے

تھے اور کعب کی حدیث رسول خدا[1] سے اور دوسری روایت میں ہے کہ کعب کی گفت گو پیغمبر اکرمؐ کے اقوال کی جگہ اور پیغمبر اکرمؐ کی احادیث کعب کی جگہ روایت کیا کرتے تھے۔ پھر کہتے ہیں اللہ سے ڈرو اور نقل حدیث میں احتیاط سے کام لو، اسی طرح امام احمد نے اپنی مسند میں قاسم بن محمدؒ سے روائت کی ہے کہ انہوں نے کہا، ابوہریرہ اور کعب ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے؛ ابوہریرہ کعب کیلئے احادیث بنویؐ نقل کرتے ہیں اور کعب ان سے اپنی کتابوں کا تذکرہ کرتے[2] اور آخر کار کعب الاحبار کی چالاکی اور ہوشیاری نے سادہ لوح ابوہریرہ کو اپنے زیر اثر لاکر افسانہ و خرافات سے جو کچھ چاہا دین اسلام میں پھیلا دیا۔ اور جب ابوہریرہ کعب کی باتوں کو نقل کرتے تو کعب اس کے ساتھ ہی ان کی گواہی دیتا تاکہ اس طرح اسرائیلیات محکم بن کر مسلمانوں کے افکار و عقول میں سما جائیں۔ اس قسم کے منقولات اس انداز سے پیش ہوتے تھے، گویا ابوہریرہ انھیں پیغمبر اسلامؐ سے بیان کر رہے ہیں اس قسم کے منقولات اس انداز سے پیش کرتے ہوئے اس داستان احادیث کو ختم کرتے ہیں جسے ابوہریرہ نے پیغمبر اکرمؐ سے نسبت دی ہے درآں حالیکہ اس کا تعلق اسرائیلیات سے ہے۔ آئمہ حدیث احمد، بخاری اور مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا۔ بہشت میں ایک ایسا درخت ہے جس کے سایہ میں اگر ایک سوار سو سال تک چلتا رہے تو جب بھی اس کا سایہ ختم نہیں ہوتا۔ تصدیق کیلئے "ظل ممدود" پڑھو، ابھی یہ حدیث ابوہریرہ کے منہ سے نکلی ہی تھی کہ فوراً اسی لمحہ کعب نے اس کی تائید کی اور جیسا کہ ابن جریر نے روائت کی ہے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے تورات کو موسیٰؑ اور فرقان کو محمد (ص)

۱۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص ۱۰۹۔ ج ۸

۲۔ ص ۲۷۵۔ ج ۲

پر نازل کیا ابوہریرہ سچ کہتے ہیں اگر کوئی شخص "حقہ" (وہ اونٹ جو اپنی عمر کے چوتھے سال میں داخل ہوا ہو) یا "جذعہ" (پانچ سالہ اونٹ) کی پشت پر سوار ہو کر اس درخت کی بلندی تک اپنے آپ کو پہنچانا چاہے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ پیر و نزار ہو کر گر جائے:

"اس درخت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اگایا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اس کی شاخیں بہشت کے دوسرے کنارے تک پھیلی ہوئی ہیں۔ جنت کی کوئی نہر ایسی نہیں جو اس کی جڑ سے خارج نہ ہوتی ہو"۔ اس طرح ابوہریرہ اور کعب الاحبار اس قسم کے خرافات کو مسلمانوں کے درمیان پھیلانے میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے تھے۔ یہی خرافات ہیں جو دین کو دیمک بن کر چاٹ رہے ہیں۔ کعب کا مقصد ان کاموں سے یہ تھا کہ اپنا مدعا بر لائے یعنی مبادی اسلام کو فاسد کرے لیکن ابوہریرہ فقط اپنے مقام کو خاص طور پر بنی امیہ کے نزدیک بلند کرنا چاہتے تھے۔ تاکہ اس طرح وہ اپنی دنیوی خواہشات کی تکمیل کریں۔ ابوہریرہ اس فریبکار یہودی کاہن کے شاگرد اول تھے جو کہانت کا لبادہ اوڑھے پیغمبر اسلامؐ کے علوم سے فائدہ اٹھا رہا تھا اور خود اچھی طرح جانتا تھا کہ توراۃ میں کیا لکھا ہے۔

اس طرح اسرائیلیات نے ہر طرف سے ہم مسلمانوں کا احاطہ کر لیا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ مسلمان خود اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ ادھر اسلام دشمن عناصر تاک لگائے بیٹھے ہیں۔ اور ہماری ان باتوں پر خندہ زن ہو رہے ہیں،

ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم،

حضرت عمرؓ کا ابوھریرہ کو تازیانے لگانا،

حضرت عمرؓ وہ پہلے انسان تھے جنہوں نے ابوہریرہ سے نقل شدہ روایات کے خطر کو پہلے سے بھانپ لیا جسے وہ پیغمبر اکرمؐ سے نسبت دیا کرتے تھے۔ انہوں نے ابوہریرہ کو بلا کر اس کام سے منع کیا اور جب وہ باز نہیں آئے تو اپنے تازیانے سے انھیں سزا دی اور جب ابوہریرہ اس طرح بھی باز نہ آئے تو حضرت عمرؓ نے انھیں دھمکی دی کہ اگر اب بھی مرض کے لاعلاج ہونے سے قبل وہ اس کام سے دست بردار نہ ہوئے تو

انھیں انکی سابقہ سرزمین پر واپس بھیج دیا جائے گا۔ اسی طرح کعب الاحبار کو بھی تنبیہ کی۔ ابن عساکر ناقل ہیں کہ سائب ابن یزید نے حضرت عمرؓ کو ابوہریرہ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ: یا پیغمبر اکرمؐ سے نقل حدیث ترک کرو یا پھر تمہیں سرزمین "دوس" (قبیلہ ابوہریرہ) پر واپس بھیج دیا جائیگا، اور کعب الاحبار سے کہا حدیث کہنے سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں سرزمین "قردہ"[1] بھیج دیا جائے گا۔ ان دونوں روایتوں کو ذہبی نے بھی سیر اعلام النبلاء میں نقل کیا ہے[2]۔ یہی سبب ہے کہ ابوہریرہ نے حضرت عمرؓ اور ان کے تازیانے کے ہٹ جانے کے بعد زور پکڑا۔ کیونکہ ابوہریرہ حضرت عمرؓ کے علاوہ اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے دلوں میں اپنا خوف بٹھا رکھا تھا۔ ابن عجلان کی روائیت کے مطابق خود ابوہریرہ کا کہنا ہے کہ "جن احادیث کو میں نقل کر رہا ہوں اگر حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیان کرتا تو حضرت عمرؓ میرا سر توڑ دیتے[3]"۔ اسی طرح زہری نے، ابوسلمہ سے ابوہریرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہم حضرت عمرؓ کی وفات تک "قال رسول اللہؐ" نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ ہمیں انکے تازیانے کا خوف لگا رہتا تھا[4]۔ اور نیز یہ بھی کہتے تھے "کیا حضرت عمرؓ کی حیات تک میں ان احادیث کو اپنے لئے بیان کر سکتا تھا۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے ان کا

۱۔ شاید سرزمین "قردہ" سے حضرت عمرؓ کی مراد شہر ایلہ ہو جہاں بنی اسرائیل کا ایک گروہ بندر کی صورت میں مسخ ہو گیا تھا۔

۲۔ اور ۳۔ اعلام النبلاء۔ ص ۴۳۳۔ ج ۲

۴۔ اعلام النبلاء۔ ص ۴۳۴

تازیانہ میری پشت مجروح کر دیتا[1] اور زہری سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا:
حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کم روایتیں
نقل کیا کرو مگر وہ باتیں جن پر عمل کا دار و مدار ہے[2]، محدث فقیہ محمد رشید
رضا مرحوم نے اس بارے میں کہا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ ابوہریرہ کی حیات تک زندہ رہتے
تو کبھی اتنی کثیر تعداد میں حدیثیں ہم تک نہیں پہنچتیں۔[3]

۱۔ ابوہریرہ نے یہ بات اس لئے کہی ہے کہ حضرت عمر کا تازیانہ بارہا ان کی پشت زخمی کرتا
رہا ہے حتیٰ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں (مسلم ص ۳۴)
اور اسی طرح پیغمبر (ص) کے بعد جب حضرت عمر نے ان کو بحرین کی حکومت
سے معزول کیا تو انھیں اتنے کوڑے لگائے کہ ان کی پشت لہو لہان ہو گئی۔
۲۔ کتاب البدایہ والنہایہ کے جزء ہشتم اور اسی طرح اعلام النبلاء کے
آٹھویں جزء کا مطالعہ فرمائیں۔ وہاں آپ کو اس کا مبسوط ذکر ملے گا۔
۳۔ مجلہ المنار۔ ص ۱۵۸۔ ج ۱۰

ابوھریرہ کی کثرت احادیث

اس بات پر رجال حدیث کا اجماع ہے کہ ابو ہریرہ نے تمام اصحاب سے زیادہ احادیث نقل کی ہیں۔ حالانکہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی مصاحبت کل ایک سال نو مہینے رہی ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ابو محمد بن حزم کے بیان کے مطابق نقط مسند

بقی بن مخلد[1] میں ابوہریرہ سے ۵۳۷۴ روایتیں نقل ہوئی ہیں جس میں سے بخاری نے ۴۴۶ روایتوں کو نقل کرکے لکھا کہ صحابہ نے ان احادیث کو رد کر دیا ہے[1] اور بعض کی تکذیب بھی کی ہے اس کے متعلق ہم بعد میں گفتگو کریں گے۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا عام طور پر چرچا ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق[2] خود ابوہریرہ نے وضاحت کی ہے کہ: اصحاب پیغمبر میں عبداللہ بن عمر[3] کے علاوہ کسی نے مجھ سے زیادہ روایتیں بیان نہیں کی ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ احادیث کو لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا،[4] حالانکہ اگر ابن عمرؓ کی روایتوں کا شمار کیا جائے تو بقول ابن جوزی کے ان کی تعداد ۷۰۰ سے متجاوز نہیں ہوگی جو ابوہریرہ کی روایتوں کا آٹھواں حصہ ہے جن میں سے بخاری نے کل سات اور مسلم نے بیس کو نقل کیا ہے۔ ممکن ہے ابوہریرہ کا یہ اعتراف ان کے آغاز کار کے موقع

۱۔ ابو عبدالرحمن بقی بن مخلد الاندلسی کا شمار حفاظ حدیث اور آئمۂ دین میں ہوتا ہے جنہوں نے اندلس کو اپنے وفور علم سے بھر دیا تھا۔ ان کی ایک تفسیر ہے جس کو ابن جریر کی تفسیر پر فضیلت حاصل ہے۔ ان کی حدیث میں ایک بڑی تصنیف بھی ہے جو فقہ و بیان احکام کی اساس پر مرتب کی گئی ہے۔ بقی بن مخلد ایک آزاد منش انسان تھے اور کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ ۱۸۱ھ ان کی سنہ ولادت اور ۲۷۶ ہجری سنہ وفات ہے (معجم الادبار ص ۵ — ج ۷)

۲۔ فتح الباری۔ ص ۱۶۷ — ج ۱

۳۔ عبداللہ نامی تین افراد میں ان کا شمار ہوتا ہے جنہوں نے کعب الاحبار سے روایتوں کو لیا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے جنگ یرموک میں دو بار شتر کتب اہل کتاب کے حاصل کئے تھے۔ جس کے مفاہیم وہ لوگوں کے لئے بیان کیا کرتے تھے لہذا اکثر آئمۂ تابعین ان کی روایتوں سے پرہیز کرتے تھے اور کبھی لوگ ان سے یہ بھی کہہ دیتے کہ ہمارے لئے دو بار شتر والی حدیثیں نہ بیان کیا کرو،

۴۔ اسے ابن حجر نے فتح الباری کی پہلی جلد میں صفحہ ۱۶۷ پر نقل کیا ہے اور مسند احمد بن ابوہریرہؓ کے حوالے سے یہ عبارت درج ہے کہ ابن عمر اپنے ہاتھ سے لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

پر ہو جب وہ کبار صحابہ اور ان کے علماء کے درمیان زندگی گذار رہے ہوں کیونکہ اس وقت وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ اگر اس سے زیادہ نقل کریں گے تو صحابہ ان کے مرویات کی تکذیب کر دیں گے مگر جب حضرت عمرؓ کے قتل کے بعد کبار صحابہ سے میدان خالی ہوا تو انھیں نقل حدیث کی آزادی ملی اور انہوں نے روایت کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کام میں حد درجے زیادہ روی اور افراط کو بروئے کار لائے۔

خاص طور سے معاویہ کے زمانے میں جو ان کی پشت پناہی کیا کرتا تھا اور ان کے درجات میں بھی اضافہ کرتا تھا۔ اس دور میں تو یہ کام اپنی آخری حدوں تک پہنچ چکا تھا جس کو ہم انشاءاللہ اپنے مقام پر بیان کریں گے۔ بعض افراد نے ابوہریرہ کے اس جملے سے کہ عبداللہ بن عمرؓ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو کچھ سنا اس کو لکھ لیا ہے۔ یہ گمان کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی نقل شدہ روایات لفظ و معنی میں متواتر ہیں اور اسی طرح ان روایات کو انہوں نے نقل کیا ہے ان کے بعد کتابت کے ذریعہ محفوظ ہو گئی ہیں۔ جیسا کہ قرآن کتابت کے ذریعے محفوظ ہو گیا اور لنفسہ مفید علم ہے۔ اسی لئے بالآخر مذکورہ روایتیں قرآن کریم کے بعد مسلمانوں کے لئے مورد اعتماد اور اصول صحیحہ سے ہیں۔ لیکن مشہور یہ ہے کہ کتب سنت میں ذکر شدہ ابن عمر کی تمام روایتیں صرفاً اسی طرح سے آئی ہیں جس طرح دیگر تمام صحابہؓ کی روایتیں نقل ہوئی ہیں اور وہ طریقہ یہی روایت ہے نہ کتابت، مگر جن نوشتہ جات پر گمان کیا جاتا ہے کہ ابن عمر نے لکھی ہیں وہ ان کے وہ کتوبات ہیں جنھیں وہ صحیفہ صادقہ کا نام دیتے تھے اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے اس صحیفہ میں صبح و شام پڑھنے کی دعائیں بھی شامل تھیں جس کو انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دے رکھی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیفہ کی کوئی وقعت نہیں تھی جیسا کہ اہل قتیبہ کے دو تالیفات "تاویل مختلف الحدیث"[1] اور

۱ــ ص ۹۳

کتاب "المعارف[۱]" میں آیا ہے کہ مغیرہ نے کہا: عبداللہ بن عمر کے پاس ایک صحیفہ تھا جسے وہ صادقہ کہا کرتے تھے۔ اگر وہ اس صحیفہ کو دو کوڑی میں بھی مجھے دیتے تو میں خوش نہ ہوتا۔

۱۔ ص ۲۰۰

کس طرح ابوھریرہ
اپنے آپ کو من مانی
روایات کا حقدار
سمجھنے لگے!

جب ابوہریرہ نے یہ محسوس کیا کہ صحابہ ان کی کثرت روایات سے مشوش ہیں اور ابھی انھیں اور بھی ایسی احادیث نقل کرنی ہیں جن کے بیان سے دوسرے صحابہ عاجز ہوں تو انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث نقل کرنے کا فیصلہ کیا جس کے ذریعہ وہ جو بھی روایت بیان کریں۔ اسے درست سمجھ لیا جائے، اور صحابہ اور غیر صحابہ میں سے کوئی بھی انھیں مطعون

نہ کرسکے مگر اس کے باوجود صحابہؓ نے انکی تکذیب کی اور جیسا کہ اگلے باب میں بتایا جائیگا صحابہ ان کی روایات کی تصدیق نہیں کرتے تھے اور وہ حدیث جیسا کہ طحاوی نے ان سے (ابوہریرہ سے) نقل کیا ہے یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اگر میری جانب سے کوئی حدیث تم تک پہنچے اور تمھیں پسند آجائے تو تمہیں چاہیئے کہ اس کی تصدیق کرو خواہ میں نے کہی ہو یا نہ کہی ہو۔ اور اگر میری جانب سے کوئی ایسی حدیث تم تک پہنچتی ہے جسے تم پسند نہیں کرتے اور اس سے انکار کا ہو تو اس کی تکذیب کرو کیونکہ میں ایسی کوئی بات نہیں کہتا جسے لوگ پسند نہ کریں¹ خدا معلوم یہ باتیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صادر ہوئی ہیں یا ان کا منبع کوئی اور ہے کیوں کہ کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ باتیں کہی ہوں جب کہ آپؐ سے بتحقیق یہ حدیث ہم تک پہنچتی ہے کہ میری نہ کہی ہوئی باتوں کو اگر کوئی میرے اقوال بنا کر پیش کرے تو اس کا مقام دوزخ ہے۔ یہاں اس بارے میں دیگر روایات سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم نے فقط اسی ایک روایت پر اکتفا کی ہے۔

نمبر ۱۔ مشکل الآثار ـــ ص ۲۳ ـ ج ۴۔

صحابہ کا ابوھریرہ سے انکار اور ان کی عیب جوئی

ابو ہریرہ کی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل حدیث میں افراط کا یہ حال تھا کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دائمی ہمنشینی رکھنے والے مہاجرین اور سابقین اولین خاص طور سے حضرت علی علیہ السلام سے بھی اتنی احادیث نقل نہیں ہوئیں جنھوں نے آپ کے دامن رحمت میں پرورش پائی اور آپ کی وفات حسرت آیات تک ایک لحظہ بھی آپ سے جدا نہ ہوئے حالانکہ

ابوہریرہ فقط ایک سال اور چند مہینے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت میں رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہؓ نے ان کے مرویات کو رد کر کے ان پر تنقید شروع کر دی بلکہ ان کی تکذیب کرنے لگے۔ جیسا کہ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث[1] میں لکھا ہے کہ چونکہ ابوہریرہ نے اس کثرت کے ساتھ روایات بیان کی ہیں کہ جملہ صحابہ حتیٰ کہ سابقین اولین میں بھی کسی نے اس کثرت کے ساتھ حدیثیں بیان نہیں کی ہیں لہذا وہ صحابہؓ کی تہمت اور الزام تراشی کا ہدف بنے اور صحابہؓ نے ان کی روایتوں کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان سے پوچھا تم نے تن تنہا اتنی زیادہ حدیثیں کیسے سنیں؟ تمہارے ساتھ ان حدیثوں کا سننے والا کوئی اور نہ تھا؟ سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہ کی احادیث کی تکذیب کی ہے۔ کیونکہ شروع سے اب تک کے گوناگوں حالات ان کے سامنے تھے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کا وہ زمانہ بھی دیکھا تھا جب روایت حدیث میں افراط سے کام لینے والوں پر شدت عمل کا اظہار کیا جاتا تھا۔ جب حضرت عائشہؓ نے ابوہریرہ سے کہا تھا کہ تم ایسی احادیث بیان کرتے ہوئے جس کو میں نے کبھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا۔ تو ان کے جواب میں ابوہریرہ نے اس دیدہ دلیری سے کام لیا کہ نہ تو پاس ادب کا خیال رکھا۔ اور نہ ہی رسم و رواج کا لحاظ کیونکہ جس طرح بخاری، ابن سعد اور ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے ابوہریرہ نے حضرت عائشہؓ کے جواب میں کہا: آئینہ اور سرمہ دانی نے تمہیں پیغمبر

۱۔ ص ۴۸ — ابن تیمیہ نے جو اکابر شیوخ اہل سنت سے ہیں کہا ہے کہ اہل سنت کے نزدیک قتیبہ کا وہی مقام ہے جو جاحظ کا معتزلیوں کے درمیان تھا وہ اہل سنت کا دفاع اور ان کی تائید کیا کرتے تھے۔ ابن قتیبہ، بخاری کے معاصرین میں ہیں۔ ان کی سنہ وفات ۲۷۶ ہجری ہے۔ محمد بن اسمٰعیل بخاری کی سنہ وفات ۲۵۶، مسلم کی ۲۶۱؛ ابوداؤد کی ۲۷۵ حضرت عائشہ کی ۵۸ اور ابوہریرہ کی ۵۹ ہجری ہے۔

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باز رکھا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا: مجھے سرمہ دانی اور خضاب نے مصروف کر کے پیغمبر[۴] سے باز نہیں رکھا تھا مگر میں دیکھتا ہوں کہ ان دونوں نے تمہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باز رکھا تھا۔ زہبی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رض نے ان سے کہا۔ ابوہریرہ بہت حدیثیں بیان کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دینے لگے ہو، ان کا جواب یہ تھا کہ: آئینہ، سرمہ دان اور روغن دان نے مجھے جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۱] سے روک نہیں رکھا تھا

۱۔ سیر اعلام النبلاء ــــ ص ۴۳۵ ۔ ج ۲

Presented by Ziaraat.Com

سے انکار کرتے ہوئے کہا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فجر طالع ہوتی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر احتلام جنب ہوئے ہوتے تو آپ غسل فرما کر روزہ رکھ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ابوہریرہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اس قسم کی احادیث پیغمبرؐ سے نقل نہ کیا کرے۔ ابوہریرہ بھی ان کے سخت کلام کے آگے دم نہ مار سکے اور انھیں مجبوراً سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا درست ہے عائشہؓ مجھ سے زیادہ عالم ہیں۔ میں نے بھی اس کو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا بلکہ فضل بن عباسؓ نے مجھ سے کہا تھا: "فضل اس وقت وفات پا چکے تھے اور ابوہریرہ نے اس طرح ظاہر کیا کہ انہوں نے اس حدیث کو پیغمبر خداؐ سے سنا ہے۔ حالانکہ انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو نہیں سنا تھا۔ ان کا یہ کہنا کہ انہوں نے اس حدیث کو فضلؓ سے سنا ان کی جانب سے اس بات کا واضح اعتراف ہے کہ انہوں نے جن باتوں کو اپنے کانوں سے نہیں سنا اسے براہ راست پیغمبر خدا سے نسبت دے دی۔ نقل حدیث کے اسی ڈھب کو ارسال و تدلیس کہا جاتا ہے جس کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ اس حدیث کی ایک دلچسپ داستان ہے جس کا ذکر یہاں نامناسب نہ ہوگا: کتاب "اختلاف الحدیث" شافعی میں آیا ہے کہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن[۲] نے کہا: جن دنوں مروان بن حکم معاویہ کی طرف سے امیر مدینہ تھا ان دنوں ایک مرتبہ میں اور میرے والد اس کے پاس موجود تھے اس وقت مروان کے لئے ابوہریرہ

۱۔ فضل بن عباس نے ۱۸ھ ہجری زمانہ ہجرت حضرت عمر میں طاعون عمواس کے سبب وفات پائی۔ ۲۔ ص ۲۸

۲۔ ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا شمار فقہاء سبعہ میں ہوتا ہے۔ عبدالرحمٰن بن حارث بن المغیرہ المخزومی آپ کے والد ہیں اور اس حدیث کو الموطاء امام مالک نے لکھا ہے۔

کا یہ قول نقل کیا گیا " جو کوئی حالت جنابت میں صبح کرے گویا اس دن اس نے افطار کر لیا ہے " مروان نے کہا اے عبدالرحمٰن تمہیں خدا کی قسم ذرا جلدی سے امہات المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے پاس جاؤ اور اس بارے میں ان سے سوال کرو ، عبدالرحمٰن نے جا کر معلومات کیں حضرت عائشہ نے کہا : ابوہریرہ نے بالکل غلط کہا ہے . اے عبدالرحمٰن کیا تم چاہتے ہو کہ عمل پیغمبر سے انحراف کرو . عبدالرحمٰن نے کہا . خدا کی قسم ایسا نہیں ہے . حضرت عائشہ نے کہا : میں پیغمبر اکرم کے بارے میں گواہی دیتی ہوں کہ کبھی ایسا ہوتا کہ آپ احتلام کے بغیر جماع سے جنب ہوتے اور پھر اس دن کا روزہ بھی رکھتے تھے . اس کے بعد عبدالرحمٰن حضرت ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) کی خدمت میں آئے . انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ کا تھا . اس کے بعد وہ مروان کے پاس واپس لوٹے اور حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ کی گفتگو کو ان سے دہرایا . مروان نے اسی وقت عبدالرحمٰن کو حکم دیا کہ میری سواری پر بیٹھ کر فوری ابوہریرہ کے پاس جاؤ اور اسے اس امر سے آگاہ کرو -

عبدالرحمٰن ، مروان کے حکم کے مطابق ابوہریرہ کے پاس گئے اور حضرت عائشہ اور ام سلمہ کی باتوں کو ان سے بیان کیا - ابوہریرہ نے کہا : مجھے اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں ہے کسی شخص نے مجھ سے ایسا کہہ دیا تھا . کتاب فتح الباری "باب الصائم یصبح جنبا[۱] " میں حافظ بن حجر کی ایک روایت کے مطابق مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا : جاؤ اور ابوہریرہ کو حضرت عائشہ اور حضرت

---

۱ - کتاب فتح الباری جزء چہارم میں صفحہ ۱۱۵ کے بعد اس کا مطالعہ فرمائیں کیوں کہ اس کی مفصل و مبسوط داستان وہاں نقل ہوئی ہے .

ام سلمہ کی اس گفتگو سے ڈراؤ اور ایک دوسری روایت میں "ابوہریرہ کو ضرب لگاؤ"[1] کے الفاظ ہیں. مگر عبدالرحمٰن نے ایسا نہیں کیا اور جب ابوہریرہ سے "ذوالحلیفہ کے مقام پر جہاں ان کی جاگیر تھی ملاقات کی تو ان سے کہا: میں تمہیں ایک بات بتانے آیا ہوں کہ اگر مروان مجھے قسم نہ دیتا تو میں ہرگز تم سے نہ کہتا. اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کی گفتگو کو ابوہریرہ کے لئے نقل کیا. ابوہریرہؓ نے ان کے جواب میں کہا: فضل بن عباس نے یہ حدیث میرے لئے نقل کی تھی." اور نقل حدیث کو فضل بن عباسؓ کے سر اسلیئے ڈالا کہ وہ اس وقت وفات پا چکے تھے، کیوں کہ ۱۸ھ ہجری میں خلافت حضرت عمرؓ کے دوران طاعون عمواس[2] سے ان کی موت واقع ہوئی تھی. اور ابوہریرہ نے یہ بات اس وقت کہی جب مروان معاویہ کی طرف سے والی مدینہ تھا اور معاویہ ۴۱ھ ہجری میں مسند حکومت پر متمکن ہوا. نسائی کی روائیت میں ہے کہ: مروان نے عبدالرحمٰن سے کہا: ابوہریرہ سے ملاقات کر کے اسے اس واقعے سے آگاہ کر دو. جس کے جواب میں عبدالرحمٰن نے کہا: ابوہریرہ میرا ہمسایہ ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اس کے روبرو جا کر کوئی ایسی بات کہوں جو اسے ناگوار گذرے. مروان نے کہا تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ تم جا کر ابوہریرہ سے ملاقات کرو. معمر کی روایت میں ابوشہاب سے مروی ہے کہ جس وقت عبدالرحمٰن حضرت عائشہؓ کی گفتگو کو ابوہریرہ سے نقل کر رہے تھے تو ان کے چہرے کا رنگ فق

۱۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مروان کو بھی دوسروں کی طرح احادیث میں تردد تھا حالانکہ ابوہریرہ دست پروردہ بنی امیہ تھے۔

۲۔ "عمواس" بیت المقدس کے قریب فلسطین کا ایک گاؤں ہے جہاں سے ۱۸ھ ہجری کا طاعون پھیلا اور بیشمار صحابہؓ اس کی لپیٹ میں آ کر وفات پا گئے (معجم البلدان یاقوت)

ہو گیا تھا۔ اور احمد بن حنبل ناقل ہیں کہ ابو ہریرہ نے عبدالرحمنؓ کے جواب میں کہا؛ رب کعبہ کی قسم یہ بات میں نے نہیں کہی کہ حالت جنابت میں صبح کرنے والا اس دن کا روزہ نہ رکھے" پروردگار کعبہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کہا[1]۔ موطا میں مالک کی روایت کے مطابق مروان نے عبدالرحمن سے کہا: تمہیں خدا کی قسم ہے میرے دروازے پر کھڑی تیار سواری پر جاکر "ارض عقیق" میں ابوہریرہ سے ملو۔ ابن حجر نے اس واقعہ کی شرح میں لکھا ہے کہ بخاری کی روایت جس میں ابوہریرہ کو "ذوالحلیفہ" میں بتایا گیا ہے اور مالک کی اس روایت کے درمیان جہاں ابوہریرہ کے لئے سرزمین عقیق کی نشان دہی کی گئی ہے کوئی فرق یا اختلاف نہیں پایا جاتا اس لئے کہ ممکن ہے مروان اور عبدالرحمن، ابوہریرہ کو عقیق میں ڈھونڈ رہے ہوں مگر وہاں وہ انھیں نہ ملے ہوں اور اس کے بعد انہوں نے ذوالحلیفہ میں ابوہریرہ کو ڈھونڈ لیا ہو کیونکہ ذوالحلیفہ میں بھی ابوہریرہ کی ایک کھیتی تھی[2]۔ اور ایک دوسری روایت میں بنا بر نقل کسائی ابوہریرہ نے کہا اسامہ بن زید نے اس حدیث کو میرے لئے نقل کیا ہے۔

۱۔ یہ حدیث مسند احمد کے جزء ثانی میں آئی ہے جس کی نص اس طرح ہے: خدای کعبہ کی قسم میں نے نہیں کہا "جو حالت جنابت میں صبح کرے اس دن کا روزہ نہ رکھے" پروردگار" کعبہ کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ اور اس خبر کو ابن حجر نے فتح الباری کے جزء چہارم صفحہ ۱۰۸ میں نقل کیا ہے۔

۲۔ کتاب فتح الباری۔ ص ۱۱۷ - ج ۴ - ابن حجر کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ابوہریرہ، ذوالحلیفہ اور عقیق دونوں مقامات پر تصرو زمین کے مالک تھے، اس بنا پر ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ انہوں نے اس سرمایہ کو کہاں سے حاصل کیا حالانکہ ان کی گذشتہ زندگی کے حالات ہم پر روشن ہیں جو پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ مگر کہنا پڑے گا کہ روایت حدیث ایک بہت بڑا راز ہے جو اپنے اصحاب کیلئے حتی کہ اس دور میں بھی ایسے مواقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے لئے سرمایہ اکٹھا کریں اور اس سے تصرو محل تعمیر کریں۔

میرے دوست نے کہا

اور میں نے

اپنے دوست سے سنا

ابن قتیبہ کہتے ہیں : جب حضرت علی علیہ السلام نے ابوہریرہ کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا، میرے دوست ، اور میں نے اپنے دوست سے سنا " تو آپؑ نے فرمایا ابوہریرہ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کب سے تمہارے دوست بنے[۱] واضح ہونا چاہیئے کہ حضرت علی علیہ السلام بھی ابوہریرہ سے بدبیں تھے - اور جب ابوہریرہ کی روایات انکے کانوں تک پہنچیں تو آپ نے فرمایا آگاہ ہو کہ رسولِ خداؐ پر سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والا شخص یا جھوٹ بولنے والی قوم ابوہریرہؓ درسی ہے[۲].

---

[۱] کتاب تاویل مختلف الحدیث ، ص ۲۷، ۲۸ — [۲] شرح نہج البلاغہ - ص ۳۶۰ - ج - ۱

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ

حضرت عائشہؓ اور

مولا علی علیہ السلام

نے ابوھریرہ کی

تکذیب کی ھے،

نظام کہتے ہیں: عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ اور علی علیہ السلام نے ابوہریرہ کی تکذیب کی ہے اور ابن قتیبہ نے کتاب "تاویل مختلف الحدیث" میں اس کو نقل کیا ہے۔ مگر وہ اس میں بطور تاویل بھی ابوہریرہ کا دفاع نہ کر سکے۔ حالانکہ دوسری روایات میں انہوں نے ابوہریرہ اور دیگر اصحاب کی بھرپور حمایت کی ہے مگر یہ خبر ثابت اور غیر قابل تردید ہے۔ ابن حسان اعرج سے

منقول ہے کہ دو افراد حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ابو ہریرہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: تین چیزوں میں بدشگونی ہے: عورت، گھر اور سواری۔ حضرت عائشہؓ نے جب یہ سنا تو بہت غضبناک ہوئیں اور فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے قرآن کو ابو القاسمؐ (یعنی سرور کائنات) پر نازل کیا ابو ہریرہ جھوٹا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جہّال کہا کرتے ہیں: بدشگونی، سواری، عورت اور گھر میں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ [۱]

طاوس سے منقول ہے کہ: ایک دن میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا ابو ہریرہ کہتے ہیں: نماز وتر حتمی نہیں ہے چاہے ادا کرو یا نہ کرو۔ ابن عمرؓ نے کہا، ابو ہریرہ جھوٹ بولتے

---

[۱] سورۂ حدید آیت ۲۲ - پوری آیت اس طرح ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

ترجمہ:۔ جتنی مصیبتیں روئے زمین پر اور خود تم لوگوں پر ہوتی ہیں وہ سب (قبل اس کے کہ ہم انہیں پیدا کریں کتاب (لوح محفوظ) میں (لکھی ہوئی) ہیں۔ بے شک یہ خدا کے لئے آسان ہے۔

ہیں[1]: نیز یہ کہ ابن مسعود نے ابوہریرہ کے اس قول کو جس میں انہوں نے کہا جو شخص کسی میت کو غسل دے یا اٹھائے تو وضو اس پر لازم ہے، رد کیا ہے اور اس پر تند و تیز گفتگو کی ہے اور کہا ہے "اے لوگو اپنے مردوں کو پلید نہ بناؤ[2]۔ اور جس وقت زبیر بن عوام نے ابوہریرہ کی روایتوں کو سنا تو وہ جھوٹ اور سچ کی میزان پر اسے تولنے لگے[3]۔ جب ابوہریرہ نے یہ حدیث بیان کی کہ "فجر کی دو رکعت نماز بجالانے کے بعد نمازی کو سیدھی کروٹ سو جانا چاہیئے" تو مروان نے کہا: مسجد میں جانا کافی نہیں کہ آدمی وہاں بھی جا کر سو جائے؟ اور جب یہ بات ابن عمرؓ کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے کہا: ابوہریرہ کتنی زیادتی اختیار کر رہے ہیں، حق تو یہ تھا کہ وہ کہتے: ابوہریرہ کتنا جھوٹ بول رہے ہیں۔ ابن عباسؓ نے ابوہریرہ کی اس روایت پر کہ "جو کوئی جنازہ اٹھائے اس پر وضو لازم ہے۔" بڑی تنقید کی ہے اور اس سے انکار کرتے ہوئے کہا ہے سوکھی ہوئی تابوت کی لکڑیاں اٹھانا تو موجب وضو نہیں ہے[4] شعبی سے نقل ہوا ہے کہ ابوہریرہ نے کوئی حدیث روایت کی اور سعد بن وقاص نے اسے رد کر دیا اور پھر ان دونوں کے درمیان بات اتنی بڑھی کہ در و دیوار لرزنے لگے[5]

۱۔ کتاب جامع بیان العلم وفضلہ، تالیف حافظ مغرب، ابن عبدالبر۔ ص ۱۵۴ ۔ ج ۲

۲۔ کتاب جامع بیان العلم وفضلہ، تالیف حافظ مغرب، ابن عبدالبر۔ ص ۸۵ ۔ ج ۲

۳۔ البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص ۱۰۹ ۔ ج ۸

۴۔ فجر الاسلام۔ ص ۲۹۵

۵۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۳۵ ۔ ج ۲

"حدیث شعر"

جس وقت ابوہریرہ نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس روایت کو بیان کیا کہ: اگر تم میں سے ہر ایک کا پورا وجود پیپ سے بھر کر نمایاں ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اس کا حافظہ شعر سے پُر ہو[1]" تو حضرت عائشہؓ

۱۔ اس روایت کو بخاری نے نقل کیا ہے۔

نے کہا: ابوہریرہ نہ سمجھ سکے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی کا سراسر وجود خون و قے سے بھر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے ایسے اشعار یاد ہوں جن کے ذریعے کسی کی ہجو و ایذا رسانی کی جائے۔[1] بعض افراد نے از راہ نادانی ابوہریرہ کے اس قول کو اس بات پر دلیل بنا لیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعر کو مکروہ جانتے تھے اور اتفاقاً یہ موضوع مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان شائع ہو گیا ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود شعر سماعت فرماتے تھے اور اس کی مدح و ستائش کرتے تھے جیسا کہ ابی بن کعب کی روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اکثر اشعار پند و حکمت پر مبنی ہیں اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "بیشتر بیانات جادو اور بعض علوم جہالت و نادانی اور کچھ اشعار پند و حکمت پر مبنی ہیں۔" اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ بعض اشعار میں حکمتیں مضمر ہیں، پھر خوبی یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود امیہ بن ابی الصلت کے اشعار کی گواہی دی ہے۔ عمرو بن الشرید نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرکب پر سوار تھے کہ آپؐ نے فرمایا تمہیں ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا: ہاں، کیوں نہیں آپؐ نے فرمایا: "پڑھو" میں نے بھی ان کے اشعار سے سو بیت پڑھ دیئے۔ اس واقعہ کو مسلم نے نقل کیا ہے، پھر جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ سہیلی کی غزوہ ودان میں جابر ابن وہب سے نقل کردہ بات اس موضوع کی تائید کرتا ہے۔ جہاں حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کی تاویل ایسے شعر سے کی ہے جس کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی (نعوذ باللہ) ہجو کی جائے مگر یہ کہ عموماً تمام اشعار پر اسکو منطبق کیا جائے اس سے حضرت عائشہؓ کو یکسر اختلاف تھا۔

فتح الباری۔ ص ۴۵۳ ۔ ج ۱۰

نے طرفہ کے اس مشہور شعر کو سنا کہ:

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا

ویاتیک بالاخبار من لم تزود

تو آپ نے فرمایا: حقیقتاً اُس کا مفہوم گفتار انبیاء سے ہم آہنگ ہے اور بخاری نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صحیح ترین کلام جسے شاعر نے پیش کیا ہے وہ لبید کی حکمت ہے جہاں وہ کہتے ہیں۔

الا کل شیئ ما خلا اللہ باطل　　　وکل نعیم لا محالہ زائل

نیز یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان کو انعام سے نوازا تاکہ وہ مشرکین کی ہجو کریں اور پھر ان سے فرمایا ہمیشہ جب تک خدا اور اس کے رسول کی حمایت کرتے رہو۔ روح القدس تمہاری تائید کرے۔ اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ ان کی ہجو کرو کیونکہ جبرئیل تمہارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں دسیوں ابیات شعری موجود ہیں جیسے[۱]:

بحر رمل سے:-　　وجفان کالجواب　　وقدور راسیات

خفیف سے:-　　من تزکی فانما　　یتزکی لنفسہ

اور وافر سے　　ویخزم وینصرکم علیھم　　ویشف صدور قوم مومنیا

۱۔ واضح رہے کہ یہاں شعر سے مولف کی مراد مسجع اور موزوں کلام ہے نہ یہ کہ اوہام و تخیلات سے بھرپور، دور از حقیقت کلام۔ کیوں کہ اس قسم کا کلام اللہ نے کبھی پیغمبر کو نہیں سکھایا اور نہ ہی ان کے شایان شان ہے۔

اور ہم اس سے زیادہ قرآنی ابیات و مصرعوں پر اپنی بحث کو جاری نہیں رکھیں گے تاکہ اپنے راستے سے ہٹ کر موضوع سے خارج نہ ہو جائیں اگر کسی کو اس بارے میں مزید اطلاع حاصل کرنی ہو تو اس کے مظنات کا مطالعہ کرے[۱]۔

---

[۱]۔ رجوع فرمائیں کتاب فتح الباری ۔ ص ۴۴۲ تا ۴۴۷ ۔ ج ۱۰

(قرآنی آیات کے متعلق شعر کی نسبت دینا احادیث کے متعلق قرآنی احکام کی خلاف ورزی ہے ۔ خصوصاً آئمۂ اہل بیت علیہم السلام نے اس سے شدت کیساتھ منع فرمایا ہے ۔ (مترجم)

حدیث:

"لاعدوی ولاطیرہ ولاھامہ"

شیخین نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لاعدوی ولاطیرہ ولاھامہ" (یعنی بیماریوں میں وبا۔ بدشگونی اور اُلّو کی نحوست بے بنیاد باتیں ہیں) یہ حدیث مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے۔ مگر صحابہؓ نے اس کے برخلاف عمل کیا کیونکہ بخاری نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ:۔

پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جب کبھی یہ خبر سنو کہ طاعون کسی سرزمین میں پھیل گیا ہے تو وہاں جانے کی کوشش نہ کرو اور اگر کسی ایسی بستی میں طاعون پھیل جائے جہاں خود تم بھی موجود ہو تو وہاں سے باہر جانے کی جستجو نہ کرو، اور یہ حدیث اسی طرح عبدالرحمٰن بن عوف سے بھی نقل ہوئی ہے. جس وقت حضرت عمرؓ نے شام کے ارادے سے کوچ کرتے ہوئے[1] اس حدیث کو ابوہریرہ کی اس حدیث کے ساتھ سُنا[2] "لا یوردن ممرض علی مصح" (یعنی کوئی بیماری تندرست انسان پر وارد نہیں ہوتی) اور راستے میں انھیں اطلاع ملی کہ شہر شام میں ہیضہ پھیل گیا ہے تو آپ ابوہریرہ کی حدیث کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے اور آخر کار ابوہریرہ کو مجبوراً اس محکم خبر کے سامنے پسپا ہونا پڑا اور انھیں اپنی پہلی روایت "لا عدوی ولا طیرہ ولا ہامہ" کی تردید کرنی پڑی. جبھی دم حارث بن ابی ذباب (ابوہریرہ کے چچازاد لڑکے) نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ابوہریرہ ہم سنتے ہیں کہ تم "کوئی بیماری تندرست انسان پر وارد نہیں ہوتی" والی حدیث کے ساتھ حدیث "لا عدوی ولا طیرہ ولا ہامہ" کو بھی نقل کرتے ہو، (ان دونوں حدیثوں میں کونسی صحیح ہے) تو ابوہریرہ اس دوسری حدیث سے اظہار بے خبری کرنے لگے. اسمٰعیلی باستناد روایت شعیب ناقل ہیں کہ حارثؓ (ابوہریرہ کے چچازاد لڑکے) نے ان سے پوچھا تم نے ہمارے لئے حدیث نقل کی ہے تو ابوہریرہ نے بیساختہ انکار کرتے ہوئے کہا: اس حدیث کو جسے تم بتارہے ہو میں نے نقل نہیں کیا ہے. مسلم کی روایت میں ہے کہ حارث نے کہا: تم نے لا عدوی ولا طیرہ

۱- حضرت عمرؓ کے سفر شام پر روانگی کی تاریخ ۱۷ ہجری ہے. جب وہ سرغ کے مقام پر پہنچے تو انھیں خبر ملی کہ شام میں ہیضہ پھیل گیا ہے اور اسی دم وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ آئے.

۲- بخاری اور مسلم نے اس حدیث کو ابوہریرہ سے نقل کیا ہے.

زلاصامہ" والی حدیث نقل نہیں کی؟ ابوہریرہ خاموش رہے اور پھر حبشی زبان میں زیر لب کچھ کہا۔ جس کا مفہوم غیر واضح تھا[1]۔

۱۔ فتح الباری — ص ۱۹۸، ۱۹۹ — ج ۱۰ ۔ اس کے علاوہ جامع بن وہب ص ۱۰۴ جس کو فرانس کے موسسہ علمی نے سنہ ۱۹۱۹ء عیسوی میں قاہرہ میں زیور طبع سے آراستہ کیا۔

"ابوھریرہ پر تابعین کی نکتہ چینی اور ان کا انتقاد"

ہم اس بات کے درپے نہیں کہ صحابہ کی جانب سے تردید روایات ابوہریرہ بلکہ تکذیب کے بارے میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسے یکجا کر کے پیش کریں کیونکہ ہماری کتاب اس گنجائش کی حامل نہیں ہم فقط یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابوھریرہ کی روایات سے یہ انکار و اتہام، صحابہؓ اور تابعینؒ سے لے کر آج تک اسی طرح برقرار ہے۔ اب ہم ان انتقادات کے کچھ حصے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

محمد بن حسن (ابو حنیفہؒ کے دوست اور ساتھی) نے ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؑ، عبداللہ نامی تین اشخاص (عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص) اور صحابہ سے تمام مفتی تضاہ کی تقلید کرتا ہوں اور انکی مخالفت کو اپنے لئے روا نہیں جانتا جز تین افراد: (انس بن مالک، ابوہریرہ اور سمرہ) اس کے بعد ان سے اس بارے میں توضیح طلب کی گئی تو ابو حنیفہ نے کہا: انس آخر عمر فساد عقل میں گرفتار ہوئے اور جب انسے فتوی طلب کیا جاتا تو وہ اپنی فکر و عقل سے جواب دیتے اور میں انکی عقل کی تقلید نہیں کرتا، لیکن ابوہریرہ جو کچھ سنتے بغیر اس کے کہ اس کے معنی میں تامل کریں یا اس کے ناسخ و منسوخ پر نظر رکھیں روایت کر دیا کرتے[1]۔ ابو یوسف کہتے ہیں: میں نے ابو حنیفہ سے کہا: کبھی

۱۔ مختصر کتاب المومل، تالیف ابو شامہ۔ ص ۳۱، ۳۲۔ اس کتاب کے حاشیہ میں مذکورہ خبر پہ ایک تعلیق لکھی گئی ہے جس کو عیناً ہم یہاں نقل کرتے ہیں: کتاب "مرآۃ الوصول" اور اس کی شرح مرآۃ الاصول" میں اصول حنفیہ رحمہم اللہ کے بارے میں ایک بحث (حال راوی پہ) نقل ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: اگر کوئی راوی بیان روایت میں مشہور ہو تو فقیہ ہونے کی صورت میں اس کی روایات مطلقاً مورد قبول ہوگی خواہ قیاس کے موافق ہو یا مخالف۔ اور اگر راوی۔ ابوہریرہ اور انس" کی طرح نقیہ نہ ہو تو اس کی روایات قیاس سے موافقت نہ رکھنے کی صورت میں مردود ہیں (دار الکتب میں موجود خطی نسخہ کے صفحہ ۱۱۵ سے ماخوذ) اور ابو حنیفہ نے اپنی اس گفتگو میں کہ ابوہریرہ نے ہر سنی سنائی بات کو بغیر اس کے معنی میں تامل کئے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو مسلم نے حفص بن عصم سے نقل کیا کہ: کسی شخص کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو نقل کر دے۔ نیز ابن عمرؓ نے کہا ہے " جھوٹا آدمی اسی سے پہنچانا جاتا ہے کہ ہر سنی سنائی بات کو نقل کر دے" اور اس خبر کو مسلم نے نقل کیا ہے۔ خالد بن عبداللہ نے کہا کہ میں نے کہا کہ میں نے ابن شبرمہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے: روایتیں کم بیان کرو تا کہ فقیہ کہلاؤ (کتاب

باقی اگلے صفحہ پر،

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی روایت سامنے آتی ہے۔ جو ہمارے قیاس کی مخالف ہے ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے ابو حنیفہ نے کہا اگر راوی ثقہ ہو تو ہم اس روایت پر عمل کریں گے اور قیاس سے دست بردار ہو جائیں گے، میں نے کہا: حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمر کی روایات کے بارے میں کیا خیال ہے تو انہوں نے کہا: اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ میں نے کہا حضرت علیؑ و عثمانؓ کے بارے میں؟ انہوں نے کہا: وہ بھی اسی طرح اور جب انہوں نے دیکھا کہ میں ایک ایک صحابہ کا نام لینا چاہتا ہوں تو کہا: صحابہ کل کے کل عدول ہیں۔ بجز چند افراد

(حاشیہ مسلسل) (جامع بیان العلم وفضلہ۔ ص ۱۲۴۔ ج ۲) عبدالرحمن بن مہدی نے کہا ہے۔ جو کوئی شواذ حدیث کا تعقب کرے یا ہر کسی سے نقل روایت کرے یا ہر سنی سنائی بات نقل کرے وہ امام حدیث نہیں ہو سکتا (ابن مہدی ائمہ جرح و تعدیل کے شیوخ میں سے ہے) (مذکورہ کتاب ص ۴۷) اور ابن لیلی نے کہا ہے کہ کوئی شخص فقیہ نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ کسی حدیث کو قبول اور کسی کو رد کر دے (مذکورہ کتاب۔ ص ۱۳۲) نیز امثال اکثم بن صیفی سے ہے کہ: "المکثار کحاطب اللیل ومن اکثر اسقط، "باتونی شخص کی مثال رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے کی ہے۔ جو اپنے آپ کو سانپ اور بچھوؤں کے ڈنک پر لے آتا ہے اور بہت زیادہ بولنے والے کی گفتگو بے معنی ہو گی (کتاب المعمرین سجستانی ص ۱۳)

اور ان چند افراد میں انہوں نے ابوہریرہ اور انس بن مالک کے نام گنائے[1]۔ مغیرہ نے ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ، انہوں نے کہا: ہمارے اصحاب ابوہریرہ کی روایات پر کان نہیں دھرتے تھے، اعمش کی روایت میں ابراہیم سے مروی ہے کہ: ہمارے اصحاب ابوہریرہ کے تمام اخبار سے متمسک نہیں ہوتے تھے اور ثوری نے منصور کے ذریعے ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہمارے اصحاب احادیث ابوہریرہ میں بعض چیزوں کا مشاہدہ کرتے اور ان کی تمام روایتوں کو قبول نہیں کرتے تھے مگر یہ کہ جو احادیث توصیف جنت و دوزخ میں ہوں یا پھر جس میں عمل صالح کی تاکید اور برائی سے بچاؤ کا ذکر ہو جسے قرآن نے بھی بیان کر دیا ہو[2]۔ ابو شامہ نے اعمش سے روایات کی ہے کہ انہوں نے کہا: ابراہیم صحیح الحدیث تھے اور میں جب کسی سے کوئی حدیث سنتا ہوں تو ان سے عرض کر دیا کرتا تھا۔ قضا را ایک دن ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے ان سے ابو صالح کی احادیث کے بارے میں پوچھا جسے انہوں نے ابوہریرہ سے نقل کیا تھا تو آپ نے فرمایا: ابوہریرہ کی احادیث کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ

۱۔ یہ ہے کہ ابو حنیفہ رح کی رائے ابوہریرہ کے بارے میں سب پر واضح ہے کہ ابو حنیفہ رح شیوخ فقہای اہل سنت سے ہیں اور جمہور مسلمین کے درمیان ائمہ اربعہ میں پہلے امام کی حیثیت سے مشہور ہیں اس کے علاوہ آپ دور صحابہ رض سے بھی متصل رہے ہیں ۸۰ ہجری آپ کی سنہ ولادت ہے اور اسی سال امام شافعی رح بھی متولد ہوتے۔ شیعہ حضرات خاص طور پر فرقہ امامیہ کلی طور سے ابوہریرہ اور ان کی روایات پر اعتماد نہیں کرتا۔

۲۔ البدایہ والنہایہ ــ ص ۱۰۹ ــ ج ۸ ــ سیر اعلام النبلاء ــ ص ۴۳۶ اور ۴۳۸ ج ۲ ــ ابراہیم نخعی کوفہ کے مشہور فقیہ ہیں جنھیں فن حدیث میں استاد تسلیم کیا گیا ہے۔ انکا انتقال ۹۵ ہجری کے اواخر میں ہوا۔

کرو ہمارے اصحاب ان کی بے شمار احادیث پر کان نہیں دھرتے تھے۔ ابوجعفر اسکافی کہتے ہیں: ابوہریرہ ہم شیوخ (معتزلہ) کے نزدیک غیر موثق اور ان کی روایات غیر قابل قبول ہیں۔ کیوں کہ حضرت عمرؓ نے ان پہ کوڑے برسا کر کہا تھا: ابوہریرہ بڑی حدیثیں نقل کرتے ہو۔ تمہارے لیئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ پیغمبر[۱] خدا پر جھوٹ باندھتے ہو[۲]۔ ابن اثیر نے کہا ہے: ابوہریرہ کی کثرت روایات کے سبب بعض لوگوں نے ان کی تردید کی ہے[۲]۔ کتاب الاحکام آمدی میں آیا ہے[۳] کہ: صحابہ کثرت روایات کے سبب ابوہریرہ پر اعتراض کیا کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: خدا رحم کرے ابوہریرہ پر کہ حدیث مہراس میں عجیب یا وہ گو انسان تھا۔ ایک دفعہ ہارون رشید کی مجلس میں مسئلہ "مصراۃ"[۴] زیر بحث آیا۔ حاضرین اس موضوع پر بحث و گفتگو کرنے لگے اور انکی آوازیں بلند ہونے لگیں ایسے میں کسیؓ ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث پر احتجاج کیا مگر دوسرے نے اسے رد کرتے ہوئے کہا: ابوہریرہ اپنی نقل شدہ روایات میں متہم ہیں، ہارون الرشید نے بھی اس بات کی تائید کی۔ دور حاضر میں محمد رشید رضا، ڈاکٹر احمد امین اور ڈاکٹر محمد توفیق صدیقی وغیرہ افراد ہیں۔ جنہوں نے ابوہریرہ پر تنقید کی ہے۔

۱۔ شرح نہج البلاغۃ۔ ص ۳۶۰۔ ج ۱ ۔ ۲، کتاب المثل السائر۔ ص ۸۰ اور ۸۱ ۔ (۳)۔ ص ۱۰۶۔ ج ۲۔

۴۔ "مصراۃ" اوہ اونٹنی یا گائے ہے جس کا دودھ کئی دن سے نکالا نہ گیا ہوتا کہ گاہک اسکے بڑھتے ہوئے تھن دیکھ کر یہ دھوکا کھائے کہ بہت زیادہ دودھ دینے والا جانور ہے۔ حنفی حضرات کا اس حدیث سے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ یہ حدیث تمام قیاسات کو رد کرتی ہے۔ کیونکہ ایسی حالت میں جانور سے دودھ دوہنا ظلم و تعدی ہے اور اس تعدی کا تاوان یا مثل سے ہے یا قیمت سے، اور ایک صاع املی ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔

ابوهریره لوگوں کی تضحیک کا نشانہ بنے

جسدم ابوہریرہ نے روایات سے کھیلنے کو اپنا پیشہ بنالیا اور بے دریغ حدیثیں نقل کرنے لگے تو لوگوں نے بھی انکا مذاق اڑانا شروع کیا اور ان کو اپنی تضحیک و سرزنش کا نشانہ بنانے لگے چنانچہ ابورافع سے نقل ہوا ہے کہ قریش سے ایک آدمی حلہ زیب تن کئے اپنے آپ نازاں ابوہریرہ کے پاس آیا اور ان سے کہنے لگا: ابوہریرہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں کثرت

کے ساتھ نقل کرتے ہو کیا میرے اس حلہ کے بارے میں بھی کوئی حدیث سنی ہے؟ (گویا ہر شے کے بارے میں، نقل حدیث ضروری ہے۔) ابوہریرہ نے کہا: بالکل سنی ہے: ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے تم سے پہلے ایک شخص اپنے حلہ پر اتراتا تھا کہ ناگاہ مشیت ایزدی سے زمین نے اپنا منہ کھولا اور اسے نگل لیا اب وہ شخص قیامت تک اسی طرح قلب زمین میں دفن رہے گا۔ قسم بخدا نہیں معلوم وہ شخص تمہاری قوم سے تھا یا تمہارے خاندان سے۔ طرز سوال سے پتہ چلتا ہے کہ اس شخص نے ابوہریرہ سے بطور استفہام یہ بات نہیں پوچھی تھی بلکہ اسکا مقصد ابوہریرہ کا استہزاء تھا۔ کیونکہ اس نے یہ نہیں کہا کہ تمہیں احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد ہیں بلکہ یہ کہا کہ: تم احادیث پیغمبر کثرت کے ساتھ نقل کرتے ہو لہذا سیاق سوال استہزاء و سرزنش پر دلالت کرتا ہے پھر یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ ابوہریرہ نے کس طرح اپنی جعلی حدیث کے لئے اللہ کی قسم کھائی مگر اس قسم کی قسمیں ابوہریرہ سے بعید نہیں تھیں کیوں کہ وہ اپنی غیر صحیح روایتوں کے لئے ایسی ہی قسمیں کھایا کرتے تھے۔

۱۔ کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر۔ ص ۱۰۸۔ اس کے علاوہ مسلم نے بھی اس حدیث کو اپنی کتاب "اللباس" میں نقل کیا ہے۔

ابوھریرہ کا اعتراف

کہ لوگ انکی

تکذیب کرتے تھے

ابوزرین راوی ہیں کہ: ایک دن ابوہریرہ ہمارے پاس آئے اور ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا: تم لوگ کہتے ہو کہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہوں تاکہ تم چھٹکارا پاؤ اور میں گمراہ و گنہگار بنوں'...

.... الخ۔ جس وقت ابوہریرہ معاویہ کے ساتھ اس سال جسے سال جماعت کہا جاتا ہے اور جو درحقیقت تفرقہ اور جدائی کا سال تھا۔ عراق آئے

تو مسجد کوفہ میں اپنے گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور اپنا سر پیٹنا
شروع کر دیا یا اس طرح کہ معاویہ سمیت بہت سے لوگ جمع ہو گئے
ابوہریرہ چیخ کر کہنے لگے : اے اہل عراق کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں
پیغمبر خدا پر جھوٹ باندھتا ہوں .... الخ[1]

۱۔ منہج البلاغہ ۔ ص ۳۵۸ ۔ ج ۱ ۔ اس گفتگو کو ابو جعفر اسکافی نے
اعمش سے نقل کیا ہے ۔

اسلام میں
متہم ہونیوالا
پہلا راوی

پچھلی گفتگو سے واضح ہوگیا کہ اکابر صحابہ کس طرح ابوہریرہ پر اعتراضات کیا کرتے تھے اور انھیں جھٹلاتے تھے اور تکذیب کا وہ خود کس طرح اعتراف کرتے تھے۔ نیز یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ انکار و تکذیب طول ایام و عصور میں صحابہ اور تابعین کے زمانے سے لیکر آج تک کس طرح جاری و ساری ہے۔ اس سلسلے میں عالم اسلام کے مصنف بلیغ "مصطفیٰ صادق الرافعی" نے اس طرح

"پیغمبر اکرمؐ پر جھوٹ بولنے والے کی سزا"

جیسا کہ اس باب میں بتایا جا چکا ہے کہ بعض صحابہ نے ابوہریرہ کے روایات کی صریحاً تکذیب کی ہے اور یہ تکذیب بلاشبہ ان روایات کے بارے میں ہے جب وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کرتے تھے یہ بھی معلوم و مسلم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ بولنے والے کی سزا دوزخ ہے۔ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کی حدیث صحیح میں ہے کہ: "جو کوئی مجھ پر جھوٹ باندھے اس کا مقام دوزخ ہے، کتاب اختصار علوم الحدیث میں آیا ہے کہ ابن حنبل، ابو بکر الحمیدی اور ابو بکر الصیرفی کا کہنا ہے کہ "پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی روایت کو قبول نہ کرو اگرچہ راوی نے اس روایت کی نقل کے بعد توبہ ہی کیوں نہ کرلی ہو[۱]" سمعانی کا قول ہے کہ: جسنے ایک دفعہ بھی نقل حدیث میں جھوٹ بولا ہو اسکی پچھلی تمام احادیث کو ترک کرنا واجب ہے[۲]۔ حافظ بن حجر نے کہا ہے کہ علمائے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی تشدید و اہمیت پر اتفاق کیا ہے اور اسے گناہان کبیرہ سے جانا ہے یہاں تک کہ شیخ محمد جوینی نے اس بارے میں مبالغے سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ ابن عربی کا کلام بھی اسی مفہوم کے ساتھ آیا ہے[۳]۔

۱۔ ص ۱۱۱

۲۔ کتاب التقریب نوری۔ ص ۱۴

۳۔ فتح الباری۔ ص ۳۸۹ ـــ ج ۶

ابوھریرہ تدلیس سے کام لیتے ہیں

نقل حدیث میں ابوہریرہ کی روش یہ تھی کہ ہر حدیث کو براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چسپاں کر دیا کرتے تھے، خواہ وہ حدیث پیغمبرؐ خاتم کے لبہای مبارک سے صادر ہوئی ہو یا صحابہ کو تابعین نے اسے نقل کیا ہو ہم دونوں صورتوں میں وہ ایک ہی روش کی پیروی کرتے اور انھیں ایک دوسرے سے ممیز نہیں کرتے تھے اور جس شخص نے اسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے نقل کیا ہے اس کا نام نہیں لیتے تھے۔ اس طرح کی روایت کو محدثین تدلیس کا نام دیتے ہیں اور جو بھی روائیت اس طرح نقل ہوتی ہو وہ حکم مرسل میں آتی ہے۔ علماء حدیث نے یہ رائے قائم کی ہے کہ ابوہریرہ "مدلس" تھے کیوں کہ ان کی اکثر بلکہ اغلب حدیثیں بر بنائے سماع نہیں ہوا کرتی تھیں بلکہ وہ اسے صحابہ اور تابعین کے واسطے سے نقل کیا کرتے تھے، کیوں کہ ابوہریرہ بہت بعد میں اسلام لائے تھے[۱]۔ ابن قتیبہ تاویل مختلف الحدیث میں کہتے ہیں[۲] ابوہریرہ کی یہ عادت تھی کہ وہ ہر روائیت کو بیان کرتے وقت "قال رسول اللہ" کہا کرتے تھے حالانکہ انہوں نے خود اس حدیث کو پیغمبرؐ سے نہیں سنا تھا بلکہ ایک ایسے شخص نے ان سے کہہ دیا تھا جو ان کے نزدیک ثقہ اور معتبر تھا۔

اسی طرز پر ابن عباسؓ اور دیگر صحابہ نے عمل کیا، دلچسپ بات یہ ہے کہ ابن قتیبہ نے یہاں احتیاط سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ: جو اُن کے نزدیک ثقہ اور معتبر تھا، اور یہ نہیں کہا کہ: جو ثقہ اور معتبر تھا، کیونکہ ابوہریرہ اپنی روایات میں کسی کا نام نہیں لیتے تھے جس سے یہ پتہ چلے کہ وہ ثقہ تھا بھی کہ نہیں۔ اس موضوع پر بعد میں ہم مستقبل گفتگو کریں گے۔ ذہبی نے "سیر اعلام النبلا" میں نقل کیا ہے کہ[۳]۔ یزید بن ابراہیم نے کہا:۔ میں نے

۱۔ اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ سیوطی اور دیگر علماء کے منقولات کے مطابق، صحابہ، تابعین سے نقل حدیث کیا کرتے تھے جیسا کہ عبد اللہ نامی تین افراد، ابوہریرہ اور دیگر اشخاص نے کعب الاحبار سے نقل حدیث کی ہے جسے وہ کبار تابعین میں قابل اعتبار سمجھتے ہیں۔

۲۔ ص ۵۰

۳۔ ص ۴۳۸۔ ج ۲

شعبہ[1] سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے: ابوہریرہ ہمیشہ تدلیس سے کام لیتے تھے، یعنی جو کچھ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کعب الاحبار سے سن رکھا تھا اسے روایت کر دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھتے تھے اس سلسلے میں ابن عساکر کہتے ہیں شعبہ کا اشارہ ابوہریرہ کی اس حدیث کی طرف تھا جس میں انہوں نے کہا تھا: "حالت جنابت میں صبح کرنے والے کا روزہ صحیح نہیں[2]۔ اور جب اس حدیث کے سلسلے میں ان سے زیادہ باز پرس کی گئی تو انہوں نے کہا: کسی مخبر نے اس حدیث کو میرے لئے نقل کیا تھا میں نے خود اس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا[3]۔ اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ ابوہریرہ مدلس تھے اور مدلس کی نقل کی ہوئی حدیث کو رجال حدیث مرسل کا نام دیتے ہیں۔ اس مقام پر ہمارے لئے ضروری ہے کہ حدیث مرسل اور اس پر احتجاج کے سلسلے میں شیوخ حدیث و فقہ کے اختلافات کو زیر بحث لائیں تاکہ ابوہریرہ کی تاریخ کا یہ حصہ بھی کمال تحقیق پر پورا اترے کیونکہ حدیث مرسل تدلیس سے وابستہ ہے۔

۱۔ شعبہ بن الحجاج آئمہ جرح و تعدیل سے ہیں۔ ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ شعبہ حدیث میں امیر المومنین ہیں۔ شافعی کہتے ہیں: اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث سے کوئی آشنا نہ ہوتا۔ شعبہ دو ٹوک اور صریح گفتگو کے عادی تھے ان کی صریح گفتگو کا ایک نمونہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم مجھے حدیث سے زیادہ شعر پر دسترس حاصل ہے اور اگر میں خدا کو چاہتا تو تمہارے لئے حدیثیں بیان نہ کرتا اور اگر تم خدا کو چاہتے تو میرے پیچھے نہ آتے لیکن ہمیں مدح پسند ہے اور بدگوئی ناپسند۔

۲۔ اس کتاب کے صفحہ ۷۵ پر قارئین نے اس حدیث کو ملاحظہ فرمایا جس میں کہا گیا کہ ابوہریرہ نے اس حدیث کو نقل کر کے کبھی تو یہ کہا کہ میں نے فضل بن عباس رضی سے اس حدیث کو سنا اور کبھی اس کی نسبت اسامہ بن زید سے دی۔

۳۔ البدایہ والنہایہ — ص ۱۹۰ - ج ۸

تدلیس اور مدلسین

تدلیس کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے کہ راوی کسی ایسے شخص کی روایت نقل کرے جیسے اسنے دیکھا ہو مگر اس روایت کو خود ااس سے نہ سنا ہو یا یہ کہ اپنے معاصر کی کسی روایت کو نقل کرے حالانکہ اس نے اس سے ملاقات نہ کی ہو اور یہ ظاہر کرے کہ اسنے خود اس سے روایت کو سنا ہے۔

حاکم نے اپنی کتاب "معرفت علوم الحدیث" میں لکھا ہے کہ: ہمارے نزدیک

تدلیس کی چھ قسمیں ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دوسری قسم پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ ایک ایسا گروہ تھا جو حدیث میں تدلیس سے کام لیتا تھا اور کہتا تھا "قال فلاں" اور جب کوئی درپے تحقیق بن کر ان سے ملاقات کرتا تو وہ اپنی اسی مسموعات کو دہرا دیا کرتے تھے[1]۔ اور ابوہریرہ کا تعلق بلاشبہ اسی گروہ سے ہے کیونکہ وہ حدیث کو تمام صحابہ سے ان کا نام بتائے بغیر نقل کرتے اور اسے براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیا کرتے تھے اور جب اسے کسی حدیث پر ان سے باز پرس کی جاتی تو راوی کا نام بتلانے پر مجبور ہو جاتے اور جب کسی دشوار گزار مسئلہ سے دوچار ہوتے تو روایت کو کسی مردہ شخص کی طرف نسبت دیا کرتے تھے چنانچہ "من اصبح جنبا" والی حدیث کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ نووی نے "التقریب" میں لکھا ہے[2] تدلیس اسناد اسے کہتے ہیں کہ راوی اپنے معاصر کی کسی حدیث کو اس سے سنے بغیر نقل کرے۔ اور یہ ظاہر کرے۔ گویا اس نے خود اس کی زبانی اس حدیث کو سنا ہے اور کہے: "قال فلاں یا عن فلاں" اس تعریف کا انطباق بطور کامل ابوہریرہ پر ہوتا ہے کیوں کہ وہ اپنی بیشتر روایات کو "قال رسول اللہ" یا عن رسول اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ درآں حالیکہ انہوں نے ذاتی طور پر اسے پیغمبرؐ سے نہیں سنا۔

۱۔ کتاب توجیہ النظر جزائری کے صفحہ ۱۸۲ کا مطالعہ فرمائیں جہاں تفصیل کے ساتھ تدلیس اور مدلسین پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

۲۔ ص۔ ۸

تدلیس
شدہ
حدیث

پچھلی گفت گو کی بناء پر حدیث مدلس (فتح لام کے ساتھ) وہ حدیث ہے جس کے اسناد میں راوی کا نام ساقط ہو اور ناقل حدیث اس طرح ظاہر کرے گویا اس نے اس حدیث کو راوی سے نہیں سنا بلکہ براہ راست اس شخص سے سنا ہے جس سے راوی نے روایت کی ہے. بشرطیکہ وہ شخص، ناقل حدیث کا ہمعصر ہو۔

حکم
تدلیس

تدلیس کے بارے میں حکم ہے کہ اس کی تمام اقسام مذموم ہیں یہاں تک کہ امام جرح و تعدیل شعبہ بن الحاج نے اس سلسلے میں مبالغے سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ: تدلیس کے مقابلہ میں زناکاری کو اپنے لئے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں" یہ بھی انہی کا قول ہے کہ "تدلیس سب سے زیادہ مضرت رساں جھوٹ ہے" کچھ لوگوں کا خیال ہے تدلیس میں شہرت پانے والا شخص مطلقا مردود الروایہ ہے

چاہے وہ بعد میں "سماع" کی تصریح ہی کیوں نہ کرے۔ مگر علماء حدیث نے جس قول صحیح کو ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ جب تدلیس کنندہ کسی روایت کو ایسے الفاظ کے ساتھ پیش کرے جہاں احتمال "سماع" ہو مگر "سماع" کی تصریح نہ کی گئی ہو تو وہ مورد قبول نہ ہوگی بلکہ اس کا شمار "منقطع" میں ہوگا۔ البتہ جس روایت میں سماع کی تصریح کی گئی ہو وہ قابل قبول ہے[1]۔ اس کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ تدلیس کنندہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث میں داخل ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ہماری نسبت دھوکے اور فریب سے کام لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ اور اس کا سبب بھی واضح ہے کیونکہ وہ اس طرح واضح کرتا ہے گویا اس کی حدیث متصل ہے درآں حالیکہ حقیقتاً منقطع ہے۔ البتہ یہ ایسی صورت میں ہے جبکہ اس کی تدلیس ثقہ سے نقل کی جانے والی روایت سے ہو۔ لیکن اگر اس کی روایت ضعیف ہو تو پھر گویا اس نے خدا اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے، جیسا کہ بعض آئمہ حدیث نے کہا ہے کہ یہ کام اساساً حرام اور ممنوع ہے۔

علماء حدیث نے تدلیس میں شہرت رکھنے والے کی روایت میں اختلاف کیا ہے۔ اہل حدیث اور فقہا کے ایک گروہ نے کہا ہے۔ تدلیس کنندہ کی روایت کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے خواہ وہ تصریح سماع کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ تدلیس موجبات جرح سے ہے اور حفاظ میں سے ایک شخص نے تدلیس میں مشہور راویوں پر جرح کرتے ہوئے ان کی روایات کو مطلقاً رد کر دیا ہے۔ اگرچہ روایت لفظ اتصال کے ساتھ کیوں نہ نقل کی گئی ہو اور چاہے راوی ایک ہی

۱۔ شرح الفیہ سیوطی تالیف احمد شاکر۔ ص ۳۵

مرتبہ تدلیس کا مرتکب ہوا ہو۔ شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس مطلب کی تصریح کی ہے[1]۔ اس بارے میں گفتگو طوالت چاہتی ہے اور اگر ہم اس بحث کو جاری رکھیں تو اپنے موضوع سے خارج ہو جائیں گے۔ اس لئے شائقین کو چاہیئے کہ اس کے ماخذ سے رجوع کریں۔ بہرحال اگر ہم اس تمام گفتگو یا اس کے کچھ حصے کو ابوہریرہ پر منطبق کریں تو ہم دیکھیں گے کہ راستگوئی اور عدالت کے اعتبار سے روایت میں ان کا مقام کہاں ہے مگر کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی قاعدہ کو صحابہ پر تطبیق کرے!...... کیونکہ وہ معصوم عن الخطا ہیں اور ان کی روایت میں شک و تردید نہیں کیا جا سکتا!!! (طنز!)

۱۔ رسالہ شافعی۔ ص ۴۴، ۴۵

حدیث مُرسل

تدلیس کے سلسلے میں اپنی بحث کو خاتمہ پر پہنچانے کے بعد اب ہم اپنی گفتگو کو حدیث مرسل سے متصل کرتے ہیں کیونکہ حدیث مرسل ہمارے موضوع بحث سے پوری طرح مربوط و مسلسل ہے۔ حدیث مرسل ایک ایسی حدیث ہے کہ جس میں اپنے کانوں سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی سننے والے کا نام روایت سے حذف کر دیا جائے۔ حدیث مرسل کی مشہور اور صحیح تعریف

یہی ہے اور فتح المغیث عراقی میں بھی اسی طرح آیا ہے اس کے علاوہ فقہا اور اصولیین نے بھی یہی رائے قائم کی ہے جس پر ابن قطان کا یہ قول گواہ ہے جس میں اس نے کہا ہے: ارسال کسی شخص کا کسی دوسرے شخص سے روایت کرنا ہے جبکہ اس نے خود صاحب حدیث سے نہ سنا ہو۔[۱] ابن حزم نے "کتاب الاحکام فی اصول الاحکام" میں کہا ہے: حدیث مرسل وہ حدیث ہے جو راوی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان فقط ایک ناقل رکھتا ہو یا زیادہ تر راوی ساقط کر دیئے گئے ہوں اور ایسی حدیث کو "منقطع" بھی کہا جاتا ہے جو غیر قابل قبول ہے۔ اس وسیلے سے کوئی دلیل مستحکم نہیں ہو سکتی کیونکہ مجہول شخصیت نے اسے بیان کیا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے ہیں مجہول شخص کی روائت اور شہادت سے پرہیز لازم ہے جب تک کہ اس کے متعلق معلومات فراہم نہ ہو جائیں۔ خواہ اس روایت کا راوی عادل یہ کیوں نہ کہہ دے کہ اسے میرے لئے ثقہ انسان نے نقل کیا ہے، بہر حال ہم پر یہ واجب نہیں کہ اس پر توجہ دیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس کے نزدیک وہ انسان ثقہ ہو اور اسے دوسرے اشخاص کی طرح جو اس کے غیر ثقہ ہونے کا علم رکھتے ہیں اطلاع نہ ہو ایسی صورت میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں جرح اولی تعدیل پر مبنی ہے ۔۔۔۔۔ اس کے علاوہ حیات پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ پر جھوٹ بولا جانے لگا۔ اور پھر عصر صحابہ میں منافقین اور مرتدین کا وجود بھی مسلم ہے ایسی حالت میں کسی کا یہ کہہ دینا کہ ایک صحابی سے نقل ہے" یا یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمنشینی رکھنے والے نے میرے لئے یہ حدیث نقل کی ہے، کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے مگر یہ کہ اس شخص کا نام لیا جائے اور وہ شخص نیک نامی

۱۔ قواعد التحدیث قاسمی ۔ ص ۱۱۴

میں مشہور بھی ہو[1]۔ خداوند عزوجل نے فرمایا ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۱)

(اور (مسلمانوں) تمہارے اطراف کے گنوار دیہاتیوں میں سے بعض منافق ہیں اور خود اہل مدینہ میں بھی (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر اڑ گئے ہیں (اے رسولؐ) تم ان کو نہیں جانتے (مگر) ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔ عنقریب ہم انکی سزا کو (دنیا ہی میں) دوہرا کریں گے۔ پھر یہ لوگ (قیامت میں) ایک بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے)

ہم اس حقیقت سے اچھی طرح آشنا ہیں کہ عیینہ بن حصن، اشعث بن قیس، اور عبداللہ بن سرح کے مانند صحابہ کا ایک گروہ مرتد ہو گیا جس کی تائید مسلم کی اس روائت سے ہوتی ہے جسکو انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کے غلام عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت اسماء نے مجھے عبداللہ بن عمرؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ: مجھ سے نقل کیا گیا ہے کہ تم نے تین چیزوں کو حرام گردانا ہے: دھاری دار لباس، ارغوانی رنگ والے گھوڑے کی روپوش اور رجب کے روزے۔ ابن عمرؓ نے اس سے انکار کرتے ہوئے یقین دلایا کہ انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ اس بنا پر حضرت اسماءؓ جن کا شمار قدماء صحابہ اور فاضلہ عورتوں میں ہوتا ہے جونہی ابن عمرؓ سے منسوب جھوٹی حدیث سنتی ہیں تو آشفتہ خاطر ہو کر ان سے اس بارے میں سوال کرتی ہیں اور اس کے جھوٹ ہونے کا پتہ لگاتی ہیں۔ اس صورت میں ہر شخص پر واجب ہے کہ روائت کو اسی شخص سے قبول کرے جسکا نام معلوم، جس کی عدالت آشکار اور جس کی شخصیت

۱۔ حقیقت یہی ہے اور ابن حزم نے اسے اچھی طرح سمجھا ہے۔

مسلم ہو[1]۔ عقیلی نے ابن عوف سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ایوب سختیانی نے محمد بن سیرین کے لئے ابو قلابہ سے ایک حدیث نقل کی، محمد بن سیرین نے کہا ابو قلابہ مرد صالح ہے مگر ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ اس حدیث کو کس سے نقل کیا ہے حلیہ میں ابن مہدی کے ذریعے ابو لہیعہ سے نقل ہوا ہے کہ اس نے شیوخ خوارج میں سے ایک تائب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: یہ تمہاری دینی احادیث ہیں دیکھ بھال لو کہ تم اپنے دین کو کس سے لے رہے ہو اس لئے کہ ہماری یہ حالت تھی کہ جب ہمیں کوئی چیز پسند آئی تو ہم اس کے لئے حدیث گڑھ لیا کرتے تھے حافظ بن حجر کہتے ہیں: خدا کی قسم حدیث مرسل پر احتجاج و استناد غیر قابل تحمل ہے کیونکہ خوارج کی بدعتیں آغاز اسلام میں اس وقت سے شروع ہوئیں جبکہ صحابہ کی کثرت تھی اور اس کے بعد تابعین اور ان کے بعد آنے والے زمانے میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا جو چیز انھیں پسند آتی اسے حدیث کا عنوان دے کر پیش کرتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی شخص کسی بات کو سنتا اور حسن ظن کی بنا پر اسے حدیث بنا دیتا اور یہ نہ کہتا کہ کس نے اس سے یہ بات کہی ہے، پھر دوسرا اس سے اسی بات کو نقل کرتا اور پھر اس کے بعد کوئی اور اس طرح کے منقطعات سے استناد کرتا[2] جس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ لوگ اس قسم کی احادیث پر استناد و اعتماد کرنے لگتے درآں حالیکہ اصل منشا دہی تھا جسے ہم بیان کرچکے ہیں[3]۔

۱۔ کتاب الاحکام۔ ص ۴۔ ج ۴

۲۔ نودی نے اپنی کتاب ''التقریب'' میں منقطع کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ: قول صحیح جس پر فقہا ابن عبدالبر اور دیگر محدثین متفق ہیں، منقطع وہ ہے جس کے اسناد متصل نہ ہوں اس بنا پر اس کے انقطاع کی جو بھی صورت ہو مگر زیادہ تر ایسے مقام پر استعمال ہوتا ہے جہاں طبع تابعی کسی صحابی سے ناقل ہو جیسے مالک کا ابن عمرؓ سے نقل کرنا۔ ص ۷۔

۳۔ توجیہ النظر۔ ص ۲۴۵

مراسیل صحابہؓ

یہ بھی مراسیل غیر صحابہ سے متعلق گفتگو اور اس سلسلے میں شدت اختیار کی گئی ہے لیکن مراسیل صحابہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ: بنا بر مشہور اس کا حکم، حکم موصول ہے۔ جمہور بھی اس سے متفق ہیں۔ ابن صلاح کا کہنا ہے: ہم اصول فقہ میں "مرسل صحابی" یعنی ایسی روایت کو جو مثلاً یہ کہ جس طرح ابن عباسؓ اور دیگر نوجوان صحابہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے درآں حالیکہ انہوں

نے خود اس کو پیغمبرؐ سے نہیں سنا، انواع مرسل اور اس کی اقسام میں شمار نہیں کرتے کیوں کہ اس طرح کی روایات حکم موصول مسند اور نقل از صحابہ ہیں اور صحابی کو نہ جاننا پریشان کن امر نہیں ہے، کیونکہ صحابہ کل کے کل عدول ہیں۔

حافظ عراقی نے کہا ہے: ابن صلاح کی یہ بات کہ اس قسم کی روایات کو صحابہ نے نقل کیا ہے، محل نظر ہے، کیونکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ان میں بیشتر روایات وہ ہیں جنھیں صحابہ کی ایک جماعت نے بعض تابعین سے سنا ہے۔ اور ہم نہیں جانتے کہ مراسیل صحابہ اور غیر صحابہ میں کیوں فرق کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں مراسیل صحابہؓ کو حکم موصول میں رکھا گیا ہے کہ جس سے تمسک ضروری ہے مگر اخذ مراسیل غیر صحابہؓ میں اختلاف ہے حالانکہ صحابہ بھی تابعین اور دوسرے لوگوں کی طرح تھے اور جو کچھ دیگر لوگوں کے لئے جائز ہے۔ صحابہ کے لئے بھی روا ہونا چاہیئے جیسا کہ تاریخ نے لکھا ہے اور قرآن اس کا موید ہے۔ دیگر تمام لوگوں سے سرزد ہونیوالے امور صحابہؓ سے بھی سرزد ہوئے کیوں کہ ان کے درمیان منافقین بھی تھے اور مرتکبین کبائر بھی، اور وہ لوگ بھی جو مار دھاڑ کرتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کیا کرتے تھے اور یہی نہیں بلکہ اس کے بعد ان میں سے بعض مرتد بھی ہوئے اس طرح کے امور ان کی تاریخ سے ہویدا ہیں اور کوئی منصف عاقل ان سے دفاع نہیں کرسکتا۔ اس موضوع پر ہم نے عدالت صحابہ کے بارے میں اپنی دوسری کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ" میں تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے۔

۱۔ مذکورہ کتاب۔ ص ۲۴۵، ۲۴۶

طعن و تشنیع کا نشانہ بنے یقیناً کوئی اور صحابی نہ بن سکا اور طعن و تشنیع بھی ایسی کہ اس کا فقط ایک جز بھی ان کی تردید اور ان کی روایات کو ناقص بنانے کے لئے کافی تھا مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ ان سے ان کی اہلیت کے برخلاف سلوک کیا گیا۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رجال جرح و تعدیل نے ان کے اور دیگر تمام اصحاب کے ساتھ یکساں رویہ اختیار نہیں کیا، وہ اس طرح کہ انہوں نے جو قواعد تمام رواۃ کیلئے مرتب کئے تھے ان سے ابوہریرہ کو مستثنیٰ قرار دیا اور ان پر دوسروں کی طرح جرح و تنقید نہیں کی بلکہ ان کا شمار ان راست گو عادلوں میں کیا جن کی روایات میں شک و تردید نہیں ہونا چاہیئے انہوں نے ابوہریرہ کے وثوق میں اس مبالغے سے کام لیا کہ جن روایات کو انہوں نے سرکار رسالت مآب ﷺ کے دہن اقدس سے نہیں سنا بلکہ صحابہ اور تابعین سے نقل کیا ہے انہیں حکم "مرفوع" میں گردانا حالانکہ انھوں نے ان احادیث کے بارے میں نہ تو پیغمبر اکرم ﷺ سے سننے کی تصریح کی ہے۔ اور نہ ہی صحابہؓ و تابعین میں سے کسی کا نام لیا ہے۔ تاکہ ان کی حقیقت حال کو پرکھا جا سکے۔ ممکن ہے جس شخص سے ابوہریرہ نے نقل حدیث کی ہے اس نے حدیث کو براہ راست پیغمبر اکرم ﷺ سے نہ سنا ہو بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے نقل کیا ہو اسلیئے کہ صحابہ اور تابعین کا طریقہ یہ تھا کہ یہ تصریح کئے بغیر کہ انہوں نے حدیث کو کس سے سنا ہے ایک دوسرے سے نقل حدیث کیا کرتے تھے، اور تابعین کی بھی یہی حالت تھی۔ اکثر ایسا ہوتا کہ وہ روائت کو اپنے ہی ساتھیوں سے نقل کرتے جیسا کہ کعب الاحبار جو تابعی تھا اور اپنے ساتھیوں ہی سے نقل کیا کرتا تھا جیسا کہ صحابہ اس سے نقل حدیث کرتے کیوں کہ اس وقت کوئی اسناد حدیث کی پرستش نہیں کرتا تھا جیسا کہ مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: یہ علم دین ہے، اچھی طرح دیکھ بھال لو کہ تم اپنے دین کو کس سے لے رہے ہو، پھر اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس وقت لوگ اسناد حدیث کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے تھے، اور جب

فتنہ وقوع پذیر ہوا (یعنی قتل حضرت عثمانؓ کے بعد) تو یہ طریقہ عمل میں آیا کہ ناقلین حدیث سے کہا جانے لگا: رجال حدیث کے نام لو۔ ایسی صورت میں اگر بالفرض ابوہریرہ اپنی روایات میں سچے تھے تو یہ کیسے معلوم کہ ان سے بیان کرنے والا شخص بھی سچا ہی ہوگا؟ اس لئے کہ ہمیں اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے کیونکہ ابوہریرہ نے اس کا نام ہی نہیں لیا۔ ضمناً ہم یہاں ایک اہم سوال نقل کرتے ہیں جسے علامہ عراقی نے "ارسال" کی تنقیح میں اٹھایا ہے اور خود ہی اس کا جواب بھی دیا ہے۔ علامہ آغاز میں کہتے ہیں: "ارسال" سند سے کسی صحابی کو ہٹا دینا ہے اور جب صحابہ کل کے کل عدول ہیں لہٰذا ان کے نام لینے یا نہ لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر اس سلسلے میں اختلافات کیوں پیدا کئے گئے ہیں؟ اس کے بعد وہ خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں بے شک صحابہ عدول ہیں مگر وہاں جہاں مخالفت اور معارضت نہ ہو اور کبھی احتمال عیب و نقص کے سبب کسی کے بارے میں سکوت اختیار کرنا پڑتا ہے! ایسی حالت میں اس کی بیان کردہ حدیث سے اس وقت تک پرہیز لازم ہے جب تک وہ اس عیب و نقص سے مبرا نہ ہو جائے۔ اب ہم مجہول راوی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے استاد محمد عبدہ کے شاگرد محدث فقیہ رشید رضا کا بیان نقل کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں...

سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ اہل کتاب سے دریافت شدہ کسی حدیث کو بغیر نام راوی قبول کر لیا جائے اور یہ قول معروف کسی کو دھوکہ نہ دے کہ "مراسیل صحابہ حجت ہیں اور ان کی تردید شدہ روایات، مرفوع روایت کا حکم رکھتی ہیں اور جب یہ ثابت ہو جائے کہ ابوہریرہ کعب الاحبار سے روائت کیا کرتے تھے نیز یہ کہ ان کی بیشتر روایات "مرسلہ" ہیں[2] تو لازم ہے کہ ہر اس ناما نوس

۱۔ قواعد التحدیث، قاسمی۔ ص ۱۲۲ اور ۱۶۴

۲۔ اس عظیم دانشمند نے بیان کیا ہے کہ ابوہریرہ کی بیشتر روایات "مراسیل" ہیں اور بجا ہے اگر کوئی بعض محدثین کے اس قول پر مغرور نہ ہو کہ مراسیل صحابہ "حجت ہیں۔

حدیث میں جہاں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کے متعلق ان کی تصریح نہیں ہے "تامل کیا جائے۔ اس صورت میں اگر انکی روایات اسرائیلیات سے یا اس مانند ہوں تو اس بات کا احتمال ہے کہ انہوں نے اس کو کعب الاحبار سے لیا ہے اور یہی احتمال خود اس بات کیلئے کافی ہے کہ ایسا بیان جو سبب وقوع اشکال ہوا سے ہم پیغمبر اکرمؐ سے نسبت دے کر قبول نہ کریں[۲]۔

۱۔ سماع ابوہریرہ بھی مورد تردید ہے جس کی مثال "خدا نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا کیا" والی روایت ہے جس میں انہوں نے اس روایت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سننے کی تصریح کی ہے اور کہا ہے کہ اس وقت ان کا ہاتھ دستِ مبارک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھا در آں حالیکہ ائمہ حدیث متفق ہیں کہ انہوں نے اس روایت کو کعب الاحبار سے سنا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۲۔ المنار۔ ص ۹۹ ۔ ج ۱۹

رجال حدیث کی نقیض گوئی

رجال حدیث کی سچائی بھی عجیب و غریب ہے کیونکہ وہ اپنے ہی قواعد کی تطبیق میں تناقص کے قائل ہیں چونکہ وہ ابوہریرہ اور ان جیسے اصحاب کی روایات کو جنھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا گیا ہے حکم "مرفوع" میں شمار کرکے ان سے تمسک کرتے ہیں. مگر اس کے ساتھ ہی وہ اسی طرح کی غیر صحابہ سے نقل کی جانے والی روایات کو حکم مرسل میں جانتے ہیں حقیقتاً

رجال حدیث اپنے اس رویہ سے راویوں کو الگ الگ آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور ان کے امور کو دو مختلف ترازوئں میں تولتے ہیں اور کوئی ان سے یہ بھی نہیں پوچھتا کہ آخر ایسا کیوں ہے ؟ گویا اس بارے میں ان کے لئے خدا اور اس کے رسول کی جانب سے کوئی قطعی حکم جاری ہوا ہے جس سے وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں اس کی مخالفت نہ ہو جائے، اور بالفرض اگر ہم اس کو قبول بھی کرلیں کہ صحابہ کل کے کل عدول ہیں جب بھی خصوصیت کے ساتھ ابوہریرہ کے سلسلے میں جس کی تاریخ ہم پر واضح ہے اور ان پہ لگائی گئی تہمتوں کا ہمیں اچھی طرح علم ہے ہم یہ قبول نہیں کر سکتے کہ اس طرح کی مطلق عدالت میں انکو شامل کر لیا جائے یا ایسی عدالت ان کو چھو کر بھی گئی ہو. اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ انھیں رجال حدیث نے "تدلیس و ارسال" کو اسباب جرح و تعدیل سے جانا ہے[۱]. ایسی صورت میں اسی باعث ابوہریرہ پہ جرح کرنی چاہیئے تھی کیونکہ وہ تدلیس اور ارسال دونوں سے کام لیتے لیکن مقام افسوس ہے کہ رجال حدیث نے انھیں آزاد چھوڑ دیا تاکہ وہ جو چاہیں نقل کریں اور کسی نے بھی ان کی روایات پہ شک نہیں کیا اور نہ ہی ان پہ جرح کی ہے کیوں کہ وہ ایک جلیل القدر" صحابی ہیں ! اس گفتگو کے اختتام پہ اب ہم صحابہ اور غیر صحابہ پہ اپنے قواعد کی تطبیق کے سلسلے میں وہ حق بات نقل کرتے ہیں جس کی تصریح علماء کلام نے کی ہے اور جو ہماری بحث کی مؤید بھی ہے. انہوں نے کہا ہے[۲].

۱- جاننا چاہیئے کہ محدثین کے نزدیک اسباب جرح و تعدیل کا مدار پانچ چیزوں پر ہے. اوّل بدعت دوم مخالفت. سوم غلط. چہارم جہالت اور پنجم سند میں دعوای انقطاع اس طرح کہ راوی پر دعوی قائم کیا جائے کہ وہ تدلیس یا ارسال سے کام لیتا ہے. اور بحمد للہ شیخ المحدثین "ابوہریرہ" "تدلیس" اور ارسال دونوں سے کام لیتے تھے.

۲- کتاب تاویل مختلف الحدیث ابن قتیبہ - ص ۱۰ اور ۱۱

رجال حدیث کے انوکھے پن کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ انہوں نے یحیٰی بن معین علی بن المدینی (رجال جرح و تعدیل کے دو بزرگ) اور ان جیسے دیگر بزرگوں کی ایک شخص سے متعلق بدگوئی و عیب جوئی کو جھوٹ سے نسبت دی ہے اور اس کے بارے میں تمام محدثین کی موافقت کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے مگر احادیث ابوہریرہ کے بارے میں جس کی کسی صحابی نے موافقت نہیں کی ہے بلکہ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت عائشہؓ نے ان کی تکذیب کی ہے۔ حجت و دلیل لاتے ہیں۔

ابوھریرہ کی بنی امیّہ سے وابستگی

قبل اس کے کہ ہم ابوہریرہ کی بنی امیہ سے وابستگی اور ان کی پیروی اور طرفداری کے بارے میں کچھ لکھیں اور یہ بتائیں کہ انہوں نے کس لئے ان سے تعلقات استوار کر رکھے تھے اور کیوں انہوں نے اپنے آپ کو ان کے زیر سایہ قرار دیا تھا۔ ضروری ہے کہ چند مختصر الفاظ میں اس خاندان کی حقیقت کو آشکار کریں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کے

سلوک کو اس دن سے بیان کریں جب آپ نے اعلان رسالت فرمایا تھا کہ کس طرح انہوں نے ہر ممکن کوشش سے آپ کے مشن کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور آپ سے ہر دم برسرِ پیکار رہے نیز اس بات کی وضاحت کریں کہ اس خاندان کے بلائے عظیم اور گروہ ستم کار۔ کے رہبر معاویہ نے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے حق میں کس کس طرح کے ظلم و ستم روا رکھے یہاں تک کہ اس کا دل مکر و فریب و زہر کے ذریعے ان کی طرف سے مطمئن ہو گیا اور ساتھ ہی اہل حق و حقیقت پر اس کے ظلم و ستم کی اس داستان کو روشن کریں جس کے ذریعے اس نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور بتائیں کہ اس نے اور اس کے خاندان والوں نے مسلمانوں کی فرمانروائی سے کس کس طرح کے فوائد حاصل کئے اور کس طرح دست بدست حکومت بطور ارث ان کے تصرف میں آئی اور یہ کہ شورائے عادلہ نے کس طرح استبدادی سلطنت کا روپ دھار لیا، خاندان بنی امیہ کے ان تمام حالات اور ان کی حقیقت سے روشناس ہونے کے بعد استحکام سلطنت کے لئے زور شمشیر اور خزانے کے بل بوتے پر ان کی ترغیب و تحریص اور خوف و ہراس سے توسل کا سبب خود بخود آشکار ہو جاتا ہے۔

بنو امیہ اور خاص کر اس کے سربراہ ابو سفیان بن حرب کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خاندان والوں سے کینہ و عداوت کوئی ڈھکی چھپی یا نئی بات نہیں ہے جو ظہور اسلام کے بعد رونما ہوئی ہو، بلکہ اس کینہ و دشمنی کا تعلق بہت قدیم ہے جو عہد جاہلیت ہی سے ان کے سینوں میں بنی ہاشم کے خلاف چلی آ رہی تھی جس کے بے شمار اسباب تھے اور یہ کتاب اس تذکرے کی حامل نہیں جن شائقین مطالعہ کو اس پرانی دشمنی اور نزاع کے بارے میں تفصیل کے ساتھ معلومات فراہم کرنی ہوں انھیں چاہیئے کہ عظیم مورخ "مقریزی" کی تالیف "التنازع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم" کا مطالعہ فرمائیں۔

بنی امیہ کی طرف سے اس دشمنی کی آگ اس دن انتہائی شدت کیساتھ شعلہ ور ہوئی جس روز سرکار رسالت مآب نے اپنی دعوت کا اعلان فرمایا آپ سے دشمنی پر کمربستہ ہونے والی پہلی شخصیت ابو سفیان کی ذات تھی جس نے اس گناہ عظیم کے بوجھ کو جنگ و جدال کے ساتھ اپنے دوش پر اٹھایا۔ اس کی یہ دشمنی تقریباً ۲۰ سال کی طویل مدت یعنی روز فتح مکہ سنہ ۸ ہجری تک برقرار رہی۔ اس دن بھی بجز تسلیم کے اور کوئی چارہ نہ تھا اور اس نے اپنے باطنی میلان کے برخلاف کراہت کے ساتھ فقط زبان کی حد تک اسلام کی گواہی دی مگر اندر سے اس کا دل ایمان سے خالی تھا کیوں کہ جب دم رسالت مآبؐ نے اس اس سے سوال کیا: ابو سفیان کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم میرے رسول خدا ہونے کی گواہی دو" تو ابو سفیان نے کہا: ابھی یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی ہے حافظ مغرب ابن عبد البر نے " الاستیعاب " میں ابو سفیان کی تاریخ حیات پر گفتگو کرتے ہوئے اسے اچھی طرح رسوا کیا ہے، وہ لکھتے ہیں۔ ابو سفیان اسلام قبول کرنے کے بعد بھی منافقین کی پشت پناہی کرتا رہا۔ دور جاہلیت میں اس کا شمار زنادقہ میں ہوتا تھا، اس کی زندگی نابکاریوں سے توام تھی اور اس کا اسلام کسی طرح بھی درست نہ تھا۔ نیز یہ کہ ابو سفیان اور اسکا فرزند معاویہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر کہا تھا: جاؤ آج ہم نے تمہیں آزاد کیا" اور یہ بھی کہ ۱ابو سفیان " مولفۃ قلوبہم " میں شامل تھے یعنی اس کا شمار اس گروہ میں ہوتا تھا جسے مسلمان اس خوف سے اپنے صدقات کا ایک حصہ دیا کرتے تھے کہ وہ انکے ہاتھوں امن و امان میں رہیں یا پھر ان سے اسلام لانے کی امید وابستہ کی جاتی نہیں تو اسلام میں استواری کی آس ہی ان کا مطمح نظر ہوتا، مگر حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت

۱۔ الاستیعاب - ص ۷۰۹ اور ۷۱۰

میں اس قسم کے صدقات کی سختی سے ممانعت کردی اور کہا: "اب رشوت دینے کا زمانہ ختم ہوچکا، کیوں کہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ہے"۔ ذکر شدہ مفاہیم کے مطابق ابوسفیان اور معاویہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جن کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمک فقط اس لئے ہوتی کہ مسلمانوں کو ان کے آزار سے بچایا جائے کیونکہ بقول ابن عبدالبر" ان کا اسلام صحیح نہیں تھا" اسی سبب ابوسفیان، معاویہ اور اس خاندان سے متعلق ان کے پیروکار اپنے دلوں میں پیغمبر اکرم علیہ السلام کی دشمنی چھپائے پھرتے تھے اور ہر وقت انھیں آزار پہنچانے کے درپے تھے، ان کا یہ طرز سلوک برابر جاری رہا یہاں تک کہ اموی عہدہ دار خلافت حضرت عثمانؓ کا دور آپہنچا یہ وہ دور تھا جس میں بنی امیہ کو اپنی دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کے لئے بڑے اچھے مواقع ہاتھ لگے اور انہوں نے لوگوں پر تفوق حاصل کرنے کی پرانی خواہش اور تمام بلادِ عربی پر چھا جانے کی تمنا کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کردیں اور یہ چاہا کہ ان کا یہ تسلط "اموی اسلام" کے زیر سایہ ہو۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ کی سیاست اس بات کی مقتضی ہوئی کہ وہ بنی امیہ میں سے اپنے رشتہ داروں کو امور سلطنت میں شامل کرلیں لہذا انہوں نے اپنے بیشتر عمال بنی امیہ سے منتخب کئے جن میں سے ایک مروان بن حکم تھا جسے انھوں نے اپنا منشی اور امانت دار مقرر کیا۔ اور جس نے ان تمام چیزوں کو جنھیں اسلام نے برپا کیا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی کوششوں نے استوار کیا تھا جن میں قبائلی عصبیت سے جنگ اور تحکیم اتحاد عرب اس طرح شامل تھے کہ ان میں کسی تنازعہ یا پھوٹ کا عنصر باقی نہ رہا، یکسر ملیامیٹ کردیا۔ کیونکہ اموی حکومت کی بنیاد تمام عرب کی فرمانروائی نہ تھی بلکہ اس کا تعلق ایک مخصوص قبیلے اور گروہ سے تھا لہذا بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان دور جاہلیت کی قدیم دشمنیاں پھر عود کر آئیں حضرت عثمانؓ نے معاویہ کے دائرہ نفوذ میں وسعت پیدا کی اور انھیں تمام بلاد شام کا والی مقرر کیا جبکہ وہ حضرت عمرؓ کی جانب سے، تنہا شام اور اس کے گرد و نواح

کے مختصر سے حصے پر والی مقرر کئے گئے تھے[1]۔ قتل حضرت عثمانؓ کے بعد معاویہ نے اپنے دل میں چھپے ہوئے اموی کینہ کو آشکار کیا اور جس طرح ابوسفیان نے رسول خدا صَلَّی اللهُ عَلَیهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے سلوک کیا تھا بالکل اسی طرح اسنے بھی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ سلوک کیا اس طرح کہ ہمیشہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف لوگ لوگوں کو بھڑکاتا رہا اور انسے برسرپیکار رہا یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام ناگہانی طور پر شہید کر دیئے گئے آپ کے بعد اب حضرت امام حسن علیہ السلام کی باری تھی جنھیں اسنے زہر کے ذریعے شہید کیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یزید نے جگر گوشہ رسول مقبول حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اور ان کی طرف سے آسودہ خاطر ہوگیا۔ معاویہ نے تخت سلطنت پر تسلط پانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ اپنے عمال کو خطوط کے ذریعے مطلع کیا کہ حضرت علی علیہ السلام پر ہر نماز میں اور تمام منابر پر لعن کیا جائے[2]۔ اہلبیت اور ان کے پیروکاروں میں سے کسی کی شہادت قبول نہ کی جائے اور حضرت علی اور انکے فرزندوں کے دوستوں کا نام دیوان سے محو کر کے ان کے عطایا اور ارزاق کو بند کر دیا جائے اور بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بھی اس سلسلے

۱۔ حضرت عمر کے زمانہ میں جب دمشق فتح ہوا تو اس پر معاویہ کے بھائی یزید بن ابوسفیان کی حکومت تھی جو ام حبیبہؓ زوجہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی بھی تھے۔ یزید بن ابوسفیان عقلائے عرب میں ہوتا تھا سنہ ۱۸ ہجری کے طاعون کا شکار ہوا۔ حالت احتضار میں اسنے اپنے بھائی معاویہ کو اپنا جانشین بنایا اور پھر حضرت عمرؓ کی جانب سے احترام یزید میں اسکا نفاذ عمل میں آیا۔ (کتاب سیر اعلام النبلاء — ص ۲۳۷ اور ۲۳۸ - ج ۲)

۲۔ یہ پست و ناپسندیدہ روش اسی طرح برقرار رہی یہاں تک کہ ۹۹ سے ۱۰۱ صدی ہجری کے درمیان عمر بن عبدالعزیز خلیفہ عادل خلافت پر مامور ہوئے۔ یہاں، یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بھی زہر دے کر مارا گیا کیونکہ وہ امویوں کی روش کے خلاف حکومت کر رہے تھے اور ان کا طرز عمل اسلام سے قریب تھا۔

میں معاویہ کی معاونت اور پشت پناہی کی[1]۔ چونکہ حضرت عائشہؓ کو حضرت علی علیہ السلام سے حدیث افک[2] کے سلسلہ میں دشمنی تھی اور پھر یہ بھی کہ آپ ان کی سوکن حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی صاحبزادی کے شوہر تھے اور حضرت عائشہؓ کو حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد بھی لاتنے جلایا تھا۔ یہ تمام امور اس وقت رونما ہوئے جب لوگوں نے صحیح طور پر حضرت علی علیہ السلام سے رجوع کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معاویہ کا آپ سے طرز سلوک وہی تھا جسے ہم نے بیان کیا۔ اسی بنا پر تمام پیشوایان اہل سنت

۱۔ تعجب اس بات پر ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ ہی وہ پہلی ہستی تھیں، جنھوں نے حضرت عثمانؓ کے ناپسندیدہ اعمال پر بگڑتے ہوئے کہا تھا: "یہ رسول کا پیراہن ہے جو ابھی بوسیدہ نہیں ہوا اور آپ کا دین روز بزوال ہے۔" وہ یہ بھی کہا کرتی تھیں "اس نعثل" بڈھے کھوسٹ بجو"۔ . . . . نے حضرت علی علیہ السلام سے صحیح معنوں میں بیعت کی تو یہی حضرت عائشہؓ تھیں جنھوں نے کہا: "مجھے اس بات کی پرواہ نہیں کہ آسمان زمین پر گرے" اور پھر اس کے بعد انہوں نے جنگ کی آگ کو طلحہ اور زبیر کی مدد سے بھڑکایا۔ الخ۔

۲۔ حدیث افک کی داستان کو مرحوم طبرسی نے مجمع البیان میں "ان الذین جاؤ و بالافک" آیت کے ذیل میں تفصیل سے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جب کبھی کسی سفر کا ارادہ کرتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے اور جس کسی کے نام قرعہ نکلتا آپ اس کو اپنا شریک سفر بناتے۔ ایک غزوہ (غزوہ بنی المصطلق) میں قرعہ میرے نام نکلا۔ سفر سے لوٹتے ہوئے نواح مدینہ میں ایک جگہ ہم نے پڑاؤ ڈالا۔ کوچ سے کچھ دیر پہلے میں قضائے حاجت کے لئے دور نکل گئی جب واپس لوٹی تو میں نے دیکھا میرا گلوبند غائب ہے۔ میں اس کی جستجو میں واپس لوٹی۔ تلاش میں دیر ہو گئی اور جب

(۴) میں اسے ڈھونڈ کر واپس آئی تو میں نے دیکھا قافلہ جا چکا تھا اور میرے ہودج کو یہ سمجھ کر کہ میں اس میں موجود ہوں اونٹ پر چڑھا کر لشکر نے روانگی اختیار کر لی تھی۔ ایسے وقت میں جب کہ بیابان ہر ذیحیوات سے خالی تھا نیند نے مجھ پر غلبہ کیا۔ صفوان بن معطل السلمی نے جو قافلہ کے پیچھے پیچھے آرہے تھے مجھے اس حال میں دیکھا۔ جب میں بیدار ہوئی تو میں نے فوراً اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ صفوان نے ایک لفظ زبان سے نکالے بغیر اپنے اونٹ کو بٹھایا اور مجھے سوار کر کے خود اونٹ کو ہنکاتا ہوا قافلہ تک پہنچا، انھیں دنوں میں ایک شدید بیماری میں مبتلا ہوئی اور لوگوں نے جن میں عبداللہ بن سلول بھی تھا میرے بارے میں باتیں بنائی شروع کیں۔ مگر لوگوں کے موضوع بحث سے متعلق مجھے قطعاً کوئی علم نہ تھا، فقط جو بات میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ پہلا سا سلوک میرے پاس آکر سلام کرتے اور حال احوال پوچھ کر چلے جاتے یہاں تک کہ ایک شب کو میں اپنی خالہ زاد بہن ام مسطح کے ساتھ جا رہی تھی کہ اچانک اس کا پیر لڑکھڑایا اور وہ زمین پر گر گئی اور مسطح کو کوسنے لگی۔ میں نے اس سے کہا کہ جنگ بدر میں حصّہ لینے والے صحابی کو کیوں گالیاں دے رہی ہو تو اس نے کہا کہ کچھ نہ پوچھو کہ اس نے تمہارے لئے کیا کیا باتیں بنائی ہیں اور داستان انک کو میرے لئے نقل کیا اور اس کے بعد سے میری بیماری نے اور بھی شدت اختیار کر لی۔ پھر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لیکر اپنے باپ کے گھر گئی اپنی ماں سے اس پریشانی کا تذکرہ کیا۔ میری ماں نے مجھے دلاسہ دیا اور برابر میری دلداری کرتی رہیں۔ ان دنوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے بارے میں اسامہ بن زیدؓ اور حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام سے مشورہ فرما چکے تھے "اسامہ" نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواب میں کہا تھا کہ حضرت عائشہؓ آپ کی اہلیہ ہیں اور ہم نے ان سے بجز اچھائی اور کچھ نہیں دیکھا مگر حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا تھا: اگر آپ اتنے فکرمند ہیں تو بلا سبب اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔ عورتیں بہت ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت عائشہؓ کی کنیز "بریرہ" سے بھی ان کے بارے میں معلومات فراہم کیں "بریرہ ایک راست گو عورت تھی۔ آپ نے بریرہ کو طلب فرما کر اس سے پوچھا: بریرہ تم نے عائشہؓ کے بارے میں کوئی ایسی چیز

سے کام لیا۔ اور یہ ستمگاری اس حد تک بڑھی کہ اس نے خوفناک خونریزی، فتنہ و فساد اور گناہوں کی فراوانی کو جنم دیا جس کے شر سے آج تک مسلمان محفوظ نہ رہ سکے اور شاید ان شرور و فتن کا سلسلہ یوں ہی قیامت تک برقرار رہے۔ معاویہ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسلام میں شوریٰ کی اہمیت کا خاتمہ کر دیا۔ اور پھر اپنی طاقت کے بل بوتے پر اپنے فرزند یزید کے لئے لوگوں سے بیعت کا طلبگار ہوا اور آخر الامر اخذ بیعت کے بعد ان کی پائیداری کے لئے مختلف طریقوں سے ایجاد خوف و ہراس پھیلانے تطمیع و ترغیب کے ذریعے لوگوں کو ہتھیلنے پر

دیکھی ہے جس سے تمہارے دل میں ان کے لئے کوئی شک پیدا ہو گیا ہو؟ بریرہ نے کہا: اس خدا کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں نے ان سے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی بجز اس کے کہ وہ ایک جوان اور ناپختہ عورت ہیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں خدا سے چاہتی تھی کہ خواب یا کسی اور ذریعے سے یہ بات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر روشن ہو جائے مگر میں یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ میری برائت میں کوئی آیت نازل ہو اور جب آیہ افک میری برائت میں نازل ہوئی تو سرور کائنات میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ عائشہؓ تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ خداوند تبارک و تعالیٰ نے تمہاری ان تہمتوں سے برائت کے سلسلے میں آیت نازل کی ہے یہ سن کر میری ماں نے مجھ سے کہا اٹھو اور اٹھ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اظہار سپاسگذاری کرو۔ میں نے ان سے کہا: "میں خدا کے سوا کسی کی سپاسگذار نہیں بنتی اس لئے کہ اسی نے میرے لئے یہ آیت نازل کی ہے۔

۱۔ اکابر علمای جرمن میں سے ایک دانشمند نے شرفای مکہ کی ایک شخصیت کے حضور ایک مسلمان سے کہا تھا: حقیقتاً ہمیں چاہیے کہ ہم معاویہ بن ابوسفیان کے مجسمے کو اپنے پایہ تخت برلن کے کسی میدان میں نصب کریں اور جب اس سے پوچھا گیا کہ آخر کیوں اور کس لئے؟ تو اس نے کہا: کیوں کہ معاویہ وہ ہستی ہے جس نے اسلامی نظام حکومت کو ڈھا کر اسی سے دوبارہ قومی عصبیت کی طرف لوٹایا اور اگر یہ کام معاویہ کے ہاتھوں انجام نہ پاتا تو آج دنیا کا چپہ چپہ اسلام کے زیر اثر ہوتا اور اس وقت ہم اہل جرمن تمام یورپی اقوام کے ساتھ مسلم عرب ہوتے (کتاب الوحی المحمدی۔ ص ۲۳۲)

مجبور ہوا[۱]۔ جو بھی اس کام میں اس کا معارض بنتا وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا. جیسے حسن بن علی علیہ السلام، عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید زہر سے شہید کر دیئے گئے اس کے علاوہ حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کو تلوار سے تہ تیغ کیا گیا اور جو بھی اس راہ میں اس کا ہمگام ہوتا اور اس کی حکومت سے اظہار خوشنودی کرتا وہ اس کے انواع و اقسام کے عطایا اور بخششوں سے بہرہ ور ہوتا اور اونچا مقام پاتا، جس طرح ابوہریرہ، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص اور دیگر افراد اس کی مہربانیوں کا سبب بنے۔ اختتام بحث پر ہم معاویہ کے بارے میں حسن بصری کی ایک جامع گفتگو کو جسے انہوں نے بربنائے روایت طبری لکھا ہے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: معاویہ سے

۱۔ جس دم لوگ یزید سے بیعت کے لئے معاویہ کے اطراف جمع ہوئے تو خطباء باوجود عدم رضایت لوگوں کی جانب سے کھڑے ہو کر خطبے دینے لگے، ایسے میں یزید بن مقنع نامی ایک شخص اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور اپنی تلوار کو کسی قدر نیام سے باہر نکال کر معاویہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: امیر المومنین یہ ہے اور پھر یزید کی طرف اشارہ کر کے کہا اور اگر مر دیہ ہے تو پھر اس سے مخالفت کرنے والے کے لئے یہ ہے اور اشارہ اپنی تلوار کی طرف کیا. یہ دیکھ کر معاویہ نے کہا: درحقیقت تم سید خطباء ہو (کتاب البیان والتبیین۔ ص ۳۰۰) کتنی مضحکہ خیز بات ہے اگر آج کی دنیا میں معاویہ کا کوئی سر سخت حامی پیدا ہو کر یہ کہے معاویہ "مہدی" ہے اور اہل شام کے لئے اس کا وہی مرتبہ ہے جو مالک کا اہل مدینہ کے لئے تھا اور اس کے لئے اس طرح کی ایک روایت بھی نقل کرے جو خود اس کی طرح بے بنیاد ہو کہ: پروردگار احساب وکتاب اسے تعلیم فرمایا اور اس کے حق میں اپنے عذاب سے درگذر فرما اور اسے بہشت بریں میں داخل کر"۔

—— پھر یہ بھی کہا جائے کہ جو کوئی اس حدیث کو نہ مانے وہ اسلام کے تمام قوانین کا منکر ہے اس کے بعد یہ بھی فرماتے ہیں کہ معاویہ کے صحابہ اور حوالی ان کے لباس کو تبرک کے طور پر ان سے لے جاتے تھے۔ العجب ثم العجب۔

چار عمل سرزد ہوئے جن میں سے تنہا کسی ایک کا ارتکاب ہی عظیم ترین معاصی کا موجب تھا۔ پہلا یہ کہ سفہاء اور بے خرد لوگوں کو اس امت پر مسلّط کیا اس طرح کہ لوگوں کے امور کو اُن کے ہاتھوں سے بغیر مشورت لئے چھین لئے حالانکہ ابھی بقایای صحابہ اور صاحبان فضیلت امت کے درمیان کثرت سے موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ اس نے اپنے شرالجواد فرزند یزید کو جو دائم الخمر تھا اور ریشمی لباس زیب تن کرتا تھا نیز یہ کہ تار و طنبور سے بھی شغف رکھتا تھا اپنی خلافت پر مخصوص کیا۔ تیسرے یہ کہ زیاد کے لئے مدعی ہوا کہ وہ اس کا بھائی ہے جبکہ پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمْ نے فرمایا تھا الولد للفراش و للعاہر الحجر" چوتھا عمل حجر بن عدی اور ان کے اصحاب کا قتل تھا۔"

عوام الناس
اور
معاویہ

معاویہ کی نسبت سے عوام الناس تین گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ایک گروہ ان مردان خدا کا تھا جو بیباک تھے اور حق کی حمایت اور اللہ کی نصرت میں کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جو غیر جانب دار تھے اور جنھوں نے ظالموں سے جنگ کی بھاری ذمہ داری اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اوامر الٰہی سے اپنے آپ کو سبکدوش کر رکھا تھا جن میں عبداللہ بن

عمرؓ[1]، محمد بن مسلمہؓ اور دیگر بے شمار لوگ شامل ہیں، تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو معاویہ کے پیرو کار تھے اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اسے خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کی ضد پر اس کی مدد کرتے تھے خواہ وہ مدد جھوٹی روایات کے ذریعے کیوں نہ رونما ہو جس میں اس کا اور اس کے خاندان والوں کا مرتبہ بڑھا کر اور حضرت علی علیہ السلام کی منزلت کو گھٹایا جاتا تھا، جیسے احادیث ابوہریرہ اس کے علاوہ نکرز) کمک بہم پہنچانے والے بھی اس گروہ کے ارکان ہیں جنھوں نے مکر و فریب کو اپنا رکھا تھا جیسے عمرو بن العاص اور اس کا لڑکا عبداللہ بن عمروؓ[2] اس کے علاوہ مغیرہ بن شعبہ، ابوموسی الاشعری اور یعلی بن امیہ کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے۔ ان تمام افراد کے ساتھ کوئی نہ کوئی غرض وابستہ تھی جس کی تعقیب میں وہ لگے رہتے تھے۔

اب ہم پہلے گروہ کے بعض افراد کی شرح زندگی کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو کرنا چاہتے ہیں جنھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خاطر

۱۔ عبداللہ بن حبیب ناقل ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے مرتے وقت کہا: مجھے اپنے دنیاوی امور میں کسی عمل پر کوئی پریشانی لاحق نہیں ہے مگر یہ کہ میں نے ظالموں کے ساتھ جنگ میں علی کی مدد کیوں نہ کی (کتاب الاستیعاب ابن عبدالبر۔ ص ۳۸۱۔ ج ۱)

۲۔ ابن ملیکہ ناقل ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ کہا کرتے تھے۔ "آخر مجھے صفین اور مسلمانوں کے کشت و خون سے کیا سروکار تھا کاش میں اس واقعے سے بیس سال قبل مر گیا ہوتا۔ اور مجھے یہ جنگ نہ دیکھنی پڑتی۔ اب میں اپنے کئے پر پشیمان ہوں اور بارگاہ احدیت سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں۔ جنگ صفین میں عبداللہ بن عمروؓ، معاویہ کے پرچم دار تھے مگر بعد میں انھیں اپنے کئے پر بڑی ندامت تھی اور ہر وقت استغفار کیا کرتے تھے۔)

(کتاب الاستیعاب۔ ص ۳۸۲ اور ۳۸۳۔ ج ۱۔)

قیام کیا ان میں سے بیشتر افراد وہ تھے جنھوں نے تلوار اٹھائی اور برسرِ پیکار ہوئے ایسے افراد کی تعداد نہ یادہ بلکہ غیر قابل احصاء تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جن بزرگوں نے معاویہ کے خلاف شورش کی ان میں عبادہ بن الصامت الخزرجی بھی تھے جن کا شمار روسای انصار میں ہوتا تھا۔ اس لئے معاویہ نے برہم ہوکر ایک خط حضرت عثمانؓ کو لکھا اور کہا: اب کوئی کسر باقی نہیں رہی کہ عبادہ شام کی فضا کو خراب کر کے میرے خلاف شورش بپا کریں۔ اور اتفاق کی بات یہ ہے کہ عبادہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی معاویہ سے اُلجھے اور کہا:۔ جس سرزمین پر تم رہتے ہو میں وہاں رہنا پسند نہیں کرتا اور یہ کہہ کر انہوں نے مدینہ کا رخ کیا اور جب حضرت عمرؓ نے انھیں دیکھا تو کہا: عبادہ تم شام چھوڑ کر یہاں کیوں چلے آئے؟ عبادہ نے معاویہ کے تمام کرتوت شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: واپس جاؤ، برباد ہو وہ سرزمین جس پر تم اور تم جیسے افراد نہ ہوں۔ معاویہ کی تم پر کوئی حکمرانی نہیں ہے۔ یہ ہے وہ مقام جہاں ہمیں سوچنا پڑتا ہے کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ میں کتنا فرق اور فاصلہ تھا۔ ہم آئندہ صفحات میں عبادہ کا ایک اور واقعہ نقل کریں گے۔

معاویہ کے مدِمقابل آنے والی ایک اور ہستی ابوذر غفاریؓ کی ہے جنکے بارے میں جناب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "زیرِ آسمان اور روی زمین پر ابوذرؓ سے زیادہ سچا کوئی نہیں ہے۔ اور جب معاویہ کے بارے میں حضرت ابوذر غفاری کی سختی انتہا کو پہنچی تو معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ: ابوذر نے شام کی فضا کو میرے لئے تاریک بنا دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: اسے سخت ترین وسیلہ کے ساتھ ہمارے پاس بھیجو: معاویہ نے ایسا ہی کیا اور انھیں چند افراد کی نگرانی میں مدینہ روانہ کیا اور تاکید کی کہ دن اور رات مسلسل سفر میں رہیں۔

۱۔ کتاب اعلام النبلاء ذہبی۔ ص ۲۔ ج ۳

اور انھیں کہیں آرام کرنے کا موقع نہ دیا جائے، ابھی ابوذر مدینہ نہ پہنچے تھے کہ سختی راہ سے ان کی تمام رانیں چھل گئیں اور وہ قریب المرگ ہوگئے اور جب حضرت عثمانؓ کے روبرو آئے اور ان سے معاویہ کے طرز عمل کی تشریح کی تو حضرت عثمان نے حکم دیا کہ پیغمبرؐ کے اس سچے رفیق کار کو ربذہ شہر بدر کیا جائے[1]۔ ابوذر ربذہ میں رہے یہاں تک سنہ ۳۲ یا ۳۳ میں آپ کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہ۔

سعد بن ابی وقاص کا شمار بھی اسی گروہ میں ہوتا ہے کہ جب معاویہ کے روبرو آئے تو انھیں امیر المومنین کے عنوان سے سلام نہیں کیا۔ معاویہ نے کہا: سعد امارت مومنین کے عنوان سے مجھے سلام کرنے میں کیا چیز حارج ہوئی تو سعد نے کہا: ہم مومن ہیں اور ہم نے تجھے اپنا امیر مقرر نہیں کیا ہے اور اگر تم اپنی اسی امارت پر خوش ہو تو خدا کی قسم مجھے یہ بالکل پسند نہیں کہ اس طرح کی امارت رکھ کر اس کی راہ میں کسی کا ایک قطرہ خون بھی بہاؤں، اور مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا: ابوترابؑ کو "سب" کرتے میں تمہیں کیا چیز مانع ہے۔ سعد نے کہا: میں ہرگز ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ مجھے یاد ہے کہ پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کے بارے میں تین باتیں کہی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی میرے لئے ہوتی تو میں اپنے آپ کو خوش نصیب ترین انسان تصور کرتا اور وہ میرے لئے ہر سرمایہ سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ میں نے پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو لشکر کشی کے ایک موقع پر جب آپ حضرت علی کو اپنا جانشین مقرر کر رہے تھے یہ کہتے ہوئے سنا: کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہو جو ہارونؑ کو

۱۔ ربذہ شرقی مدینہ میں ایک گاؤں ہے جو مدینہ سے تین دن کی مسافت پر واقع ہے اور عراقی حاجیوں کی راہ میں پڑتا ہے۔ حضرت ابوذر کی قبر مبارک بھی وہیں موجود ہے۔

موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا: اس کے علاوہ میں نے خیبر کے دن پیغمبر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: آج میں علم اس کو دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور رسول بھی اس کو دوست رکھتے ہوں گے۔" یہ سن کر ہم نے اپنی گردنوں کو بلند کیا تاکہ دیکھ سکیں۔ یہ اعزاز کس کو ملتا ہے پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: علی کو بلاؤ" اور جب چند لمحوں بعد آپ دکھتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ حاضر ہوئے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم آپ کو عطا فرمایا اور آپ اس لڑائی سے فتحمند واپس لوٹے اور تیسرا موقع وہ تھا جب آیت: تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا۔۔۔ الخ (سورہ آل عمران آیت ۶۱) کا نزول عمل میں آیا تو حضرت ختمی مرتبتؐ نے علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کو پاس بلایا اور فرمایا" خداوندا یہ ہیں میرے اہل بیت" اور یہ بات آپؐ نے ان ہستیوں پر دامنِ کسا ڈال کر کہی تھی، سلام اللہ علیہم جمیعا۔

جسدم معاویہ مدینہ میں وارد ہوا اور ابوقتادہ انصاریؓ اسکی ملاقات کو گئے تو معاویہ نے ان سے کہا: سب لوگ مجھ سے ملنے آئے بجز تمہارا گروہ انصار آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ابوقتادہ نے جواب دیا۔ ہمارے پاس سواری کے مرکب نہیں ہیں۔ معاویہ نے کہا: وہ تمہارے پانی لادنے والے اونٹ کیا ہوئے؟ ابوقتادہ نے جواب دیا ہم نے ان سب کو جنگ بدر میں تم اور تمہارے باپ کے ساتھ لڑنے میں تلف کر دیا۔ معاویہ بولا: ابوقتادہ ٹھیک کہتے ہو، اس دن ابوقتادہ کی معاویہ کے ساتھ جو گفتگو عمل میں آئی وہ یہ تھی کہ:

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آپ کے بعد ہم آفتوں میں گرفتار ہوں گے۔ معاویہ نے کہا: ایسی صورت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں کیا مشورہ دیا۔ ابوقتادہ نے جواب دیا۔ آپ نے صبر کرنے کی

۱۔ الاستیعاب (ہندوستان کی طباعت شدہ) ص ۱۶۱ ۔ ج ۱

تلقین فرمائی۔ معاویہ نے کہا۔ پھر تم اسی طرح صبر کرتے رہو جب تک کہ اُن سے ملاقات نہ ہو جائے۔

نیز یہ کہ حکم بن عمرو الغفاری[۱] جنھیں حکم بن الاقرع بھی کہا جاتا تھا زیاد کی طرف سے والیِ خراسان تھے۔ زیاد نے اس مضمون پر مشتمل ایک خط ان کو لکھا کہ: امیر المومنین معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ میں کل کا کل زر و سیم اکھٹا کر کے اس کے پاس بھیج دوں۔ لہذا آج سے تم لوگوں کے درمیان کچھ بھی تقسیم نہ کرنا۔ حکم نے اس کے جواب میں لکھا۔ "تمہارا امیر المومنین کے حکم پر مبنی ارسال زر وسیم سے متعلق خط موصول ہوا مگر میں نے اللہ کی کتاب کو امیر المومنین کے خط سے پیشتر پڑھ لیا ہے خدا کی قسم اگر زمین و آسمان کے دروازے کسی پر بند ہوں اور وہ شخص پرہیز گاری کو اپنائے اور اس پر ثابت قدم رہے تو خدا وند عالم اس کے لئے ایک نئی راہ کھول دیتا ہے، والسلام"۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو خبردار کیا کہ اپنے اموال و حقوق لینے کے لئے آمادہ رہیں اور ساتھ ہی جو کچھ اس کے پاس تھا اسے بھی لوگوں میں تقسیم کر دیا اور کہا خداوندا اگر میں نیکو کار لوگوں میں شمار ہوتا ہوں تو مجھے آج کے بعد زندہ نہ رکھ۔ اور کچھ عرصہ بعد خراسان میں کسی مرض کا شکار ہو کر چل بسا۔ یہ تھے نامی و برجستہ افراد رحمہم اللہ و رضی عنہم۔

علاوہ ازیں ایک دن معاویہ نے طعنہ دیتے ہوئے اسامہ بن زید سے کہا خدا رحمت کرے۔ ام ایمن پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی میں اس کی دونوں پنڈلیوں کو دیکھ رہا ہوں جو شتر مرغ کی طرح تھیں۔ اسامہ نے اس کے جواب میں کہا: بخدا وہ ہند (مادر معاویہ) سے بہتر تھی اور محترم تر بھی معاویہ نے تعجب سے پوچھا محترم تر بھی؟ اسامہ نے کہا: ہاں خدا وند عالم فرماتا ہے۔

۱۔ الاستیعاب، ص ۱۱۹ ۔ ج ۱

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (سورہ الحجرات آیت ۱۳) [1]

معاویہ نے خطباء کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ منبر پر حضرت علی علیہ السلام کو "سب" کریں۔ ایک دن احنف بن قیس جو اس کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے اس بارے میں معاویہ سے الجھ پڑے اور بات زیادہ بڑھ گئی معاویہ نے ان سے کہا اب اگر یہی بات ہے تو تمہیں بھی منبر پر جا کر علی کو بُرا کہنا ہوگا۔ احنف نے احتراز کیا اور جب دیکھا کہ معاویہ کو اس بات پر اصرار ہے تو انہوں نے کہا: کہ میں منبر پہ جا کر اچھی طرح تمہارے بارے میں تضاوت کروں گا، معاویہ نے پوچھا: تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ احنف نے جواب دیا: منبر پر جا کر خدا کو اس طرح پکار کر کہونگا: خداوندا تو اچھی طرح جانتا ہے کہ علی علیہ السلام اور معاویہ کو ایک دوسرے سے اختلاف تھا اور آپس میں جنگ و جدال رکھتے تھے۔ خداوندا تو، تیرے فرشتے اور تمام پیامبر لعنت کریں اس پر جسنے دوسرے کے حق میں ستم کیا۔ اور لوگوں سے کہونگا کہ تم آمین کہو۔ معاویہ کھسیانا ہوا اور لعاب دہن حلق سے اتارتے ہوئے کہنے لگا۔ احنف جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔

اس موضوع پر ہم اس سے زیادہ بحث کرنا نہیں چاہتے کیونکہ اس قسم کے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے اور تاریخ کی کتابیں ان کے تذکروں سے بھری پڑی ہیں۔ جن میں مردوں کے علاوہ عورتیں بھی شامل ہیں: جیسے: سودہ بنت عمارہ، بکارہ الہلالیہ، زرقا، بنت عدوی، ام اسنان بنت خیثمہ، عکرشہ الاطرش وغیرہ وغیرہ جن کی تعداد غیر قابل شمار ہے۔

اب ہم تیسرے گروہ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو معاویہ کے ساتھ مل کر اس کی مدد کیا کرتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ اسی گروہ کا ایک فرد

---

[1] انساب الاشراف بلاذری۔ ص ۴۷۵۔ ج ۱۔ ام ایمن حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ اور اسامہ کی والدہ تھیں۔

تھا جس کو معاویہ نے کوفہ کا والی مقرر کر کے کہا تھا "مجھے بہت کچھ تم سے کہنا تھا مگر تمہاری عقل پر بھروسہ کر کے ان کے تذکرے سے صرف نظر کرتا ہوں البتہ چند باتیں ایسی ہیں جن کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ علی علیہ السلام کی برائی اور بدگوئی سے مطلق دریغ نہ کرنا۔ دوسرے یہ کہ ہمیشہ حضرت عثمانؓ کے لئے طلب مغفرت کرنا اور ان پر رحمت بھیجنا، تیسرے یہ کہ ہمیشہ اصحاب علی کی عیبجوئی کرنا اور انھیں اپنے سے دور رکھنا۔[1]

عمر بن عاص کا شمار بھی اسی زمرے میں ہوتا ہے جسنے اپنے لڑکے عبداللہ بن عمرو کے ساتھ تلوار کے ذریعے معاویہ کی یاوری کی۔ عمرو نے اپنی چالاکی اور مکاری کے ساتھ جو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی معاویہ کی ہر طرح مدد کی حتیٰ کہ علی اور آل ابوطالب علیہم السلام کی مذمت میں جعلی حدیث تک سے دریغ نہیں کیا۔ یہاں ہم فقط ایک حدیث پر اکتفا کرتے ہیں جسے شیخین نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ: عمر بن عاص بیان کرتا ہے کہ میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آشکار سنا کہ آپ فرمارہے تھے: آل ابوطالب میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرے دوست خدا اور مومنین صالحین ہیں۔

عروہ بن زبیر کا تعلق بھی اسی گروہ سے ہے یہاں بھی ہم فقط ان کی دو حدیثوں کو بیان کرنا چاہتے ہیں جسے انھوں نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے۔ پہلی حدیث یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: میں رسول خدا کے پاس تھی کہ ایسے میں عباسؓ اور علی علیہ السلام وارد ہوئے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں دیکھکر فرمایا عائشہؓ یہ دونوں افراد میری قوم یا میرے دین سے ہٹ کر مریں گے۔ دوسری حدیث یوں ہے کہ: حضرت عائشہؓ نے کہا: "خثعمی مرتبت

---

[1] تاریخ طبری کے صفحہ ۱۰۸ جلد ۶ سنہ ۵۱ ہجری کے واقعات اور تاریخ ابن اثیر صفحہ ۲۰۲ جلد ۳ کا مطالعہ فرمائیں۔

نے مجھ سے فرمایا اگر تم اہل دوزخ کے دو افراد کو دیکھ کر خوش ہونا چاہتی ہو تو دیکھو ان دونوں کو جو آرہے ہیں۔ میں نے نگاہ اٹھائی تو دیکھا عباس اور علی علیہ السلام آرہے تھے نعوذ باللہ من ذلک وتعالی اللہ ورسولہ من ذلک البہتان العظیم،

یہ ہیں اس عظیم گروہ کے وہ چند افراد جنھیں ہم نے بطور مثال پیش کیا ہے۔ اور جن کا کام ہی یہ تھا کہ معاویہ کو اپنی زبان اور روایات کے ذریعے جنھیں وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیا کرتے تھے۔ کمک پہنچاتے رہیں۔ اگر ہم اس قسم کی سب باتوں کا تذکرہ کرنا چاہیں تو اس کی داستان کافی طویل ہوگی۔ جن لوگوں نے تلوار کے ذریعے معاویہ کی مدد کی۔ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے جن میں کمال تاسف کے ساتھ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ بھی کثرت سے موجود تھے بہرحال اس گروہ کا شمار بھی ناممکن ہے۔ مذکورہ مطالب کے تذکرہ اور اس مقدمہ کی مختصر تمہید کے بعد اب ہم دوبارہ اپنی موضوع بحث یعنی بنی امیہ کے ساتھ ابوہریرہ کی دوستی اور ان کی پیروی کی طرف واپس لوٹتے ہیں۔

ابوھریرہ اور معاویہ کی پیروی

ابوہریرہ کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ انہوں نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ان کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مصاحبت فقط پیٹ کی بناء پر تھی اور یہ کہ صفہ کو پناہگاہ بنانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ وہاں لوگوں کے بچے ہوئے اموال اور صدقات سے ارتزاق کریں۔ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات ابوبکر و عمر کے زمانے میں گمنامی

کی زندگی بسر کی مگر اواخر عہد حضرت عمرؓ میں جس وقت بحرین کی ولایت کے عہدہ دار بنے تو انہوں نے قابل توجہ سرمایہ اکٹھا کیا۔ یہی وقت تھا جب وہ گوشہ گمنامی سے نکل کر لوگوں میں ظاہر ہوئے اور جس وقت حضرت علی اور معاویہ کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکی یا دوسرے الفاظ میں ہاشمی اور اموی خاندان میں بجھی ہوئی جنگ کی وہ آگ جو ختمی مرتبتؐ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں انکے زور و طاقت کی بناء پر بجھ چکی تھی دوبارہ روشن ہوئی اور اواخر عہد حضرت عثمانؓ سے مسلمان مختلف دستوں اور فرقوں میں بٹنے لگے تو ابوہریرہ بھی بمقتضای طبع و ہوای نفس معاویہ کی طرف جھک گئے کیونکہ اس کی طرف مال دنیا، خوشحالی اور اسباب عیش و نوش کے وہ تمام سامان فراہم تھے جو حضرت علی کی طرف نہ تھے۔ اس کے برعکس آپ کے پاس زھد و تقوی کا وہ سرمایہ تھا جس کا کوئی خریدار نہ تھا۔ ابوہریرہ تو یوں بھی ان امور سے بیزار تھے پھر وہ کیونکر معاویہ کی چوکھٹ سے صرف نظر کر سکتے تھے جہاں ہر قسم کے کھانوں سے سجا ہوا رنگین دسترخوان تھا اور ہر طرف انمول (عطا کی بارش) تھی[1]۔ ایسے حالات میں کس طرح نفسانی خواہشات قابو میں

۱۔ ابن طباطبا جو ابن طقطقی کے نام سے مشہور ہیں اپنی کتاب "الفخری" کے صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں کہ معاویہ دن میں پانچ دفعہ کھانا کھاتا تھا لیکن آخری خوراک سب سے زیادہ بھاری ہوتی تھی مگر اس کے باوجود دسترخوان سے اٹھتے ہوئے اپنے غلام سے کہتا۔ اے غلام دسترخوان سمیت لے کر میں تھک گیا ہوں مگر قسم بخدا ابھی سیری نہیں ہوئی ہے اور ایک دفعہ میں اس نے چند سفید روٹیوں کے ساتھ ایک بھنا بچھڑا اور چار موٹی نان کی روٹیاں ایک گرم اور ایک سرد بکری کے بچے کے ساتھ دوسرے کھانوں کے علاوہ نوش کیا۔ لیکن البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۱۹ میں ابن کثیر کی روایت کے مطابق: معاویہ دن میں سات مرتبہ کھانا کھاتا تھا۔ اس کی غذا گوشت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

رہ سکتے تھے وہ بھی ابو ہریرہ جیسے انسان کے لئے جو ہمیشہ شدت فقر و بھوک میں مبتلا رہے بقول خود ان کے کبھی ایسا ہوتا کہ غش کھا کر دروازے کی چوکھٹ پر گر پڑتے پھر کس طرح ممکن تھا کہ وہ بنی امیہ کی ایسی عظیم الشان طاقتور حکومت کو اس کے عالیشان دسترخوان کا ساتھ چھوڑ کر علیؑ کی طرف جھک جاتے۔ جن کی خوراک جو کی سوکھی روٹیاں تھیں۔ یہ بات طبع

حلوے اور فراوانی کے ساتھ پھلوں پر مشتمل تھی لیکن اس کے باوجود اسے سیری نہیں ہوتی تھی اور وہ کہتا تھا تھک گیا ہوں۔ مگر ابھی پیٹ نہیں بھرا۔ احمد اور مسلم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کہا: جاؤ معاویہ کو بلا کر آؤ میں گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے۔ میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور واپس لوٹا۔ اور آپ سے عرض کی کہ وہ کھانا کھا رہا تھا۔ آپ نے مجھے دوبارہ جانے کے لئے کہا۔ میں دوبارہ گیا۔ معلوم ہوا کہ وہ اب بھی کھانے میں مشغول ہے۔ میں پھر حضور کی خدمت میں واپس آیا اور آپ کو اس کے بارے میں خبر دی۔ تیسری مرتبہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔ اس لئے معاویہ کو کبھی سیری نہیں ہوتی تھی۔ اب ہم معاویہ کے کھانوں کی توصیف میں کچھ کہنا چاہتے ہیں جیسے احنف بن قیس نے نقل کیا ہے۔ احنف کہتے ہیں۔ ایک دن میں معاویہ کے پاس پہنچا میرے لئے گرم و سرد ترش و شیریں ہر قسم کے کھانے لائے گئے۔ ان کھانوں میں ایک خوراک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں نے معاویہ سے پوچھا یہ کیا ہے۔؟ اس نے کہا مغز سے بھری ہوئی مرغابی کی آنت ہے جسے روغن پستہ میں بھون کر اس پر طبرزد (ایک خاص قسم کی شکر) چھڑکا گیا ہے۔ یہ سن کر مجھے گریہ گلوگیر ہوا۔ معاویہ نے رونے کا سبب پوچھا۔ میں نے کہا مجھے علی علیہ السلام) یاد آرہے ہیں کہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپ کے کھانے اور افطار کا وقت آ پہنچا۔ آپ نے مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کے پاس رہ جاؤں۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے لئے ایک سربمہر

(باقی اگلے صفحہ پر)

بشری اور غرائز نفسانی سے ہم آہنگ نہیں۔ مگر وہ مختصر سے طبایع جنھیں اللہ نے لغزشوں سے بچایا ہے۔ اب ہم اس منزل پر آگئے ہیں جہاں ابوہریرہ کی داستان کو آل ابی العاص کے ساتھ بالعموم اور تمام بنی امیہ کے ساتھ بالخصوص حسب وعدہ بیان کریں اور پھر اس کے بعد ان مطالب و روایات کو بھی پیش کریں جسے انہوں نے اس خاندان کے لئے نقل کیا ہے۔

تھیلی لائی گئی۔ میں نے پوچھا اس تھیلی میں کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جَو کی روٹیاں ہیں۔ میں نے کہا آپ کو خوف تھا کوئی لے نہ جائے یا یہ کہ کوئی کھا نہ جائے؟ — !

آپ نے فرمایا: نہیں، ان دونوں میں سے کوئی بات نہیں مجھے خوف تھا کہ کہیں حسنؑ وحسینؑ میں سے میرا کوئی فرزندان روٹیوں کو روغن سے آلودہ نہ کردے۔ میں نے کہا، مگر کیا روغن حرام ہے۔ آپ نے فرمایا، نہیں بلکہ پیشوایان حق کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضعیف ترین انسانوں کی صف میں شامل کریں تاکہ غریب و بے نوا انسان فقر و تنگدستی کے سبب شورش بپا نہ کریں۔ یہ سن کر معاویہ نے کہا: احسنت تم نے ایک ایسی شخصیت کا ذکر کیا جس کا فضل غیر قابل انکار ہے (کتاب نثر الدرر تالیف وزیر ابوسعید منصور بن حسین الابی متوفی ۴۲۲ ہجری۔ ص ۲۲)

ابوھریرہ بنی امیہ کی حکومت میں کس طرح شامل ہوئے

حکومت بنی امیہ میں ابوہریرہ کی شمولیت ایک دلچسپ داستان ہے جسے ہم یہاں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ قارئین کرام اس سرگزشت پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں گے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ اسطرح ہے کہ جبدم ابوہریرہ نے دیکھا کہ بنی امیہ مسند حکومت پر تکیہ زن ہیں اور شہادت حضرت علی علیہ السلام کے بعد انہوں نے زمام امور کو اپنے قبضے میں

لے کر ایکبار گی اپنے آپ کو مسلمانوں کا بادشاہ گردانا ہے اور امر و نہی، حل و عقد، عزل و نصب یہ تمام امور ان کے تصرف میں آ گئے ہیں تو بنا بر اقتضای طبع ابوہریرہ نے بھی اس فرصت کو غنیمت جانا اور دیگر ابن الوقت اور منفعت جو لوگوں کی طرح وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنے پیش نظر مقصد کو ہدف قرار دے کر قسم کھائی کہ جس طرح بھی ہو وہ اپنے آپ کو اس تک ضرور پہنچائیں گے۔ ان کا ہدف و مقصد یہ تھا کہ وہ اس نئی حکومت میں اپنی جگہ پیدا کریں تاکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین رضہ کے زمانہ میں جو ذلت و خواری انہوں نے برداشت کی ہے اس کا ازالہ ہو جائے اور نتیجتاً وہ اس حکومت کے شریک سود و سہیم بن جائیں۔ لیکن یہ کام ابوہریرہ جیسی شخصیت کے لئے جو صحابہ میں کمترین درجہ کے حامل تھے ناممکن تھا۔ کیونکہ نہ تو وہ کسی قسم کی نمایاں شخصیت کے حامل تھے، نہ ہی انہوں نے کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دیا تھا، وہ نہ سیاستمدار تھے، نہ جنگ آزما سپاہی اور نہ ہی خطیب و شاعر جس سے وہ اس جیسی نوخیز اموی حکومت کی مدد کرتے جو سراسر بے بنیاد اور نامناسب طریقے سے عمل میں آئی تھی۔ ان مذکورہ عمل و اسباب کے باعث ابوہریرہ جو اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے تھے اس بات پر عازم ہوئے کہ کوئی جدت اختیار کریں اور ایک ایسی نئی راہ نکالیں جس کے ذریعے زیادہ آسانی کے ساتھ اپنے مدعا کی تکمیل کر سکیں لہذا انہوں نے سوچا کہ اگرچہ اس حکومت کی بنیاد سیاسی فریب، چالاکی اور ظلم و ستم پر استوار ہے مگر بہر حال اسے ایک ایسے امر کی شدید ضرورت ہے جو اس بنای جدید کو گرنے سے روکے اور اسے اسی طرح قائم و دائم رکھے۔ مبادا لوگ نافرمانی پر اتر آئیں اور شورش و طغیان بپا کریں یا پھر اس سے اظہار برائت کرنے لگیں۔ یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ طاقتور وسائل و اسناد کے ساتھ اس کی پشت پناہی نہ کی جائے اور قوای مادی کے بعد سب سے زیادہ طاقتور وسائل وہ اسناد ہیں جنکا

رخ ذاتِ گرامی ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ وہ ذاتِ گرامی۔ جس کے آگے تمام گردنیں خاضع اور تمام پیشانیاں سرنگوں ہیں۔ پھر اس سے بہتر اور کیا بات ہے کہ وہ اموی حکومت کی تائید میں آپ ہی سے احادیث منسوب کرنے لگیں کیونکہ اس زمانے میں اور آج کل بھی احادیث نبوی دلیل و دعوؤں کی تائید میں محکم ترین اور طاقتور ترین اسلحہ ہے جسے افراد یا جماعتوں کے مقابل پیش کیا جاتا رہا ہے اور جب ابوہریرہ کو یہ فکر پسند آئی اور انہوں نے اس کی حقیقت اور نتائج کا اندازہ کیا تو مصمم ہوئے کہ اس کام کو اپنے ذمہ لیکر اس وسیلے اور اسلحہ کو بنی امیہ کے حق میں بروئے کار لائیں اور انھیں اپنی وضع کردہ روایات کے ذریعے کمک پہنچا کر لوگوں کو ان کے مخالفوں کی طرف مائل ہونے سے باز رکھیں اور واضح رہے کہ بنی امیہ کے مخالف حضرت علی علیہ السلام ہی تھے۔ ابوہریرہ نے اس مقصد کی تائید کے لئے ایک اور اسکیم بھی بنائی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے لوگوں اور خاص طور سے بنی امیہ پر یہ ظاہر کرنا شروع کیا کہ احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روائیت کے سلسلے میں وہ تمام صحابہ پر فوقیت رکھتے ہیں اور یہ کہ وہ تنہا انسان ہیں جنھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ اعزاز اور یہ امتیاز حاصل ہے اور اس امتیاز کو ابتداء میں انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے پیراہن میں دو شگاف پیدا کئے جس کے سبب دیگر صحابہ کے برخلاف ان کا حافظہ تیز ہو گیا اور تمام احادیث انھیں حفظ ہونے لگیں۔ لہذا وہ احادیث پیغمبر کے لئے بالکل درست اور صحیح مرجع ہیں۔ پھر اس ادعا کے ساتھ انہوں نے ایک اور دعویٰ بھی کر دیا کہ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو برتن یا دو پیالے (وعائین) حاصل کئے جس میں سے ایک کو وہ منظر عام پر لاتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پوشیدہ رموز رکھنے والے دوسرے پیالے کو کسی پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ پیالہ

اسی طرح ان کے پاس رہتا ہے۔ یہاں تک کہ بالآخر دلچسپ حدیث "مزور" کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ واضح ہونا چاہیئے کہ اس قسم کے نقشوں کو مرتب کرنے میں جو چیز ابوہریرہ کی معاون تھی وہ یہ تھی کہ اس زمانے میں احادیث پیغمبرؐ (جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں) قرآن مجید کی طرح مدون و محفوظ نہیں تھیں کہ کوئی ان میں کمی بیشی نہ کر سکے لہذا اہل جعل و تزویر پہ باب "وضع" کھلا ہوا تھا، پھر یہ کہ معاویہ کے زمانے میں ان بزرگ صحابہ کا فقدان بھی ابوہریرہ کو ان کی اسکیم میں مدد دے رہا تھا جن سے انھیں ہر وقت خوف و ہراس تھا۔ خاص طور پر حضرت عمرؓ کا فقدان جنھوں نے ابوہریرہ کو روایت حدیث سے منع کر کے ملک بدر کرنے کی دھمکی دی تھی اور اس جرم میں انھیں تازیانے بھی لگائے تھے یہاں تک کہ انہوں نے خود اس بات کی تصریح کر دی کہ حضرت عمرؓ کی حیات تک انھیں روایت حدیث کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔

حدیث

بسط

ثوب

ابوہریرہ نے ظاہراً اس حدیث کو اپنی دفاع کے لئے جعل کیا ہے۔
کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں وہ نقل حدیث میں کثرت کی بنا پر مورد الزام ٹھہرائے گئے تھے مگر درباطن انھیں یہ ثابت کرنا تھا کہ نقل حدیث میں انکی قوت حافظہ کو وہ کمال حاصل ہے جو تمام صحابہ میں اور کسی کو نہیں بخاری

اور دیگر کتب[1] نے ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: آپ یہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت زیادہ حدیثیں نقل کرتا ہے اور یہ کہ مہاجرین والانصار میں سے کیوں کوئی ابوہریرہ کی طرح نقل حدیث نہیں کرتا اس کا سبب یہ ہے کہ مہاجر بھائیوں کو لین دین اور کاروبار نے مشغول بنا رکھا تھا۔ مگر میں اپنے پیٹ کی خاطر ہمیشہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتا اور ان کے غیاب میں آپ کے حضور ہوتا۔ اور اگر وہ لوگ کسی بات کو بھول جاتے تو میں اسے یاد رکھ لیا کرتا تھا اسی طرح سے میرے انصار بھائی بھی سرگرم اموال تھے، مگر میں فقراء صفہ سے ایک مرد فقیر تھا اور جو بات وہ بھول جاتے میں اسے یاد رکھ لیا کرتا تھا اور جس دم پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ: جو کوئی میری گفتگو کے دوران اپنا جامہ پھیلائے اور اختتام سخن پر اسے سمیٹ[2] لے تو میری کہی ہوئی باتیں اسے ہمیشہ یاد رہیں گی تو میں نے بھی اپنا جامہ پھیلایا اور اختتام سخن پر اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے لگایا اسی لئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو مجھے یاد رہی۔ ابوہریرہؓ نے اس حدیث میں کہا ہے کہ خود انہوں نے اپنا جامہ پھیلایا مگر ذہبی نے انھیں سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی پشت سے جامہ کو نکال کر اپنے اور انکے درمیان بچھایا۔ یہ ہے ذہبی[2] کی حدیث جسے انہوں نے سعد بن ابی ہند کے ذریعے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے ان سے فرمایا: ابوہریرہ تم کیوں اپنے دوستوں کی طرح مجھ سے غنائم کا تقاضا نہیں کرتے؟ میں نے عرض کیا: میں آپ سے وہ باتیں سیکھنا چاہتا ہوں جو خدا

۱۔ فتح الباری۔ ص۔ ۲۳۱

۲۔ سیر اعلام النبلاء ص ۴۲۹۔ ج۔ ۲۔

وندعالم نے آپ کو تعلیم فرمائی ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری پشت سے جامہ کو نکال کر اپنے اور میرے درمیان پھیلایا اس طرح کہ میں اسپر رینگتی ہوئی جوؤں کو (خدا کی پناہ) باآسانی دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد آپ نے حدیث کہنا شروع کی اور میں اسے دھیان سے سن کر حافظے میں محفوظ کرتا رہا پھر آپ نے فرمایا اپنا لباس سمیٹ لو اور اس دن کے بعد سے پھر میں نے اس حدیث کے کسی حرف کو فراموش نہیں کیا اور مقبری کے واسطے ابوہریرہ سے نقل ہوا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے پیغمبر خدا سے عرض کی کہ میں نے آپ سے فراوانی کے ساتھ حدیثیں سنی ہیں مگر بھول جاتا ہوں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اپنی ردا بچھاؤ اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے چیرہ دیا اور کہا اب اسے اپنے سے لگالو میں نے ایسا ہی کیا اور اس دن کے بعد سے آج تک کسی حدیث کو نہیں بھولا۔ اس بنا پر حدیث بسط ثوب ابوہریرہ کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اور باوجود اس کے کہ اس کی روایات مختلف ہیں تاہم فی نفسہ اسکا شمار خرافات یا پھر ان کے اہم ترین نقشوں میں ہوتا ہے مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ آج تک کسی نے اس حدیث میں مناقشہ کرکے اس کی تحلیل علمی نہیں کی بجز علامہ کبیر استاد الحسین۔ شرف الدین کے جنھوں نے اپنی کتاب "ابوہریرہ" میں ایک طویل گفتگو کا آغاز کیا ہے۔ جس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کرنا چاہتے ہیں[۲]۔ شرف الدین رحمۃ اللہ کہتے ہیں اس حدیث

۱۔ طبقات ابن سعد۔ ص ۵۶۔ ج ۴

۲۔ جو کوئی علامہ شرف الدین کے اس بیان کو تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ وہ ان کی بے مثال کتاب "ابوہریرہ" کا مطالعہ فرمایئے۔

کے بطلان میں بعض باتیں سامنے آتی ہیں، اول: یہ بات اجاگر کی ہے کہ مہاجرین کو لین دین اور کاروبار نے مشغول بنا رکھا تھا اور اسی طرح انصار بھی اپنے باغات اور کھیتیوں میں سرگرم عمل تھے، گویا درحقیقت انہوں نے مہاجرین و انصار میں سابقین اولین کو بھی اسی لاٹھی سے ہانکا ہے۔ ابوہریرہ کی یہ گفتگو کیا وقعت رکھتی ہے کہ تمام مہاجرین کو کاروباری امور نے مصروف بنا رکھا تھا۔ جبکہ خداوند عالم ان کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ الخ" پھر ایسی صورت میں اس گفتگو کی کیا اہمیت ہوگی جو معارض و مخالف کتاب خدا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ابوہریرہ کی ایسی کونسی شخصیت تھی کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصوصی اصحاب کی غیر موجودگی میں آپ کے حضور شرفیاب ہوتے اور جو باتیں انہوں نے فراموش کر رکھی ہوں وہ ایسے خاطر نشین کرتے۔ ابوہریرہ اس گفتگو کو بڑی ڈھٹائی اور شرم و حیا سے عاری ہو کر بیان کرتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جی ہاں وہ ایسے موقع پر یہ بات کہہ رہے ہیں جب حضرت عمرؓ ہیں نہ حضرت عثمانؓ، نہ علی علیہ السلام ہیں اور نہ طلحہؓ و زبیرؓ نہ عمارؓ نہ مقدادؓ نہ ابوذرؓ اور نہ ہی ان جیسے دیگر افراد۔ ابوہریرہ دعوی کر رہے ہیں مگر خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے اس مقام و منزلت سے اچھی طرح آگاہ ہیں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت اور قرابت کے سبب انھیں حاصل تھی۔ نیز یہ بھی جانتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں اپنی آغوش مبارک میں تربیت دی اور ہر روز ایک ایک کرکے انھیں اپنے آداب واخلاق کے نکات سمجھائے اس کے علاوہ لوگوں کو یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام، سرور کائنات کے بعد سب سے زیادہ صاحب فکر و نظر اور آپ کے اسرار و رموز کے حامل اور آپ کی حکمتوں کے وارث ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایسی صورت میں کیا یہ ممکن ہے کہ علی جیسا انسان ان باتوں کو بھول جائے جنھیں ابوہریرہ نے ذہن نشین

کرلیا ہو یا یہ کہ ابوہریرہ نے جن باتوں کو بیان کیا علی انھیں مخفی رکھیں ۔ ؟ سبحانک ہذا بہتان عظیم ، علاوہ ازیں ایسے مہاجرین کی تعداد قلیل تھی جو لین دین اور کاروباری امور میں مصروف رہتے تھے ۔ البتہ فضیلت میں مہاجرین کے بہترین نمونے ابوذر، مقداد اور عمار جیسی ہستیاں تھیں پھر ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ "صفہ" میں بیٹھنے والے ابوہریرہ کے ستر ساتھیوں میں سے جن کی توصیف میں انہوں نے کہا ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس پہننے کے لئے ڈھنگ کے کپڑے تک نہ تھے بلکہ وہ اپنے اطراف ایک بوسیدہ سی چادر لپیٹ کر اسے گردن سے گرہ دے دیا کرتے تھے اس آخری وصف تک جو انہوں نے بیان کی ہے کیوں کسی نے ان کی طرح احادیث گوئی کو اپنا شمار نہیں بنایا اور اس طرح زیادہ روی سے کام نہیں لیا ؟ اور یہی صورت انصار کی بھی تھی کہ جس طرح ابوہریرہ نے پرچار کیا ہے وہ تمام کے تمام جمع اموال اور دنیوی امور میں سرگرم عمل تھے جن کی بہترین مثال زہد میں سلمان فارسی ہیں جن کے بارے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سلمانؑ ہم اہلبیت سے ہیں. اور جن کے بارے میں حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں: سلمانؑ راتوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ مجالست کرتے اور دیر تک ایک دوسرے کے ساتھ محو گفتگو رہتے۔ حضرت علی علیہ السلام کا کہنا ہے کہ "سلمان فارسی لقمان حکیم کی مانند تھے ، انہوں نے علوم اولین و آخرین کو حاصل کیا ۔ وہ ایک ایسا سمندر تھے جو کبھی خشک نہیں ہوتا ۔ اسی طرح سب لوگ جانتے تھے کہ ابوایوب انصاریؓ مال دنیا سے اس مختصر پونجی کے علاوہ کچھ نہیں رکھتے تھے جس سے وہ اپنی گذر اوقات کر سکیں اور وہ بھی اسطرح کہ ان کی یہ طرز معیشت حصول علم اور منزل عمل پر کبھی ان کے حارج نہ ہوئی اور اسی طرح ابوسعید

۱۔ ملاحظہ فرمایئے کتاب الاستیعاب تالیف حافظ مغرب ابن عبدالبر ص ۵۷۲ ج ۲ ۔ ترجمہ سلمان۔

خدریؓ اور ابو فضالہ انصاریؓ اور انھیں جیسے دیگر اکابرین و علماء انصار رضی اللہ عنہم۔ ان باتوں کے علاوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی درہم برہم نہیں تھی بلکہ آپ کے روز و شب مرتب اور اس کی ہر گھڑی باقتضای حکمت کسی نہ کسی کام کے لئے مخصوص تھی۔ اس رو سے جو گھڑی آپؐ نے اصحابؓ کی تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی یقیناً آپ اسے اس وقت سے بدلا نہیں کرتے تھے جو کاروبار اور لین دین کی گھڑی تھی اور جس وقت لوگ اپنے باغات اور کھیتوں میں مصروف عمل ہوتے اسی طرح مہاجرین و انصار بھی بھی تعلیم کے وقت یقیناً غیر حاضر نہیں ہوا کرتے تھے بلکہ وہ حصول علم میں افسانہ تراشوں کی دروغ بافیوں سے کہیں زیادہ حریص تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ابوہریرہ کی کہی ہوئی یہ بات صحیح مان لی جائے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔" جو کوئی میری گفتگو کے دوران اپنا جامہ یا اپنی چادر پھیلائے .... آخر حدیث تک۔ تو بلاشبہ صحابہ کو اس امر پہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہیئے تھا۔ کیوں کہ یہ ایک ایسی فضیلت تھی جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ علم کو مال کے ذریعہ نہیں خریدا جاسکتا پھر دیگر صحابہ نے کیونکر اس سے روگردانی کی اور اسکے عظیم فوائد سے ہاتھ دھو بیٹھے۔؟

تیسرے یہ کہ اگر ابوہریرہ کی یہ گفتگو صحیح تھی تو اصحابؓ کو علم و فضل سے اپنی اس محرومی پر یقیناً اظہار افسوس کرنا چاہیئے تھا کہ آخر کیوں انہوں نے اپنا جامہ پیغمبرؐ کے آگے نہیں پھیلایا اور اپنی اس سہل انگاری اور کوتاہی پہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے اور اس امر پہ سخت غبطہ کھاتے کہ تنہا ابوہریرہ نے کیوں اس راہ میں کامیابی حاصل کی ہے۔ باوجود اس کے کہ ان کے پاس پہننے کے لئے صرف ایک ہی جامہ تھا اور دیگر تمام اصحابؓ ان سے زیادہ لباس رکھتے تھے مگر چونکہ اس قسم کی کوئی بات کسی صحابی کی طرف سے نہیں ہوئی اس لئے

کے لئے کہا۔ اور دوسری روایت کے مطابق یہ گفتگو فقط پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوہریرہ کے درمیان عمل میں آئی اور اس کی ابتداء ابوہریرہ نے کی اور آپؐ سے اپنی فراموشی کا گلہ کیا۔ نیز یہ کہ پہلی روایت کے مفاد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدم فراموشی کا تعلق تنہا اسی گفتگو پر منحصر ہے[1]۔ کیوں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس گفتگو سے کسی بات کو نہیں بھلایا۔ اور دوسری روایت یہ بتاتی ہے کہ عدم نسیان کو عمومیت حاصل ہے اور ابوہریرہ نے حدیث یا غیر حدیث سے کسی چیز کو نہیں بھلایا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے پھر کسی شے کو فراموش نہیں کیا اس سلسلے میں شارحین صحیح بخاری ایک دوسرے سے الجھے اور آپے سے باہر ہو گئے ہیں۔ واضح ہونا چاہیئے کہ مسلم نے اس حدیث کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔ پہلی روایت کے مطابق ابوہریرہ کی گفتگو کا مطلب یہ ہے کہ میں نے عمومیت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی کسی بات کو فراموش نہیں کیا اور دوسری روایت کے مطابق ان کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے خصوصیت کے ساتھ اس روایت میں سے کسی بات کو فراموش نہیں کیا اس کے بعد علامہ شرف الدین نے ابوہریرہ کی دیگر ناقابل یقین اور عجیب وغریب احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے ایک وہی حدیث ہے جسے ابونعیم نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوہریرہ تم کیوں اپنے دوستوں کی طرح مجھ سے غنائم کا تقاضا نہیں کرتے[2]۔ میں نے کہا:

۱۔ جامع ترمذی اور حلیہ ابونعیم میں اس گفتگو کی تصریح ان الفاظ میں کی گئی ہے کہ: "کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو باتیں خدا نے اس پر واجب کی ہیں اسے نقط دو نقطہ سنے، یاد رکھے یا پھر کسی کو تعلیم دے مگر یہ کہ وہ داخل بہشت ہوگا۔"

۲۔ گویا ابوہریرہ یہ تمام اصحاب کے برخلاف ایسی عفت وقناعت کے دارا تھے جس کے سبب کبھی مال غنیمت کا دم نہیں بھرتے تھے۔

"جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپکو تعلیم فرمایا ہے۔ میں ان چیزوں کا آپسے طلبگار ہوں"[1]
اس کے بعد کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پوشاک کو جسکا تذکرہ دوسری حدیث
میں اس طرح کیا ہے کہ: "بجز اس کے میرے پاس اور کوئی پوشاک نہ تھی۔
پشت پر سے اتارا اور اسے اپنے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
درمیان بچھایا اس طرح کہ اس پر رینگتی ہوئی جوں مجھے صاف نظر آرہی تھی اور
پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث بیان کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کی
گفتگو حد کمال پر پہنچی۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہ اپنا جامہ سمیٹ
لو۔ پھر میری یہ حالت ہوئی کہ میں نے آپ کی حدیث کے کسی حرف کو نہیں بھلایا
علامہ شرف الدین اس مقام پر فرماتے ہیں: ابوہریرہ کی اس گفتگو سے کہ میں نے
اپنی اس تنہا پوشاک کو جس کے بغیر جسم ڈھانکنے کا اور کوئی وسیلہ نہ تھا بچھایا[2] یہ
ظاہر ہوتا ہے کہ اسوقت ان کی ستر گاہ نمایاں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ قسطلانی
اور ذکریا الانصاری نے ابوہریرہ کی اس بات کی یوں تاویل کی ہے کہ انہوں
نے اپنے جامے کے ایک حصے کو بچھایا تاکہ ان کی ستر گاہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے سامنے مشکوف نہ ہو۔ مگر درحقیقت یہ داستان بازیگروں کی داستانوں کے
مشابہ ہے اور ان کی یاوہ سرائیوں سے کچھ مختلف نہیں۔ محال ہے کہ اسے پیغمبر اکرم

۱۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۲۹۔ ج ۲

۲۔ اس حدیث کو بخاری کے باب مزارعہ میں ملاحظہ فرمائیے۔ یہ حدیث اس طرح ہے کہ: "میں
ایک مرد مسکین تھا اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمراہی
اختیار کی تھی۔ ایک دن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی میرے اختتام
سخن تک اپنا جامہ پھیلائے اور پھر اسے سمیٹ کر اپنے سینے سے قریب کرے تو وہ میری
گفتگو کو کبھی فراموش نہیں کرے گا۔ میں نے بھی اپنے اس تنہا جامہ کو جس کے علاوہ میرے جسم پر
اور کوئی پوشاک نہ تھی پھیلایا،" الی آخر" (فتح الباری۔ ص ۲۲۔ ج ۵)

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں شامل کیا جائے یا یہ کہ صاحبان ہوش وخرد باور کریں کہ اس قسم کی گفتگو کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی جا سکتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات نے حقائق کی روشنی میں خود صاحبان فکر ونظر کو مبہوت بنا رکھا ہے اور اپنی پسندیدہ اسلوب اور معتدل روش کے ساتھ اس روئے ارض کے سرکش انسانوں کا سر خم کر دیا ہے اس کے علاوہ جو کوئی جس پہلو سے اس حدیث کو پرکھے گا۔ اسے معلوم ہو گا کہ اسکے الفاظ ہر لحاظ سے مختلف ہیں اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی توافق نہیں ہے اور یہ آپس میں کسی طرح بھی ایک دوسرے سے آشنا نہیں ہیں۔ ایسی صورت میں اس حدیث کو ٹھکرانے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں[1]۔

۱۔ کتاب ابوہریرہ ـــ ص ۲۸۰ - ۲۹۴۳

ابوھریرہ کے حافظے کی کمزوری

قبل اس کے کہ ہم ابوہریرہ کی داستان کے دوسرے حصّے کو بیان کریں چند سطریں ان کے حافظے کے بارے میں بھی لکھنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے موضوع بحث سے اس کا بھی خاص تعلق ہے۔ ابوہریرہؓ نے جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں اپنے آپ کو کمزور حافظ کا شکار بتایا ہے اور اقرار کیا ہے کہ ان کا حافظہ ان کی سنی ہوئی باتوں کے تحفظ پر قادر نہ تھا اور پھر اس کے بعد جیسا کہ کہا جا چکا ہے۔ انھوں نے

یہ بات آشکار کی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے جامے میں دو شگاف لگائے اور اس کے بعد سے سنی ہوئی ہر بات انھیں یاد رہنے لگی۔ مگر درحقیقت یہ تمام باتیں صرف اس لئے تھیں کہ وہ اپنی کثرت روایت کے لئے کوئی جواز پیدا کریں اور اس طرح اپنے مرویات کی صحت کو لوگوں کے ذہن نشین کرائیں۔ اب ابوہریرہ کے حافظے کے سلسلے میں ایک بیان پیش کیا جاتا ہے مسلم نے اعرج سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا: آپ یہ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی زیادہ حدیثیں نقل کرتا ہے۔ خدا کی قسم میں ایک مرد فقیر تھا اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ہمیشہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا مگر اس کے برعکس مہاجرین لین دین اور کاروبار میں مشغول رہا کرتے تھے اور یہی حال انصار کا تھا کہ کھیتی باڑی اور باغات نے انھیں مصروف بنا رکھا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی اپنا جامہ بچھائے...... آخر حدیث تک اس کے بعد مسلم کہتے ہیں: مالک نے اس حدیث کو ابوہریرہ کے آخری کلام تک نقل کیا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس جملے پر پہنچ کر کہ: جو کوئی اپنا جامہ پھیلائے، اس کو ترک کر دیا ہے۔ الخ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو کوئی اس حدیث کو پڑھکر اس کے الفاظ و معانی پر تدبر کریگا۔ اسے معلوم ہو جائے کہ اس میں کس قدر آشفتگی اور الجھاؤ ہے۔ اس کے علاوہ بدبختی سے اسی قوت حافظہ نے جس کے سبب وہ تمام صحابہ میں بلکہ تمام افراد بشر کے درمیان ممتاز تھے انکو کئی جگہ دھوکہ دیا جس کے نتیجے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بچھا کر سمیٹا جانے والا ان کا فضیلت بھرا جامہ تار تار ہو گیا اور بچے کچھے علوم و اسرار جو اس میں رہ گئے تھے وہ بھی گر کر ضائع ہو گئے۔ اس بارے میں بے شمار مثالیں موجود ہیں مگر ہم یہاں صرف دو مثالوں کو بیان کر کے اسی پر اکتفا کرتے ہیں پہلی یہ کہ جب ابوہریرہ نے یہ روایت نقل کی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے

ہر شخص کا سراسر وجود پیپ اور خون سے بھر جائے بہتر ہے اس سے کہ شعر سے پُر ہو تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ابو ہریرہ کو حدیث پوری طرح یاد نہیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں ہر شخص کا سراسر وجود پیپ اور خون سے بھر جائے بہتر ہے اس سے کہ ایسے شعر سے پُر ہو جس کے ذریعے کسی کی ہجو کی جائے۔ دوسرا قضیہ ذوالیدین کا ہے جسے بخاری نے ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ظہر یا عصر کو بجالا رہے تھے کہ دوسری رکعت میں آپ نے سلام پھیرا۔ اس وقت ذوالیدین نے آپ سے عرض کی یا رسول اللہ کیا نماز کی رکعتیں کم ہوگئیں ہیں۔؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صحابہ سے مخاطب ہو کر) پوچھا: کیا ذوالیدین ٹھیک کہہ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ: اس وقت آپ نے دوسری دو رکعتیں پڑھ کر سجدہ ادا فرمایا۔ یہ واقعہ بخاری کی روایت میں اس طرح ہے کہ: وہ نماز! نماز ظہر تھی یا نماز عصر، لیکن نسائی کی روایت اس امر پہ گواہ ہے کہ تردید ابو ہریرہ کی جانب سے ہے اور اس کا نفس مضمون یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مغرب وعشار کی نمازوں میں سے کوئی نماز ادا کر رہے تھے جو مجھے اچھی طرح یاد نہیں۔ اور تعجب اس بات پر ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک ابو ہریرہ کی شخصیت موثق ہے اور وہ ان کے بارے میں سہو ونسیان کو جائز نہیں سمجھتے انھیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں کہ وہ اسے (یعنی سہو ونسیان کو) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیں جس طرح بخاری نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں تلاوت قرآن کرتے ہوئے سنا اور اس کے بعد فرمایا خدا رحمت کرے اس پر کہ اسنے فلاں سورہ اور فلاں سورہ سے فلاں آیت اور فلاں آیت کو جسے میں چھوڑ جایا کرتا تھا

مجھے یاد دلایا[1]۔ اور نیز یہ کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں اور مجھ سے بھی بھول ہو جایا کرتی ہے۔ لہذا جب میں کسی بات کو بھول جاؤں مجھے یاد دلایا کرو۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ ابن مسعود کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق یہ حدیث کہ "میں بھی تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں اور تمہاری طرح مجھے بھی نسیان و فراموشی لاحق ہوتی ہے" ان لوگوں کے لئے حجت ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے فراموشی کو جائز سمجھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ جواز نسیان بقول اس گروہ کے آپ کی عام گفتگو سے متعلق ہے جو خداوند عالم کے دستور و پیام سے ہٹ کر ہو اور اگر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی گفتگو خداوند عالم کی جانب سے دستور و پیام کی صورت رکھتی ہو تو جب بھی دو شرطوں سے آپ کے بارے میں نسیان و فراموشی جائز ہے۔ پہلے یہ کہ فراموشی تبلیغ کے بعد آپ پر عارض ہو دوسرے یہ کہ آپ کی بھول دوام پیدا نہ کرے اس طرح کہ یا خود انھیں بھولی ہوئی بات یاد آجائے یا پھر کوئی دوسرا آپ کو متذکر کرے۔ ان تمام باتوں سے صرف نظر جس طرح ابوھریرہ اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ وہ ایک نہایت ذہین او ہوشیار آدمی تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک قوی حافظ کے مالک بھی تھے جس کے سبب انھیں ہر بات یاد رہتی تھی اور کوئی لفظ ان کے ذہن سے نہیں اترتا تھا تو پھر کیوں انھوں نے اتنی فراغت اور طول عمری کے ساتھ قرآن کریم کو حفظ نہیں کیا جبکہ وہ خود کہتے ہیں کہ قرآن کریم کو بہت سے مردوں اور بعض عورتوں نے بھی حفظ کر لیا تھا جن میں ام ورقہ[2] بھی شامل تھیں جو عبداللہ بن الحارث صحابی کی بیٹی تھیں جنھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "شہیدہ" کے

۱۔ فتح الباری۔ ص ۳۰۲۔ ج ۵ اور ص ۷۰ ۔ ج ۹

۲۔ ام ورقہ حضرت عائشہ رض کی شاگرد تھیں۔

نام سے پکارتے تھے، پھر یہ کہ انہوں نے لکھنا پڑھنا کیوں نہیں سیکھا اور اسی میں خوش رہے کہ ناخواندہ کہلائے جائیں۔ ہاں شاید لکھنے پڑھنے پر عدم توانائی ابوہریرہ کے نزدیک جملہ صفات کمال سے محسوب ہوتی تھی نیز یہ کہ اگر ابوہریرہ اس مقام اور اس پایہ (یعنی عدم نسیان) تک پہنچے ہوئے تھے جس پر ان سے پہلے اور ان کے بعد کوئی اور بشر نہیں پہنچ سکتا تو بلاشک و شبہ اس بات کی دھوم مچ جاتی اور ہر طرف ان کا شہرہ ہوتا اور وہ ایک ایسی بے نظیر شخصیت ہوتے کہ تمام مسلمان خاص طور پر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر کے زمانے میں جوق در جوق ان سے رجوع کرتے اور خاص طور پر طولِ عصورِ اسلام میں وہ ایک رفیع و اعلیٰ مقام کے دارا ہوتے اور پھر صحابہ کے درمیان ان کی ہستی ایسی باوثوق ہوتی جہاں زبان سے نکلنے والا ہر لفظ سند بن جاتا اور ان کی بیان کردہ ہر روایت کمال اطمینان کے ساتھ قبول کر لی جاتی اور یہ وثوق و اطمنان

بیان کردہ ہر روایت کمال اطمینان کے ساتھ قبول کر لی جاتی اور یہ وثوق و اطمینان صحابہؓ اور تابعین سے لیکر آج تک اور پھر قیامت تک اسی طرح برقرار رہتا اور انکی تمام روایات دیگر صحابہ کی روایات کے برخلاف لفظ و معانی میں متواتر ہوتیں جہاں نہ شک و تردید اس میں رخنہ انداز ہوتا اور نہ ظن و گمان۔ مختصر یہ کہ وثوق و اطمینان کے اعتبار سے وہ قرآن کریم کے بعد دوسرے درجہ پر ہوتی مگر حقیقت امر اس کے برخلاف تھا کیوں نہ تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے زمانے میں ان کی کوئی حیثیت تھی اور نہ ہی خلفاء راشدینؓ کے عہد میں ان کی کوئی شان و منزلت تھی اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ ابوہریرہ کے ساتھ حضرت عمرؓ کا میزان وثوق اس قدر کم اور ناقابل بیان تھا کہ انہوں نے سختی کے ساتھ ان کی روایت پر پابندی لگادی تھی اور جب ابوہریرہ نے حکم عدولی کی اور روایت کرنے سے باز نہیں آئے تو حضرت عمرؓ نے انھیں تازیانے لگائے اور دھمکی دی کہ اگر اب بھی وہ اپنی

حرکتوں سے باز نہ آئے تو انھیں واپس اپنی سرزمین پر بھیج دیا جائے گا۔
اگر ابوہریرہ اپنے حامیوں اور طرفداروں کی رو سے مورد وثوق و اطمینان
تھے تو حضرت عمر انھیں نقل روایت پر مامور کرتے جس کے نتیجے میں ابوہریرہ
حضرت عمر اور دیگر صحابہ کے نزدیک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے
نقل روایت کرنے والے سب سے زیادہ سچے اور موثق ترین انسان ہوتے
مگر اس کے برعکس جس طرح پہلے کہا جا چکا ہے نہ صرف یہ کہ صحابہ نے ان کی
توثیق نہیں کی بلکہ انھیں متہم ٹھہرا کر ان کی تکذیب بھی کی اور بالآخر ابوہریرہ
اسلام کے راویان حدیث میں پہلے متہم راوی قرار پائے۔

حدیث وعائین

جب ابوہریرہ نے اپنی داستان کے پہلے حصّے کو ختم کیا اور روایت "لبط ثوب" کو لوگوں میں ترویج دے کر منوا لیا تو اپنے تئیں یہ سوچنے لگے کہ اس روائت کی تحکیم و تائید کے لئے ہمیں ایک اور روایت کی بھی ضرورت ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنی داستان میں ایک اور باب کا اضافہ کیا اور حدیث دعائین " کے نام سے ایک اور روایت گھڑ کر لوگوں کے سامنے پیش کی تاکہ اس طرح وہ انہیں

یہ سمجھا سکیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ان کا کیا رتبہ تھا۔ اور آپ کس طرح ان کے ساتھ عزت و توقیر سے پیش آتے اور اپنے الطاف و اکرام سے انھیں نوازکر کس طرح ان کی حمایت کیا کرتے تھے نیز جب آپ نے انکو اس نفحۂ قدوسی و نبوی کے ذریعے تمام صحابہ کے درمیان ممتاز بنا کر ان کے مقام و مرتبہ کو بلند کیا تو پھر اس بات پر آمادہ ہوئے کہ ابوہریرہ کو اپنی تمام احادیث پر محیط بنا دیں تاکہ اس طرح وہ ان امور میں گنجینۂ اسرار بن جائیں۔ جنھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسروں سے پنہاں رکھتے تھے۔ اس لئے آپ نے اپنے اسرار و احادیث کو ابوہریرہ کے حوالہ کیا تاکہ وہ اسے اپنے برتن (وعاء) میں رکھیں اور اس کے ساتھ انھیں اس بات کا اختیار بھی دیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق انھیں لوگوں کے سامنے ظاہر کریں یا ان سے چھپائے رہیں اسکے بعد ابوہریرہ نے اس چھپائے جانے والے سربستہ راز کی اہمیت کو بڑھانے کے لئے اس بات کا مزید اضافہ کیا کہ: اگر اس برتن سے میں نے کسی بات کو ظاہر کردیا تو میری گردن کٹ جائے گی۔ ظاہر ہے کہ ابوہریرہ نے یہ بات ایک تو اس لئے کہی کہ اپنے مقام و منزلت کو صحابہ کے درمیان بلند کریں اور دوسرے یہ کہ اسے ایک دہشتناک اسلحہ بنا کر لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کریں تاکہ ایک طرف لوگ ان سے خائف رہیں اور دوسری طرف ان سے ہر ایک کی امیدیں بھی وابستہ ہوں جس کے نتیجہ میں تمام افکار ان کی طرف متوجہ ہوں اور ہر فرد ان کی شخصیت پر فریفتہ نظر آئے۔ قدرتی بات ہے کہ لوگ ہمیشہ ڈھکی چھپی باتوں کو جاننے کے لئے دلدادہ رہتے ہیں اور ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جس چیز کو ان سے چھپایا جا رہا ہے اس کا کھوج لگائیں۔ اس لئے ہم مقدمتاً ذہبی وغیرہ کی روایت کردہ دو روایتیں اس امید پر نقل کرتے ہیں کہ شاید یہ دو روایتیں اس "وعاء" کے پوشیدہ راز کو سمجھنے میں کسی حد تک ہماری مدد کر سکیں۔ ابن مسیب (داماد ابوہریرہ) سے روایت ہے کہ: ابوہریرہ کی عادت تھی کہ جب تک

معاویہ انھیں کچھ دیتا ان کی زبان خاموش رہتی اور جہاں اس کا ہاتھ رک جاتا وہ پھر بھونکنے لگتے۔[1] اس کے علاوہ محمد بن زیاد ناقل ہیں کہ: کبھی ایسا ہوتا کہ معاویہ ابوہریرہ کو مدینے بھیجتا (یعنی انھیں حاکم مدینہ بناتا) اور جب ان سے برہم ہوتا تو مروان کو ان کی جگہ بھیج کر ابوہریرہ کو معزول کر دیتا۔[2] غالباً معاویہ کی داد و دہش کے موقع پر ابوہریرہ کے سکوت سے مراد یہ ہے کہ وہ ان روایات کو نشر نہ کریں جنھیں معاویہ پسند نہیں کرتا۔ مثال کے طور پر یہ روایت جسے بخاری نے ذمّ بنی امیہ میں ان سے نقل کیا ہے اور کہا ہے: میری امت قریش کے چند جوانوں کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے گی۔ ابن حجر نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ روایت معاویہ کے زمانے میں نقل ہوئی اور اسی روایت کو عمر بن یحییٰ بن سعید الاموی نے اپنے جد سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا: میں، مروان اور ابوہریرہ ایک جگہ جمع تھے کہ ہم نے ابوہریرہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے پیغمبرؐ صادق سے سنا ہے کہ: میری امت کی ھلاکت جوانانِ قریش کے ہاتھوں ہوگی مروان نے پوچھا، جوانان قریش؟ ابوہریرہ نے کہا چاہتے ہو ہر ایک کا نام لے لوں بنی فلاں اور بنی فلاں۔ اور معاویہ کے ہاتھ روک لینے پر ابوہریرہ کی گفتگو یوں تھی کہ وہ ایسے روایات نقل کرنے لگتے تھے جس میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے فرزندان گرامی کی مدح سرائی ہوتی۔ اس حدیث کے مانند جسے احمد نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے اور جس کی نص یہ ہے:۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حسنین اور جناب فاطمہ علیہم السلام کی جانب دیکھ کر فرمایا جو تم لوگوں سے لڑے گا میں اس کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں اور جو تم سے صلح

۱۔ اعلام النبلاء۔ ص ۲۴۴۔ ج ۲۔ تذکرہ الحفاظ۔ ص ۳۴ = البدایہ والنہایہ۔ ص ۱۱۴۔ ج ۸۔

۲۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۴۱۔ ج ۲

کرے گا میں بھی اس کے ساتھ منزل صلح پر ہوں۔ اس حدیث کی نص زید بن ارقم کی روایت کے مطابق جسے ترمذی نے نقل کیا ہے اور جسے کتاب الاصابہ میں ابن حجر نے ترجمہ "زہراء" کے ذیل میں لکھا ہے اس طرح ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی و فاطمہ و حسن و حسین علیہم السلام کے اسماء گرامی لے کر فرمایا: جو ان سے لڑے گا میں بھی اسکے ساتھ بر سر پیکار ہوں اور جو ان کے ساتھ دوستی اور صلح و صفائی سے پیش آئے گا میں بھی اس کے ساتھ اسی موقف میں ہوں اسی طرح ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں مذکورہ حدیث کے مانند اور بھی بہت سی احادیث موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث معاویہ اور اس کے خاندان والوں کو غضبناک بناتی تھیں اسی وجہ سے وہ ہمیشہ اس کوشش میں تھا کہ ابو ہریرہ کو راضی اور خوش رکھ کر ان کا منہ بند کر دیا جائے اس بات کو ابو ہریرہ نے پرکھ لیا تھا اور جب کبھی معاویہ عطا و بخشش میں غفلت سے کام لیتا تو وہ ایسے بیانات پھر جاری کر دیتے جس سے معاویہ غصہ میں آجائے اور عطا و بخشش کے دروازے پھر ان پر کھل جائیں یا پھر حکومت کے عنوان سے وہ دوبارہ مدینہ بھیج دیئے جائیں۔

اب ہم حدیث وعائین کی طرف آتے ہیں۔ بخاری نے ابو ہریرہ سے روایت کی ہے کہ: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث کے "دو ظرف" محفوظ کئے جس میں سے ایک کو نشر کر کے میں نے آشکار کیا لیکن اگر دوسرے کا اظہار کروں تو میری گردن کٹ جائے گی۔ نیز ان کا کہنا ہے کہ جن

۱۔ اسی طرح حاکم نے اپنی مستدرک میں اور طبرانی نے الکبیر میں اسناد کیساتھ ابو ہریرہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

باتوں کا مجھے علم ہے اگر میں انھیں ظاہر کردوں تو لوگ ، مجھے اینٹیں مارنے لگیں گے اور کہیں گے ابوہریرہ دیوانہ ہوگیا ہے[۱]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ : جو کچھ میرے وجود میں پنہاں ہے اگر میں اس کو ظاہر کردوں تو لوگ میری طرف مینگنیاں اچھالنے لگیں گے ۔ اور نیز یہ بھی انھیں کی روایت ہے کہ لوگ کہتے ہیں ابوہریرہ تم بہت حدیثیں بیان کرتے ہو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے " اگر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہوئی تمام باتوں کو بیان کردوں تو تم لوگ میری طرف لید پھینکنے لگو گے اور پھر مجھ سے روبرو نہ ہو گے[۲]۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابوہریرہ نے فقط دو برتنوں پر اکتفا نہیں کی بلکہ دوسری مرتبہ یہ کہا : میں نے رسول مقبول سے پانچ " چرمی توبرے " حاصل کئے جس میں سے دو کو میں نے باہر نکالا اور اگر تیسرے کو ظاہر کرتا تو تم لوگ مجھے سنگسار کردیتے اس کے بعد بھی انہوں نے قناعت سے کام نہیں لیا اور کہا وہ ایک ایسی پُراسرار تھیلی کے حامل ہیں جس سے سوائے ان کے اور کوئی واقف نہیں۔ ابن مکحول ناقل ہیں کہ انہوں نے کہا ایسے بے شمار تھیلے ان کے پاس موجود ہیں جسے انہوں نے کھولا نہیں۔ ان مطالب پر نظر رکھتے ہوئے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ آخر ابوہریرہ تھے کون ؟ اور ان کی شخصیت کیا تھی جنھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اسرار و رموز سے آگاہ کیا جو خود ان کے اپنے مختصات سے تھیں اور جن کو انہوں نے اولیاء ، اصفیاء اور قریب ترین اشخاص سے بھی چھپائے

۱- ان تین خبروں کو ابن سعد نے ترجمۂ طبقات میں نقل کیا ہے۔

۲- کتاب الحلیہ ــ ص ۳۷۱

رکھتا ۔ ابوہریرہ کو دوسروں پر فضیلت کے اعتبار سے ایسا کوئی امتیاز حاصل نہیں تھا جس کے سبب پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ انھیں اپنے سے اتنا قریب کر لیتے اور آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ کے کسی طبقے میں ان کا شمار نہیں ہوتا تھا[۲]۔ کیوں کہ نہ تو وہ سابقین اولین میں تھے نہ مہاجرین و انصار میں، نہ عقبہ اولی و دوم میں، نہ عرفاء میں، نہ زمانہ جاہلیت اور آغاز اسلام کے بزرگوں میں، نہ ان ہستیوں میں جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دفاع کیا کرتے تھے اور نہ ہی عہد پیغمبر و خلفاء کے مفتیوں میں بلکہ وہ فتنۂ کبریٰ کے بعد ابھرنے والوں میں سے تھے۔ پھر نہ تو وہ حافظ و قاری قرآن تھے اور نہ ہی ان کی فضیلت کے باب میں پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی طرف سے

۱۔ اس سلسلے میں ہماری کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ" میں صحیفۂ علی سے مراجعہ فرمائیں۔

۲۔ صحابہ کو فضیلت کی بنیاد پر بارہ درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہم نے ابوہریرہ کو ان درجات میں سے کسی درجہ پر نہیں پایا ۱۔ قدماء سابقین جو مکہ میں ایمان لائے۔ ۲۔ اصحاب دار الندوہ ۳۔ مہاجرین حبشہ ۴۔ اصحاب عقبہ اولی۔ ۵۔ اصحاب عقبہ دوم، ۶۔ مدینے وارد ہونے سے قبل قبا میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پہنچنے والے مہاجرین ۷۔ اہل بدر ۸۔ بدر و حدیبیہ کے درمیانی وقفہ کے مہاجرین ۹۔ اہل بیعت رضوان ۱۰۔ وہ حضرات جنھوں نے حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہجرت اختیار کی ۱۱۔ فتح مکہ میں اسلام لانے والے ۱۲۔ وہ اطفال و بچے جنھوں نے فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ (کتاب الروض الباسم۔ تالیف وزیر یمانی۔ ص ۶۹۔ ۷۰۔ ج ۱)

اس موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات آپ کے حق میں فرمائی علیؑ[1] کے سوا اور کوئی اس سے مفتخر نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا: علیؑ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہو جو نسبت ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی؟ مگر یہ کہ میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ بے شک علی علیہ السلام سے بڑھکر حاملِ اسرار پیغمبرؐ اور کون ہو سکتا تھا!؟ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو پھر حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ، ابو عبیدہؓ و زبیرؓ، ابن مسعودؓ و حذیفہ بن الیمانؓ یا ابو ذر غفاریؓ و سلمانؓ محمدی جیسے افراد اسرار پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصول کے لئے دوسروں سے اولیٰ ہوتے کہ ان میں سے ابو عبیدہ کو تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین امت کا خطاب دیا تھا۔ زبیر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور آپ کے حواریین میں سے بھی تھے، ابن مسعودؓ[2] کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تمہیں اجازت ہے تم ہر وقت میرے پاس مجھ سے ملنے آسکتے ہو[3] کیونکہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس طرح تھے کہ لوگ انھیں آپ ہی کے گھر کا ایک فرد سمجھتے تھے

۱۔ بخاری اور ترمذی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

۲۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قرآن کو چار افراد سے سیکھو: ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) جن کا سب سے پہلے نام لیا۔ معاذ بن جبل، ابی بن کعب اور سالم مولائے حذیفہ (یعنی حذیفہ کے غلام) اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ابو ہریرہ غلام کے درجے تک بھی نہ پہنچ سکے۔

۳۔ اور یہ ابن مسعود کی خصوصیات سے ہے۔

اور صحابہ کے درمیان اسی امتیاز اور برتری کی وجہ سے پہچانے جاتے تھے کہ آپ سب سے زیادہ مقرب بارگاہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں حذیفہ بن الیمان نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منافقین کو پہچاننے کا علم حاصل کیا تھا اور حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا میں بھی منافقین میں شامل ہوں ؟ حذیفہ نے جواب دیا، نہیں اور میں تمہارے بعد کسی کی ستائش نہیں کرتا. نیز یہ کہ شیخین نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان اس طرح تھے کہ انہوں نے اپنے دور سے لے کر قیامت تک کی باتوں کو ہمارے لئے بیان کیا اور کسی چیز کو ہم سے پوشیدہ نہیں رکھا جس کسی نے انھیں یاد رکھا اس کے لئے وہ محفوظ ہوگئیں اور جس نے بھلا دیا اس نے انھیں کھو دیا۔ نیز احمد و مسلم نے ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: خدا کی قسم مجھے اب سے قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے ہر حادثہ کا بھرپور علم ہے اور یہ کوئی ایسی راز کی بات نہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقط مجھ ہی سے بیان کی ہو اور دوسرے اس سے محروم رہے ہوں. بلکہ آپ نے ان مطالب کو ایک مجلس میں بیان فرمایا۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔ حذیفہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ: میرے علاوہ اس مجلس کے شریک، تمام افراد رحلت کر چکے ہیں[2]۔

۱۔ یہی بات اصول رسالت کے موافق ہے کیونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت سب لوگوں کے لئے تھی ایسی صورت میں اس جلیل القدر صحابی کی دیانت اور امانت پر نظر رکھنی چاہیئے کہ کس طرح انہوں نے اس بات کی تصریح کی کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو بطور تنہا خصوصیت کے ساتھ ان سے نہیں کہا۔"

اور سب جانتے ہیں کہ حذیفہ کا انتقال فتنہء قتل عثمانؓ کے بعد ہوا۔
ابوذر غفاریؓ کا شمار سابقین اولین اور نجباءِ صحابہ میں ہوتا ہے جن کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے آغوش نہیں پھیلائی اس شخص کے لئے جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو، جو کوئی زہد عیسیٰ بن مریم دیکھنا چاہتا ہے وہ ابوذر کی طرف دیکھے۔ ان برجستہ صفات کے حامل جلیل القدر صحابی نے کہا ہے، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل اور میکائیل سے حاصل کردہ کسی چیز کو اپنی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ میرے ظرفِ علم میں بھر دیا۔ میں نے بھی بغیر فرو گذاشت کے اس کو من و عن مالک بن ابی حمزہ کے حوالے کیا۔ سلمان فارسیؓ کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ سلمان ہم اہل بیت سے ہیں۔ اور اگر دین ثریا پر ہو تو سلمان اس کو حاصل کرنے والے ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا۔ سلمان فارسی، لقمان حکیم کے مانند ہیں۔ انہوں نے علوم اولین و آخرین کو حاصل کیا۔ سلمان علم کا وہ سمندر ہیں جو کبھی خشک نہیں ہوتا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سلمان راتوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خلوت میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ ان سب سے گذر کر ایک اور ہستی کا وجود بھی پایا جاتا ہے جنہوں نے پیغمبر کی مصاحبت ایک عرصہ دراز سے اختیار کی ہوئی تھی اور جو سفر و حضر میں آپ کے ملازمین اور مقربین میں شامل تھے ان کا تعلق بھی اہل صفہ سے تھا اور ابوہریرہ سے زیادہ نقل حدیث کے لئے سزاوار تھے اور پیغمبرؐ سے منسوب کرکے ایسی احادیث بیان کر سکتے تھے جس پر کسی کو دسترس حاصل نہیں مگر ایسا نہیں تھا وہ ایک فروتن اور متواضع انسان تھے جنہوں نے حق مصاحبت پیغمبرؐ با حسن وجوہ ادا کیا۔ یہ شخصیت سلمیٰ کی ہے جن کے بارے میں ابن عبدالبر

نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ ربیعہ بن کعب کا تعلق اہل صفہ سے تھا انھیں سفر و حضر میں ملازمت پیغمبر کا افتخار حاصل تھا۔ انہوں نے بہت پہلے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت اختیار کی تھی اور آپ کے بعد طویل عرصے تک زندہ رہے۔ ان کا انتقال واقعہ حرہ کے بعد سنہ ۶۳ ہجری میں ہوا۔ یہ وہی ہستی ہیں جنھوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خواہش کی تھی کہ بہشت میں آپ کے ساتھ رہیں اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: کثرت سجود میں اپنے آپ کو مجھ سے ملحق کر دو اس روایت کو اوزاعی نے یحیی بن ابی کثیر کے واسطے ابو سلمہ سے ربیعہ بن کعب کی زبانی نقل کیا ہے[1]۔ یہ تمام حضرات کل صحابہ سے اولی و ارفع تھے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مخصوص گفتگو انھیں حضرات کیساتھ کیا کرتے تھے اور اگر اس گفتگو کے لئے فقط ایک ہی صحابی کو تخصیص دی جائے تو بقول بعض علماء کے یہ بات نعوذ باللہ من ذالک پیغمبرؐ کی خیانت پر محمول ہو گی۔

۱۔ کتاب الاستیعاب۔ ص ۱۸۴ ۔ ج ۱۔ اور کتاب انساب الاشراف بلاذری۔ ص ۲۷۳ ۔ ج ۱۔

حدیثِ مِزود

اس دلچسپ داستان کا تیسرا اور آخری حصّہ "حدیث مزود" ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ابوہریرہ نے اس موقع پر کہی جب وہ بنی امیہ کی حکومت سے مستفید ہو رہے تھے اور انہوں نے اپنے لئے ایک بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کے پاس ایک چرمی تھیلا تھا جس سے وہ دو سو[2] بار شتر خرمے کھا چکے تھے اور اگر وہ اسے نہ کھوتے اور معاویہ کا لشکر

اسے لے نہ جاتا تو وہ آخر عمر تک اس سے کھاتے ہی رہتے ہیں تاہم اس کے عوض معاویہ کی طرف سے انھیں بے شمار فائدے حاصل ہوئے اور وہ اپنی دلی مراد کو پہنچ گئے۔ یہ ہے حدیث مزود[1] جسے انہوں نے خود بیان کیا ہے کہ: اسلام میں تین مصیبتیں میرے سر آئیں کہ اس سے پہلے کبھی ایسی قیامت مجھ پر نہیں ٹوٹی اول، وفات پیغمبر کہ میں ان کا ایک ادنیٰ صحابی تھا۔ دوم: قتل عثمانؓ (یہ بالکل بجا درست اور قدرتی امر ہے) سوم: مزود، ان سے پوچھا گیا مزود کیا ہے۔؟ انہوں نے کہا کہ: ہم ایک سفر میں رسُولِ خداؐ کے ساتھ تھے۔ (بندۂ خدا آخر کونسا سفر؟؟)[2] پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہ علیہِ والہٖ وسلّم نے مجھ سے فرمایا: ابوہریرہ کھانے کو تمہارے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کی: کچھ خرمے میرے چرمی تھیلے میں موجود ہیں۔ آپؐ نے فرمایا، لے آؤ میں نے ان خرموں کو باہر نکالا۔ اس کے بعد پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہ علیہِ والہٖ وسلّم نے انکو مس کیا اور کچھ دعا پڑھکر پھونکی، پھر فرمایا دس آدمیوں کو آواز دو، دس آدمی حاضر ہوئے اور انہوں نے ان خرموں کو نوش کیا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔ اس کے بعد تمام لشکر گروہ در گروہ آیا اور سب نے ان خرموں سے اپنا پیٹ بھرا۔ (ماشاء اللہ) اس کے بعد کچھ دانے بچ گئے۔ جنھیں میں نے واپس اپنے برتن میں ڈال لیا، پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہ علیہِ والہٖ وسلّم نے فرمایا: ابوہریرہ جب تمہارا دل چاہے ہاتھ ڈال کر اسمیں سے خرمے نکال لو

۱۔ مزود زیر کے ساتھ کھجوروں کا برتن جسے دباغی شدہ چمڑے سے بنایا جاتا ہے ہے

۲۔ کیسا لشکر؟ کونسا غزوہ؟ انہوں نے اس چرمی تھیلے کو صفہ میں لٹکایا یا اپنے ساتھ بحرین لے گئے؟ اور اگر ابوہریرہ، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءؓ ثلاثہ کے دور میں اس تھیلے سے کھاتے رہے تو پھر کیوں پیٹ بھرنے کے لیے انہوں نے در در کی ٹھوکریں کھائیں اور لوگوں کو روک روک کر آیات قرآنی کے بارے میں سوالات کئے تاکہ اس طرح کوئی ان کا پیٹ بھر دے یا چھپر دو کر دیئے جائیں۔

اور کسی بات سے مطلب نہ رکھو، ابوہریرہ کہتے ہیں: میں طول حیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی تھیلے سے کھاتا رہا اور آپ کے بعد حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے زمانوں میں بھی اسی طرح یہ عمل جاری رہا اور جب قتل حضرت عثمانؓ عمل میں آیا[1]۔ تو جو کچھ میرے پاس تھا سب کا سب غارت ہوا۔ جس میں خرموں کا یہ چرمی تھیلا بھی شامل تھا۔ تم جاننا چاہتے ہو کہ میں نے اس میں سے کتنا کھایا؟ دو سو بار شتر سے زیادہ اگر ابوہریرہ نے یہاں اس کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کے چرمی تھیلے میں خرمے تھے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں طلب فرما کر مس کیا اور پھر تمام لشکر کو بلا کر کھلایا۔ تو احمد بن حنبل کی مسند میں نقل شدہ دوسری روایت کے مطابق جس کے اسناد بھی صحیح نظر آتے ہیں۔ وہ اس طرح گویا ہوئے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کچھ کھجوریں عنایت فرمائیں۔ میں نے بھی اسے اپنے تھیلے میں نہیں۔ زنبیل میں ڈال کر گھر کی چھت سے لٹکا دیا[2]۔ ہم مستقل اُس سے کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ آخر کار مدینہ پر دھاوا بولتے وقت اہل شام کے ہاتھوں لگی۔ یعنی جس وقت بسر بن ارطاہ کا لشکر معاویہ کی جانب سے اہل مکہ و مدینہ

۱۔ حقیقت امر یہی ہے کہ قتل حضرت عثمانؓ کو اپنے مصائب میں شمار کرنے کا مفہوم یہی ہے کہ اُن کے ساتھ اپنی دوستی کو ثابت کریں کیونکہ امویوں کے پاس حضرت علیؑ کی ضد میں جو اہم حربہ تھا۔ وہ بس یہی تھا کہ حضرت عثمانؓ مظلوم قتل ہوئے اور علی علیہ السلام کا یہ فرض تھا کہ ان کے قاتلین سے انتقام لیں ایسی حالت میں کیا یہ صحیح ہے کہ قتل عثمانؓ پر ابوہریرہ کا غم و اندوہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صدمہ سے نسبتاً کم ہو۔

۲۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے زنبیل کو اپنے گھر کی چھت سے لٹکا دیا درانحالیکہ اُن کا کوئی گھر نہیں تھا بلکہ اُن کی جگہ صفا تھی۔

کی سرکوبی کے لئے حملہ آور ہوا اور اگر معاویہ کا شکر ابوہریرہ کے اس طلسماتی تھیلے کو اپنے ساتھ لے گیا تو معاویہ پر اس کا عیوض بھی لازم تھا اور اتفاقاً ایسا ہی ہوا اور معاویہ نے مالِ کثیر ابوہریرہ کے لئے روانہ کیا۔ یہاں بھی جہاں انہوں نے احمد بن حنبل کی روایت کے مطابق کھجوروں کے تھیلے کو گھر کی چھت سے لٹکا ہوا پایا ہے۔ تو سیر اعلام النبلاء میں ذہبی کی روایت کے مطابق یہ تھیلا ہمیشہ ابوہریرہ کی کمر سے لٹکا رہتا تھا۔ ذہبی کی روایت اس طرح ہے کہ ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے چند دانے خرما کے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان خرموں پر دعا پڑھ دیں تاکہ اس میں برکت پیدا ہو جائے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان خرموں کو ایک چرمی تھیلے میں ڈال دو اور جب کھانا چاہو ہاتھ ڈال کر نکال لو۔ مگر انھیں بکھیرنا نہیں۔ اس کے بعد ابوہریرہ کہتے ہیں میں نے ان خرموں سے اتنے ڈھیر بارِ شتر راہِ خدا میں تقسیم کئے کہ خود بھی کھائے اور دوسروں کو بھی کھلائے اور وہ تھیلا ہمیشہ میری کمر سے لٹکا رہتا تھا۔ اور میں اسے اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ لیکن قتل حضرت عثمانؓ کے بعد میں نے اسے کھو دیا۔ یہ تھے۔ ابوہریرہ کی عجیب و غریب داستان کے تین موضوع جنھیں ہم نے بصیرت رکھنے والی آنکھوں اور نور بصارت سے معمور قلوب کے لئے پیش کیا تاکہ یہ موضوع عمیق تحقیقات کا موجب بنے اور ان کی صحت و سقم روایات پر صحیح فیصلے عمل میں آئیں۔ اور اگر ہم

۱۔ یہاں پر ابوہریرہ یہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ تھیلا ان کی کمر سے کبھی جدا نہیں ہوتا تھا اور یہ بات ہمارے مشائخ کے نزدیک جائز ہے۔ ص ۴۵۲۔ ج ۲۔ کتاب سیر اعلام النبلاء شیوخ حدیث کے مطابق حدیث مزود کو امام احمد نے دو طریقوں سے بیہقی نے دو اور طریقوں سے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ البدایۃ والنہایہ۔ ص ۱۱۸۔ ج ۸

سے پوچھا جائے تو اس سلسلے میں ہم قطعی طور پر یہ کہیں گے کہ اس قسم کی احادیث کی کوئی حقیقت نہیں اور ابوہریرہ خود انھیں بزرگان صحابہ کے سامنے پیش کرنے کی جرائت نہیں رکھتے تھے بلکہ انہوں نے ان روایات کو معاویہ کے زمانے میں بیان کیا جو ان کی تائید اور کمک کیا کرتا تھا اور یہ امر واضح ہے کہ معاویہ کے زمانے میں مومنین کے ایک ناقابل بیان مختصر گروہ کے علاوہ کسی میں حق بات کہنے کی جرأت نہیں تھی اور اگر یہ کہکر کہ ابوہریرہ کی تاریخ عجائبات کا ایک مجموعہ تھا امکان سکوت کو روبعمل لایا جائے اور اغماض وچشم پوشی پر زور دیا جائے۔ جب بھی یہ تین مضحکہ خیز اچھوتی داستانیں جو انسان کو محو حیرت بنا دیتی ہیں کسی طرح بھی قابل اغماض وچشم پوشی نہیں کیوں کہ فرسودہ اور کمزور عقلوں کے علاوہ کوئی عقل اسے باور کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم سکوت اختیار کرکے اس سلسلے میں بحث سے صرف نظر نہیں کرسکتے اور حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ اس قسم کی اچھوتی داستانیں یا تعجب خیز خرافات روز اول سے آج تک تاریخ اسلام میں اسی طرح نافذ و برقرار ہیں اور بیشتر مسلمانوں کے عقول وافکار میں درج بس گئی ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج تک کسی نے اس بارے میں گفتگو نہیں کی اور کوئی اہل قلم یا صاحب نطق و بیان اس موضوع کے متعلق بحث نہیں کرتا اس کے برعکس بہت سے یہ کہتے ہیں کہ ہم کیونکر انھیں تسلیم نہ کریں۔

درآں حالیکہ ان کا راوی جلیل القدر صحابی ہے اور صحابی ہے اور صحابہ جن باتوں کو نقل کریں وہ ہمارے لئے صحیح اور لازم الاتباع ہیں اور اس بارے میں کسی قسم کا شک وتردید جائز نہیں ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر دوسروں کو ہم پر خندہ زن کرنے والی یہ روش پرانے دور کی پیداوار اور کورکورانہ اتباع وجمود کا نتیجہ ہے تو خوش قسمتی سے آج کسی طرح بھی اس کی متابعت نہیں کی جاسکتی خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ اس قسم کے خرافات کے پس پشت ایک بہت اہم اور

عظیم موضوع پایا جائے۔ ضرورت ہے کہ اس پر توجہ دے کر عبرت حاصل کی جائے اور وہ اہم موضوع یہ ہے کہ ابوہریرہ کی تمام روایات کا تعلق براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور دین مبین اسلام سے ہے۔ اس صورت میں ان روایات پر سکوت اختیار کرنا یا انھیں مان لینا آنحضرتؐ کی شخصیت وحیثیت پر کاری ضرب لگانا ہے اور بدگوئی کرنے والوں کے لئے موقع فراہم کرنا ہے کہ وہ آپؐ پر اور آپ کے دین پر دل کھول کر طعنہ زنی کریں کیوں کہ اس دور میں ہر شخص ہر چیز کو عقل وخرد کی کسوٹی پر پرکھ کر میزان علم کے ساتھ اس کی آزمائش کا عادی ہے۔ ایسی صورت میں اس قسم کی خرافات سے چشم پوشی دوسروں کے لئے موقع فراہم کرتی ہے کہ وہ کہیں کہ اس پیغمبر کا دین خرافات سے آلودہ اور اس کے اقوال یاوہ گوئی پر منحصر ہیں۔ (معاذ اللہ) حالانکہ حقیقت امر اس کے بالکل برعکس ہے ہمارے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہی اس لئے ہوئے کہ آپ اوھام وخرافات کی بیخ کنی فرمائیں اور اپنے ساتھ اس دین کو لائیں جس کی بنیاد عقل سلیم اور فکر صحیح پر ہو اور اگر ہم اس قسم کے مطالب کو کمال تاسف و اندوہ کے ساتھ بیان کر رہے ہیں تو فقط اس لئے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید وہ وقت آگیا ہے کہ مسلمانوں کے خردمند علماء اپنی تاریخ اور اپنے دین کو اوہام وخرافات کی آلودگیوں سے پاک کریں تاکہ جمال دین مبین اسلام دانش وخرد کے آئینہ میں منشاء الٰہی کے مطابق بہترین صورت کے ساتھ نکھر کر انظار عالم میں جلوہ نمائی کرے۔ اس منزل پر پہنچ کر اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ ان دلچسپ اور تازہ موضوعات پر بھی کسی قدر خامہ فرسائی کریں۔ جنھیں ابوہریرہ نے معاویہ اور اس کی حکومت کے حق میں تیار کیا ہے۔

آل ابی العاص اور تمام بنی امیہ کے حق میں

ابوہریرہ کی خدمات

ابوہریرہ نے جن خدمات کو آل ابی العاص کے لئے بالعموم اور بنی امیہ اور معاویہ کے لئے بالخصوص انجام دیا وہ تلوار سے جہاد نہ تھا بلکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ان کی خدمات ان خود ساختہ احادیث کی نشر و اشاعت کے ذریعہ تھی جس میں حضرت علی علیہ السلام اور آپ کے اصحاب کی مذمت کی جاتی تھی اور لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا جاتا تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے دوری اور بیزاری اختیار کریں اور پھر اس کے بعد وہ فضائل عثمانؓ و معاویہ پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ فضل حضرت عثمانؓ میں جن روایات کو انہوں نے بیان کیا ان میں سے ایک روایات وہ ہے جسے بیہقی نے ان سے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے کہ جب حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور تھے تو ابوہریرہ ان کے مکان میں داخل ہوئے اور ان سے گفتگو کی اجازت چاہی، جب حضرت عثمانؓ نے اجازت دی تو ابوہریرہ نے کہا: میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے تم لوگ میرے بعد فتنہ و اختلاف کا مشاہدہ کرو گے۔ ایسے میں کسی نے آپؐ سے پوچھا: یا رسول اللہ[1]! اس وقت ہم کیا کرنا چاہیئے یا کہاں پناہ لینی چاہیئے؟ آپؐ نے فرمایا تمہارا فرض ہے کہ اس وقت امیر اور اس کے ساتھیوں کی اتباع کرو یہ کہتے ہوئے ابوہریرہ نے حضرت عثمانؓ کی طرف اشارہ کیا۔ اس حدیث کو احمد بن حنبل نے مستحسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز یہ کہ جب حضرت عثمانؓ قرآن مجید تحریر کر رہے تھے تو ابوہریرہ ان کے پاس آئے اور کہا: واہ! کیا نیک کام انجام دے رہے ہو خدا تمہیں کامیاب کرے، گواہی دیتا ہوں کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ: میرے سچے دوست وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور مجھ پر

۱۔ البدایہ والنہایہ — ص ۱۶ — ج ۷

ایمان لائیں گے دراں حالیکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔ وہ ان اوراق معلق میں لکھی جانے والی باتوں کی تصدیق کریں گے۔ میں نے اپنے تئیں کہا کونسے اوراق؟ یہاں تک کہ میں نے ان مصحفوں کا مشاہدہ کیا۔ یہ بات حضرت عثمان رضؓ کو آتی بھائی کہ انہوں نے حکم دیا کہ دس ہزار (درہم یا دینار؟) ابوہریرہ کو دے دیئے جائیں۔ اس روایت کا شمار بھی ابوہریرہ کی اچھوتی روایتوں میں ہوتا ہے جسے انہوں نے بلاشبہ سابقہ روائیت کی طرح اسی موقع پر جعل کیا۔ نیز یہ کہ ابن عساکر، ابن عدی اور خطیب بغدادی نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ: خداوند عالم نے تین افراد کو اپنی وحی کا امین بنایا ہے۔ میں، جبرئیل اور معاویہ، اور ایک دوسری مرفوع روایت[1] میں ان سے نقل ہوا ہے کہ: امناء تین افراد تھے: جبرئیل، میں اور معاویہ۔ جن موارد میں ابوہریرہ نے معاویہ کے ساتھ عبادہ بن الصامتؓ کی مخالفت نے شدت اختیار کی اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ معاویہ نے ابوہریرہ سے شام میں کہلا بھیجا کہ جاؤ اور اپنے دوست عبادہ کی زبان بند کردو۔ ابوہریرہ عبادہ کی خدمت میں آئے اور ان سے کہا عبادہ تمہیں معاویہ سے کیا سروکار؟ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ وہ جو چاہے کرے تم خاموش رہو۔ عبادہ نے کہا ابوہریرہ تم اس وقت ہمارے ساتھ نہ تھے۔ جب ہم نے پیغمبر اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہاتھ پر اس شرط پر بیعت کی کہ آپکی اطاعت و فرمانبرداری کریں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندی کریں اور راہ خدا میں پیش آنے والے کسی حادثہ سے نہ گھبرائیں۔ یہ سُن کر ابوہریرہ نے سکوت اختیار کیا[2]۔ معاویہ سے ابوہریرہ کی دوستی کا ایک مظاہرہ

۱۔ البدایہ والنہایہ۔ ص ۱۲۰۔ ج ۸

۲۔ اعلام النبلاء ذہبی۔ ص ۷۔ ج ۲

اس وقت عمل میں آیا۔ جب معاویہ نے انھیں اور ابو الدرداء کو علی علیہ السلام کے پاس بھیجا کہ جا کر انھیں شوریٰ کی دعوت دیں۔ ایسے میں ان کا سامنا عبدالرحمٰن بن غنم الاشعری سے ہوا جو شام کے فقیہ ترین شخص اور جلالت ومنزلت میں خاص مقام کے حامل تھے عبدالرحمن نے اپنی گفتگو میں ان سے کہا مجھے تم دونوں پر تعجب ہے کہ تم نے کیسے گوارا کیا کہ یہ کام انجام دو۔ تم لوگ علیؑ کو دعوت دینا چاہتے ہو کہ خلافت کو شوریٰ کے حوالہ کریں؟؟ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ عموم مہاجرین وانصار کے علاوہ اہل حجاز وعراق نے بھی ان سے بیعت کی ہے اور جو لوگ آپ کی بیعت سے خوشنود ہیں اور ان لوگوں سے بہتر ہیں جو اس امر سے ناخوش ہیں اور بیعت کرنے والے سرتابی کرنے والوں سے بہرحال اچھے ہیں۔ اس کے علاوہ معاویہ کا شوریٰ سے کیا واسطہ کیونکہ اس کا تعلق "طلقاء" سے ہے اور طلقاء پر خلافت مسلمین جائز نہیں۔ اس کے علاوہ وہ اور اسکا باپ احزاب کے سرداروں میں سے ہیں۔ یہ سن کر ابوہریرہ اور ابو الدرداء پشیمان ہوئے[1]۔ نیز یہ کہ معاویہ نے ابوہریرہ کو نعمان بن بشیر کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں بھیجا تاکہ وہ آپ سے قاتلین عثمانؓ کا مطالبہ کریں حالانکہ معاویہ پر اچھی طرح واضح تھا کہ یہ ایک ناممکن امر ہے کیونکہ اوّل تو یہ کہ قاتلین عثمانؓ مشخص ومعلوم نہیں تھے، دوسرے معاویہ ان کے عاکمہ کا اہل نہیں تھا مگر اس طرز عمل سے معاویہ کا مقصد کچھ اور تھا وہ نعمان بن بشیر اور ابوہریرہ کو جو اس کے دوستوں میں سے تھے علی علیہ السلام کی اس امر میں مخالفت پر لوگوں کے روبرو گواہ بنانا چاہتا تھا۔ اور اتفاقاً یہی ہوا ابوہریرہ نے شام میں مشہور کردیا کہ علی علیہ السلام قاتلین عثمانؓ کی حمایت کررہے ہیں اور انھیں محاکمہ

۱۔ الاستیعاب، ابو عبداللہ۔ ص ۴۱۴

سے بچا رہے ہیں اور یہ کہ معاویہ ہی وہ واحد شخص ہے جو حضرت عثمانؓ کا طرفدار ہے۔ پھر جب خوارج نے حضرت علی علیہ السلام پر خروج کیا اور جنگ کی ہولناک آگ آپ کے اور معاویہ کے درمیان بھڑک اٹھی تو ابوہریرہ اسے سرد کرنے لگے اور لوگوں کو جنگ سے روکنا شروع کیا۔ معاویہ کی یاوری میں یہ امر ابوہریرہ کا تنہا اسلحہ تھا جسے وہ اپنے دائرہ تبلیغات میں حدیث پیغمبرؐ کے عنوان سے روایت کیا کرتے تھے۔ انھیں احادیث میں اس مضمون پر مشتمل احمد کی وہ حدیث ہے جسے انہوں نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ بہت جلد فتنے سر اٹھانے لگیں گے۔ ان فتنوں سے دست بردار ہونے والے قیام کرنے والوں سے بہتر ہوں گے اور قیام کرنے والے چلنے والوں سے بہتر ہوں گے۔ چلنے والے کوشش اور جدوجہد کرنے والوں سے بہتر ہوں گے۔ اس موقع پر جس کسی کو جہاں پناہ ملے اپنے آپ کو محفوظ کرلے۔ ابوہریرہ اس حدیث کو روایت کر رہے تھے اور خود جانتے تھے کہ ان کی یہ روایت قرآن کی مخالفت کر رہی ہے۔ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ (تو لڑو اس سے جو ظلم و زیادتی کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلے کی طرف رجوع کرے) دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ابوہریرہ نے دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کی جنگ نے شدت اختیار کرلی ہے اور قریب ہے کہ علی علیہ السلام غالب آجائیں اور باطل پرست معاویہ شکست سے ہمکنار ہو تو انہوں نے فروتنی اور انکساری

۱۔ الاستیعاب، ابو عبداللہ۔ ص۔ ۱۴۴

۲۔ **جہاں ارشاد رب العزت ہے۔** وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۹ ناشر (سورہ الحجرات۔ آیت ۹)

کو اپنایا لیکن جس وقت ظلم و ستم کو غلبہ حاصل ہوا تو ابوہریرہ نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹائی اور معاویہ کے مقابل میں اظہار دوستی سے خودنمائی کرنے لگے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اہل مدینہ کی سرکوبی کے لئے معاویہ کی طرف سے بھیجے جانے والے شخص بسر ارطاہ کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور اخذ بیعت میں اس کا جی بھر کر ساتھ دیا اس کے عوض بسر بن ارطاہ نے انہیں والی مدینہ مقرر کیا اور امام جماعت کے فرائض بھی انھیں کے حوالے کئے۔ یہاں تک کہ جاریہ بن قدامہ السعدی حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے دو ہزار سواروں کے ساتھ مدینہ پر متصرف ہوئے اور جب ابوہریرہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ جاریہ نے ہر طرف انھیں تلاش کیا مگر وہ کہیں نہ ملے۔ آخر سخت مایوسی کے عالم میں انہوں نے اپنے مشہور جملے کو زبان پر جاری کیا اور کہا: **اگر ابوسنور ھاتھ لگ جائے تو میں اسے یقیناً موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔**[1]

واضح ہونا چاہیئے کہ معاویہ کی جانب سے اپنی دوستی اور تعلقات خاص کے سبب ابوہریرہ کی مدینہ پر تقرری وہ امر ہے جسے تمام مورخین نے لکھا ہے[2]۔ اس دوستی کا بھی ایک راز ہے جسے صاحبان عقل و خرد اچھی طرح جانتے ہیں۔ ابوہریرہ کی بنی امیہ سے دوستی اس حد تک بڑھی کہ وہ رات دن لوگوں کو متنبہ کرنے لگے کہ خبردار کہ جو کچھ حکومت کے عمال تم سے طلب کریں بغیر حساب و کتاب انھیں دیدو ان کے احکامات سے سرتابی نہ کرو اور ان کے لئے برُے الفاظ استعمال نہ کرو، عجاج بیان کرتے ہیں کہ[3] ایک دن ابوہریرہ نے مجھے دیکھا اور پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا عراق کا۔ انہوں نے کہا: بہت جلد حکومت کے عمال

۱۔ ملاحظہ فرمایئے، تاریخ ابن اثیر۔ ص ۱۵۳۔ ج ۳

۲۔ تاریخ کبیر ذہبی۔ ص ۳۳۴۔ ج ۳ ملاحظہ فرمایئے۔

۳۔ کتاب الشعراء ابن قتیبہ۔ ص ۵۷۲

اس سرزمین پر آئیں گے اور تم سے زکواۃ کا مطالبہ کریں گے اس وقت تمہیں ان کی بات مان لینی چاہیئے اور جب نہ عراق کی سرزمین پر پہنچیں تو تم ان کے راستے سے ہٹ جانا اور ان سے کسی قسم کا سروکار نہ رکھنا خبردار کہیں ان کی برائی نہ کر بیٹھنا نہیں تو تمہارا نام اجر زائل ہو جائے گا۔ وہ لوگ تم سے بھی زکواۃ وصول کریں گے لیکن اگر تم نے صبر و شکیبائی سے کام لیا تو تمہارے نیک اعمال کا پلڑا قیامت کے دن بھاری ہو جائے گا۔ اس طرح کی روایات کا ایک دفتر کھلا ہوا ہے اور ہنسنے ہنسانے کے لئے یہ ایک دوسری خبر بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

معاویہ کا رُخ زیبا

ابوہریرہ نے ایک دن طلحہ کی بیٹی عائشہ کو جو حسن و جمال میں شہرہ آفاق تھی دیکھ کر کہا: سبحان اللہ! گھر والوں نے تمہیں کس ناز و نعم سے پالا ہے (خدا کی قسم) میں نے تم سے زیادہ خوبصورت چہرہ نہیں دیکھا مگر معاویہ جب وہ رسولؐ خدا کے منبر کی زینت بنتا تھا اس وقت اس کا چہرہ تم سے زیادہ حسین و زیبا معلوم ہوتا تھا[1]۔

۱۔ کتاب الشعر والشعراء ابن قتیبہ ۔ ص ۵۷۲

ابو هریرہ
حضرت علی علیہ السلام کی
بدگوئی میں
احادیث جعل کرتے ہیں

ابوہریرہ نے حضرت علی علیہ السلام کی مذمت میں کثرت کے ساتھ جعلی حدیثیں نقل کی ہیں جنھیں بیان کرنے کے لئے بہت وقت درکار ہے یہاں پر ہم فقط چند روایات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ابوجعفر اسکانی کہتے ہیں[1] معاویہ

۱۔ عقد الفرید ۔ ص ۱۰۱ ۔ ج ۶

نے صحابہ اور تابعین کے ایک گروہ کو اس بات پر مامور کیا تھا کہ وہ حضرت
حضرت علی علیہ السلام کی بدگوئی میں غلیظ اور بے بنیاد روایتوں کو بیان کریں
تاکہ لوگ آپکو طعن وتشنیع کا نشانہ بنا کر آپ سے دوری اختیار کریں۔ اس کام کیلئے
اس نے ایک معقول معاوضہ بھی ان کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ انہوں نے معاویہ کی خوشنودی
کے لئے کثرت کے ساتھ جعلی حدیثیں نشر کیں۔ جن میں ابوہریرہ، عمرو بن العاص
مغیرہ بن شعبہ اور تابعین میں عروۃ ابن الزبیر وغیرہ شامل ہیں۔ نیز اعمش
نے روایت کی ہے کہ، جس وقت ابوہریرہ، معاویہ کے ساتھ سال جماعت
(۴۱ ہجری) میں (جو درحقیقت فرقت اور جدائی کا سال تھا) مسجد کوفہ
آئے اور انہوں نے دیکھا کہ لوگوں کے ایک جم غفیر نے ان کا استقبال کیا ہے
تو دو زانو ہو کر کئی مرتبہ اپنا سر پیٹا اور کہا: اے اہل عراق تم لوگ یہ سمجھتے
ہو کہ میں پیغمبر ص کی نسبت جھوٹ بول کر[1]۔ اپنے لئے دوزخ مول لے رہا
ہوں۔ (خدا کی قسم) میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ آپ ص
فرما رہے تھے۔ ہر پیغمبر کے لئے اس کا ایک حرم ہے اور میرا حرم مدینہ میں عیرو
ثور[2] کے درمیان ہے۔ جو کوئی اس میں کسی بدعت کو جنم دے اس پر خدا اس کے
ملائیکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ علی
علیہ السلام نے اس میں بدعت کو جنم دیا! اور جب معاویہ نے یہ باتیں سنیں

۱۔ یہ بات اس امر پر دلیل ہے کہ ابوہریرہ کی جھوٹی حدیثوں نے شہرت اختیار
کرلی تھی اور ہر طرف اس کے چرچے تھے۔

۲۔ صاحب معجم البلدان نے حرف "ثا" کے باب میں لکھا ہے ثور مکہ کا ایک پہاڑ
ہے جس کے غار میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ لی تھی، اور حدیث میں وارد ہوا
ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیر یا ثور کی تحریم کی، ابو عبید کا کہنا ہے کہ: مدینہ
کے لوگ ایسے کسی پہاڑ کو نہیں جانتے جس کا نام ثور ہو۔ اہل حدیث نے روایت کی ہے کہ

تو اس نے ابوہریرہ کو انعام و اکرام سے نوازا اور مدینے کی امارت ان کے حوالے[1] کی۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود کہنا پڑتا ہے کہ حق کبھی بے یار و مددگار نہیں رہا اور اگر صحابہ میں ابوہریرہ، مغیرہ بن شعبہ، عمرو بن العاص اور ایسے دوسرے افراد جن کی کھال میں اتر کر معاویہ انھیں فریب دے سکا موجود تھے تو اس کے برعکس ایسے افراد بھی تھے جنھیں نہ کوئی وعدہ خرید سکتا تھا اور نہ وہ کسی تہدید سے خائف ہوئے تھے۔ سفیان ثوری نے عبدالرحمٰن بن قاسم کے واسطے عمرو بن عبدالغفار سے نقل کیا ہے کہ جب ابوہریرہ معاویہ کے ہمراہ وارد کوفہ ہوئے[2] تو انہوں نے راتوں کو باب الکندہ میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ ایک رات کوفہ کا ایک نوجوان ان کی مجلس میں حاضر ہوا اور انھیں مخاطب کر کے کہا: ابوہریرہ تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کیا تم نے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مابین ثور واحد کی تحریم کی ہے اور بعض رواۃ نے کہا ہے: عیر سے کدی تک۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکہ میں عیر نامی ایک پہاڑ ہے اور اس امر پر اعتقاد غیر ممکن ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مابین عیر و ثور کی تحریم کی ہو۔ کیوں کہ بالاجماع یہ مکان مباح ہے۔ قرۃ العین کی تحریر کے مطابق ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیر سے ثور تک کے درمیانی مکان کی تحریم کی ہے عیر و ثور دو پہاڑ ہیں۔ عیر مدینہ اور ثور مکہ کا پہاڑ ہے۔ یہ ایک بے معنی روایت ہے کیونکہ یہ مقام بالاجماع غیر محرم ہے۔ بعض اہل حدیث کا کہنا ہے کہ صحیح روایت یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عیر سے احد تک کے درمیانی حصہ کی تحریم کی ہے اور یہ دونوں پہاڑ مدینہ میں ہیں۔ ص ۲۶-۲۰۔ ج ۳ اور ص ۲۴۶۔ ج ۶

۱۔ شرح نہج البلاغہ۔ ص ۳۵۹

۲۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ ہر سفر میں ابوہریرہ کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ وہ اس کے لئے تبلیغ کرے۔

رسولِ خداؐ کو علی بن ابی طالب کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ: خداوندا تو اس کو دوست رکھ جو اسے دوست رکھے اور اس کو دشمن رکھ جو ان سے دشمنی کرے؟ ابوہریرہ نے کہا: ہاں، خدا کی قسم میں نے سنا۔ نوجوان نے کہا: میں بھی خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ تم نے ان کے دشمن کے ساتھ دوستی کی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ایک زوردار مکہ ابوہریرہ کے منہ پر مارا اور وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔ مسلم نے سعد بن العاص سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے پوچھا: کس چیز نے تمہیں سبِّ ابوتراب سے باز رکھا ہے[1]۔ سعد نے کہا: مجھے یاد ہے کہ پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے ان کے بارے میں تین باتیں فرمائی ہیں جن کے سبب میں انھیں بُرا نہیں کہہ سکتا اور اگر ان تین باتوں میں سے ایک بات بھی میرے لئے ہوتی تو میں اسے ہر سرمایہ سے بہتر جانتا۔ باقی حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے۔

ابن عباس نے کہا ہے کہ علی علیہ السلام کو چار امتیاز حاصل تھے جو کسی اور کو نہ تھے۔ آپؑ پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے ساتھ نماز ادا کرنے والے پہلے شخص تھے۔ آپؑ نے ہر لڑائی میں رسولِ خداؐ کی علمبرداری کی اور جس وقت پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو تنہا چھوڑ کر سب بھاگ گئے تو آپ ہی نے کمال شکیبائی کے ساتھ ان کا ساتھ دیا اور یہ کہ علی علیہ السلام پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کو غسل دینے والے اور لحد میں اتارنے والے تھے اس کے بعد اور کون سی فضیلت رہ جاتی ہے جبکہ پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے وصیت فرمائی کہ علی علیہ السلام کے علاوہ اور

۱۔ یعنی جسطرح میں نے حکم دیا ہے اور سب اس کی تعمیل کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے۔ معاویہ اور اس کے بعد آنیوالے تمام بنی امیہ کا یہ دتیرا تھا کہ وہ لوگوں کو آمادہ کرتے تھے کہ حضرت علیؑ اور آپکی آل آلِ اطہار کو منبروں پر دشنام دیں اور یہ سنتِ سیئہ اُس وقت تک اسی طرح برقرار رہی جب تک کہ خلیفۂ عادل عمر بن عبدالعزیز نے اس کو ختم نہ کر دیا۔

کوئی مجھے غسل نہیں دے گا۔ نیز یہ کہ نویں ہجری میں جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکہ والوں کو سنانے کے لئے سورہ توبہ کی چند ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اور آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس کام پر مامور کیا تو وحی نازل ہوئی اور آپؐ نے فوراً حضرت علیؑ کو حضرت ابوبکرؓ کے تعاقب میں بھیجا تاکہ آپؑ ان سے آیتوں کو لیکر خود مکہ والوں کو سنائیں اور اس کے بعد اس مشہور جملے کو آپ نے اپنی زبان مبارک پر جاری کیا کہ: میرے اور علیؑ کے سوا اور کوئی اس کام کو انجام نہیں دیگا۔

ابوھریرہ کیلئے بنی اُمیّہ کی امداد اور بخشش

بنی امیہ، ابوہریرہ کے سلوک اور ان کے میزانِ رفاقت کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنی بخششوں کے سیلاب کو ان کی طرف بہانا شروع کیا اور ان پر اپنے عطایا اور صلوں کے دروازے کھول دیئے۔ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ ان کی حالت بدل گئی اور وسعت عیش، خوشبختی اور جاہ و مقام نے تنگی معیشت، بدبختی، تہی دستی اور ذلت و خواری کی جگہ

لے لی اور اب پھٹی اور بوسیدہ پوشاک سے تن کی عریانی ڈھانکنے والے[1] پوستین[2] دیبا، کتان اور بالا پوش استعمال کرنے لگے اور ایک ادنیٰ اور نا قابل اعتناء خادم سے انہوں نے ایک اعلیٰ مخدوم کی حیثیت اختیار کر لی۔ واضح ہونا چاہیئے کہ ابو ہریرہ کے حق میں بنی امیہ کا پہلا التفات یہ تھا کہ معاویہ نے انھیں مدینہ کا والی مقرر کیا۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ ان کی امداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ عقیق میں ایک قصر اور ایک زمین انکو الاٹ ہوئی اور ایک دوسری زمین ذوالحلیفہ میں انھیں دی گئی، مختصر یہ کہ بنی امیہ نے ابو ہریرہ کے لیئے اس قسم کی بے حساب امداد میں اضافہ کیا لیکن جو بات لرزہ براندام کرنے والی اور سینے میں دم ٹھہرانے والی ہے اور جسے یاد کر کے ہر باعظمت ہستی سراپا حزن و

۱۔ حلیہ کے مطابق ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ: میں نے اپنی پشت پر پڑے ہوئے بوسیدہ کپڑے کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بچھایا اس طرح کہ اس پر رینگتے ہوئے جوں مجھے صاف نظر آرہے تھے۔ ابو ہریرہ اس کپڑے کے ایک سرے کو اپنی گردن سے باندھا کرتے تھے اور دوسرا سرا ان کے ٹخنوں کو چھوتا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے اس لباس کو سمیٹتے رہتے تھے کہ مبادا ان کی شرمگاہ کھل جائے۔

۲۔ ابن سعد نے طبقات میں، ص ۵۸ ۔ ۱۴ ۔ ۲ اور ذہبی نے اعلام النبلاء، ص ۵۰ ۔ ۴ ۔ ج ۲ میں لکھا ہے کہ ابو ہریرہ پوستین زیب تن کیا کرتے تھے اور بخاری نے ص ۲۵۹ ۔ ج ۔ ۱۳ میں محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ انہوں نے ابو ہریرہ کو اس رنگ میں دیکھا کہ کتان خالص کا ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے اور اپنی ناک اس میں بھر رہے تھے۔

ملال بن جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عتبہ بن غزوان[1] جیسی عظیم المرتبت ہستی کی جلیل القدر ہمشیرہ "بسرہ" کو مروان بن حکم نے جو اس وقت والی مدینہ تھا۔ ابوہریرہ کے نکاح میں دے دیا۔ یہ پاک سرشت اور صاحب فضیلت خاتون وہی ہیں کہ جن کے پاس ابوہریرہ نے اپنی تنگدستی اور عریانی کے زمانے میں خدمت گذاری کی تھی۔ خدا اس محترم اور صاحب حیثیت خاتون کی فریاد رسی کرے کہ اس فلک کج رفتار نے اس کی یہ حالت بنادی اور انتہائی ذلت وخواری کے ساتھ اسے اپنے ہی خادم ابوہریرہ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کردیا آہ! یہ دنیا کتنی سنگدل اور ظالم ہے! اے کاش! ابوہریرہ جیسی گمنام اور ناقابل ذکر ہستی جو زبردستی کرنے والوں کی مدد اور زمانے کی غفلت کے سبب قسمت کے دھنی بنے اور انھیں وہ مقام ملا جسکا وہ خواب میں بھی تصور نہیں کرسکتے تھے اپنی اس نیک سرشت اور باعظمت خاتون کے ساتھ جسے بدبختی اور زمانے کی ناسازگاری نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ خوش رفتاری سے پیش آتے اور اپنے حق میں کی جانے والی گذشتہ نیکیوں کو فراموش نہ کرتے اور غربت، افلاس اور عریانی کے زمانہ میں اس معظمہ کے احسانات اور ان کی امداد کو

۱۔ عتبہ بن غزوان رض، امیر مجاہد ابو غزوان المازنی ہے۔ وہ اسلام لانے والے ساتویں شخص ہیں۔ عتبہ کا شمار جنگجو امراء میں ہوتا ہے۔ یہی وہ ہستی ہیں جنھوں نے بصرہ کا نقشہ تیار کیا اور اس کی بنیاد ڈالی۔ حضرت عمر رض نے انھیں وہاں کا والی مقرر کیا۔ عتبہ رض نے حضرت عمر رض کے دور میں ۱۷ سنہ ہجری کو وفات پائی۔ ابوہریرہ نے ان کی وفات کے برسوں بعد ان کی بہن کو اپنے عقد میں لیا کیونکہ یہ واقعہ عقد سنہ ۴۱ ہجری کے بعد وقوع پذیر ہوا اور اگر عتبہ زندہ ہوتے تو ابوہریرہ کی یہ مجال نہ ہوتی کہ وہ اپنے مخدوم وسرور کو اپنی ہمسری میں لاتے۔ مگر کیا کیا جائے کہ مقدر یہی تھا۔

یاد رکھتے[1]۔ لیکن کمال تاسف کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ابوہریرہ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے اس کے ساتھ انتہائی وحشیانہ اور بے ادبانہ سلوک روا رکھا۔ یہ ہے بسرہ کے ساتھ ابوہریرہ کے سلوک کی داستان جو ان کی بدسلوکی، بے احترامی اور کفران نعمت کو ظاہر کرتی ہے اپنی شریک حیات کے ساتھ اس قسم کا ناروا سلوک ہرگز کسی کریم النفس اور آبرومند انسان اور باشرف و باوقار شوہر سے کبھی سرزد نہیں ہوتا۔

ابوہریرہ کی تن پروری اور خوشگذرانی

جب ابوہریرہ اس مقام پر پہنچے جس پر ان جیسے افراد کا پہنچنا محال تھا۔ اور انہوں نے اس باعظمت اور صاحب عزت و توقیر خاتون کو اپنا ہمسر بنایا تو انہوں نے اپنے محسن کی قدر نہیں کی۔ جن کے احسانات کے بوجھ تلے وہ دبے ہوئے تھے۔ اور عیاشی تن پروری، بداصلی اور پستی طبع نے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اُس خاتون کے حق میں جسے بدبختی اور بدقسمتی نے اس جیسے انسان سے منسلک ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ حدِ ادب اور وقار سے تجاوز کر جائیں۔ لہٰذا ابوہریرہ ہمیشہ اس رشتے پر خوشحال و خوشنود نظر آتے تھے۔ اور بڑی ڈھٹائی سے کہتے تھے۔ میں پیٹ بھرنے کی خاطر غزوان کی بیٹی بسرہ کا ملازم تھا اور اسی لئے دوران سفر اُن کی سواری کو ہانکا کرتا تھا اور جب وہ آرام کرنے کے لئے رکتیں میں اُن کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اثرم اور ابن ماجہ کی روایت میں

۱۔ ابوہریرہ کی فلاکت و تنگدستی فقر و افلاس پر دلالت کرنے والے جملہ امور میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جس وقت حضرت عمرؓ نے ان ناشائستہ امور کی بناء پر بحرین کی ولایت سے معزول کر کے اپنے پاس بلایا تو انہوں نے کہا: کیا تم اس وقت کو بھول گئے جب میں نے تمہیں بحرین کا والی بنایا تھا۔ اور تمہارے پاس پہننے کے لئے جوتے تک نہ تھے۔

ہے کہ میں اپنا پیٹ بھرنے اور کبھی کبھار سواری سے لطف اندوز ہونے کے لئے غزوان کی بیٹی کا ملازم ہوا۔ جب وہ سواری سے اترتیں تو میں اُن کے لئے لکڑیاں جمع کرتا تھا۔ اور جب وہ سوار ہوتیں تو اُن کے لئے حدی خوانی کیا کرتا تھا۔ مگر اب میں نے اُس کو اپنی بیوی بنالیا ہے۔ اور اب جب کبھی میں سوار یا پیادہ ہوتا ہوں تو اُسے میری خدمت کرنا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی فرماتے ہیں جب ہم کسی صاف ستھرے بیاباں میں پہنچتے تھے تو بسرہ کہتی تھی جب تک میرے لئے کھانا تیار نہیں کروگے میں نہیں بیٹھونگی۔ اور اب جب بھی میں کسی ایسے مقام پر اترتا ہوں تو اُس سے کہتا ہوں جب تک میرے لئے کھانا تیار نہیں کروگی میں نہیں بیٹھوں گا۔ ابن سعد نے محمدؐ کے واسطے سے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں اپنا پیٹ بھرنے اور مرکب کی سواری گانٹھنے کے لئے ابن عفان اور غزوان کی بیٹی کا ملازم ہوا۔ جب وہ رحل سفر باندھتی تو میں اُن کی سواری کو ہانکتا تھا اور جہاں کہیں رکتیں میں اُن کی خدمت گذاری میں مصروف ہوجاتا تھا۔ ایک دن غزوان کی صاحبزادی نے مجھ سے کہا تمہیں ننگے پیر چلنا ہوگا۔ اور کھڑے مرکب پر سوار ہونا ہوگا۔ مگر اللہ نے اسے میرے نصیب کیا۔ اور اب میں اس سے کہتا ہوں کہ تمہیں ننگے پیر چلنا ہوگا اور کھڑے مرکب پر سوار ہونا پڑے گا۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ تمہیں ننگے پیر مرکب پر بیٹھنا ہوگا۔ اور سواری کو بٹھائے بغیر اس پر سوار ہونا پڑے گا۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ابوہریرہ کا یہ طرز عمل شرافت و جوانمردی سے کسقدر دور ہے کہ وہ بڑے افتخار کے ساتھ دنیا والوں کے سامنے اپنی بیوی کی تذلیل کرتے ہیں۔ اُس کو آزار پہنچاتے ہیں۔ اور اُس سے انتقام لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں کیا کوئی شرافت مند انسان کسی اعلیٰ خاندان کی ایسی لڑکی سے سلوک کرسکتا ہے۔ ہاں البتہ اُن کے لئے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں۔ کیوں کہ وہ ابوہریرہ ہیں۔ اور اس سلسلے میں اتنی ہی بات کافی ہے۔

۱۔ نستم ۲ ص ۵۳ ۔ ج ۔ ۴

سکیں تو ابوہریرہ نے موذن بننے کے لئے اپنی رغبت کا اظہار کیا۔ اب ہم اس موضوع کو زیر بحث لاتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان کو سنہ ۲۱ ہجری میں علاءؓ بن الحضرمی کی وفات کے بعد بحرین کی ولایت کے لئے منتخب کیا لیکن کچھ عرصے کے بعد ان سے متعلق والی کی امانت کو داغدار بنانے والے امور کی شکایات حضرت عمرؓ کو ملنے لگیں لہٰذا انہوں نے ابوہریرہ کو معزول کر کے عثمان بن ابی العاص ثقفی کو ان کی جگہ مقرر کیا اور جب ابوہریرہ بحرین سے واپس لوٹے تو حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ چار لاکھ (درہم یا دینار) لائے ہیں۔ اس بنا پر انہوں نے ابوہریرہ سے پوچھا: ابوہریرہ تم نے کس کو ظلم کا نشانہ بنایا ہے۔؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ اپنے ساتھ کتنا سرمایہ لائے ہو؟ ابوہریرہ نے جواب دیا ۲۰ ہزار (درہم یا دینار۔؟)

۱۔ طبری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے انھیں سنہ ۲۰ ہجری میں بحرین کا والی مقرر کیا۔

۲۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بحرین اس زمانے میں حقیقتاً خودکفیل تھا۔ اور جو پیسہ وہاں سے بیت المال کے لئے بھیجا جاتا اس کی نظیر نہیں تھی۔ حمید بن ہلال کہتے ہیں: حضرت حضرمی نے جو مال رسول خداؐ کے لئے بھیجا اس کی مقدار ۸۰ ہزار (دینار یا درہم) تک پہنچتی ہے۔ اس کے بعد اس سرمائے کو چٹائی پر ڈھیر لگایا گیا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے افراد کے ساتھ اس کے اطراف جمع ہوئے۔ ان دنوں عدد و وزن کا حساب نہ تھا بلکہ لوگ اپنی مٹھی اس کام کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء ذہبی ص ۶۶۔ ج ۲) بلاذری نے اسی خبر کو فتح البلدان ص ۸۱ مطبوعہ یورپ میں نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے زیادہ رقم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس نہ اس سے پہلے آئی اور نہ اس کے بعد۔

حضرت عمرؓ نے پوچھا یہ سرمایہ کہاں سے حاصل ہوا؟ ابوہریرہ نے جواب دیا۔ اس مدت میں میں تجارت کرتا رہا[1]۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: اب تک کے اخراجات کے ساتھ اپنی اصل رقم اٹھا کر باقی سرمایہ بیت المال کے حوالے کردو[2] اس کے بعد حکم دیا کہ دس ہزار (درہم یا دینار؟) بروایتی ۱۲ ہزار (درہم یا دینار) ان سے حاصل کیے جائیں[3]۔ طبقات ابن سعد میں ابوہریرہ کی روائیت کے مطابق، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: اے دشمنِ خدا اور دشمنِ اسلام، ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا اے خدا اور اس کی کتاب کے دشمن۔ تم نے اللہ کے مال پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک روائیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے فقطیہ یہ کہا: تم نے اللہ کا مال چرایا ہے ایک روائیت یہ بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: کیا تم بھول گئے کہ جب میں نے تمہیں بحرین بھیجا تھا تو تمہارے پاس پہننے کے لئے جوتے تک نہ تھے اور اب میں نے یہ سنا ہے کہ تم نے ایک ہزار چھ سو دینار قیمت رکھنے والے گھوڑے خرید لئے ہیں؟ ابوہریرہ نے کہا میرے پاس گھوڑے تھے جن کی افزائش نسل ہوئی ہے اس کے علاوہ مجھے ہمیشہ تحائف ملا کرتے تھے[4]۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اپنے مخارج کا حساب لگا کر اس پیسے سے اٹھا لو اور باقی واپس کرو: ابوہریرہ نے کہا: اس طرح کا حکم صادر کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا، حضرت عمرؓ نے کہا، ہاں اور تازیانے لگائے کہ ابوہریرہ لہو لہان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے پھر کہا: لاؤ

۱۔ کیا والیٔ امین کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ تجارت کرے؟ اگلے چند اوراق بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ والیان امین کا کیا انداز تھا اور وہ کس طرح کے تھے۔

۲۔ تاریخ کبیر ذہبی۔ ص ۳۳۸ ۔ ج ۲

۳۔ قسم ۲ ص ۵۹ ۔ ۶۰ ۔ ج ۲

۴۔ اس جملے پر تامل فرما کر فوراً اس کے معنی سمجھنے کی کوشش کیجیے۔

رقم حاضر کرد، ابوہریرہ نے کہا میں اس کو راہ خدا میں دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس کی صورت بھی یہ ہے کہ مال کسب حلال سے ہو اور بکمال رضایت کے ساتھ حوالے کیا جائے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ اتفاقی بحرین سے آئے ہو اور لوگوں نے اللہ کی خاطر تمہیں اموال سپرد کئے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ "امیہ[1]" نے تمہیں خرچرانے کے لئے جنم دیا ہے۔ یہ روایت زیادہ قرین صحت ہے کیوں کہ اسمیں حضرت عمرؓ کی سخت گیری اور ابوہریرہ کی مزاجی کیفیت کما حقہ بیان ہوئی ہے روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ابوہریرہ کے اموال کو ابوموسی اشعری اور حارث بن کعب بن وہب وغیرہما کے اموال کی طرح تنصیف کیا ہے[2]۔ یہاں پر ہم ایک نکتہ کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں تاکہ اس طرح ان اشخاص کو محکوم بنایا جائے جو ابوہریرہ کو بغیر کسی شخصی لیاقت و استحقاق کے عالم اور عالی مرتبت بنانا چاہتے ہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ابوہریرہ برخلاف امانت قدم اٹھانے والے شخص ہوتے تو حضرت عمرؓ انھیں بحرین کا والی نہ بناتے۔ حضرت عمرؓ نے ایسا صرف اس لئے کیا کہ ابوہریرہ ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ ہم ان اشخاص کے جواب میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے بلکہ صرف طبقات ابن سعد کی روایت بیان کرنے پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں۔

والیوں کے انتخاب میں حضرت عمر کا طریقہ کار

حضرت عمرؓ کا طریقہ کار یہ تھا کہ وہ جب کسی شہر کے لئے کسی عامل کا انتخاب کرتے تو پہلے اسکے اموال کی فہرست مرتب کرتے تھے تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ اس نے اپنی حکومت کے دوران کیا کیا۔ اگر اس دوران اس کے اموال میں اضافہ ہوتا تو حضرت عمرؓ

۱- امیہ ابوہریرہ کی والدہ کا نام ہے۔

۲- عقد الفرید- ص ۵۳- ج ۱ اور ابوموسی، ابوہریرہ کے ساتھ ایک ہی وقت اسلام لائے۔

اس زائد مال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ نیز یہ کہ حضرت عمرؓ نے کسی شہر کی ولایت کے لئے کبھی اکابرین صحابہ کا انتخاب نہیں کیا بلکہ اس کام کے لئے وہ عمرو بن العاص، معاویہ بن ابی سفیان اور مغیرہ بن شعبہ جیسے عام اصحاب کا انتخاب کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور عبدالرحمنؓ بن عوف جیسے افضل صحابہ کو اپنے پاس روکے رکھتے تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ آخر کس لئے بزرگان صحابہ کو اس کام پر مامور نہیں کیا جاتا تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نہیں چاہتا کہ حکومت سونپ کر ان ہستیوں کو آلودہ کروں[1]۔ نیز یہ کہ ان کا کہنا ہے کہ کبھی کوئی عامل ایک سال سے زیادہ کسی حکومت پر برقرار نہیں رہا[2]۔ کاش ابوہریرہ کے چاہنے والے اور ان کا دفاع کرنے والے بحرین کی حکومت کے دوران ان کی روش و سیرت کو دیکھ کر مہر بہ لب نہ ہوتے۔

۱۔ طبقات ابن سعد۔ ص ۲۰۳۔ ج ۳ ق ۱

۲۔ سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۸۱۔ ج ۲

دیانتدار والیوں کی چند مثالیں

بحرین کی ولایت کے موقع پر ابوہریرہ کی سیرت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ امر ولایت میں ان کا طرزِ عمل دیانت دار والیوں کی روش کے سراسر خلاف تھا جس کی بناء پر حضرت عمرؓ کو انھیں معزول کر کے وہ تمام باتیں کہنی پڑیں۔ جس کا تذکرہ کیا جا چکا ہے اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ بحرین میں اتنی کثیر رقم ناحق ہتھیانے کا بہانہ ابوہریرہ کے پاس یہ تھا کہ وہ وہاں تجارت کیا کرتے تھے اور

انھیں تحفے تحائف ملا کرتے تھے۔ ایسی صورت میں ان سے پوچھنا پڑے گا کہ کیا دیانت دار والی کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ اپنی رعیت کے ساتھ تجارت کرے یا یہ کہ اپنی رعیت کے عطایا کی طرف دست طمع دراز کرے۔ خاص طور پر ابوہریرہ جیسی شخصیت؟؟!! مگر ہمیں کہنا پڑے گا کہ ابوہریرہ کے لئے یہ بات تعجب خیز نہیں کہ انہوں نے بحرین کی حکومت میں ایسی روش کیوں اختیار کی بلکہ تعجب خیز بات تو یہ ہوتی کہ وہ اس کے برخلاف عمل کرتے کیونکہ ابوہریرہ کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان کا طرز عمل ساری زندگی یوں ہی رہا ہے اور یہ ایک قدرتی امر ہے کہ ساری زندگی جس ڈگر پر وہ چلتے رہے ہیں اس کو ترک کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اور اگر کسی کو دیانت دار اور امین والیوں کی روش کے درخشاں نمونے دیکھنا ہوں تو انھیں بعض اجلاء صحاب کی سیرت کی جانب رجوع کرنا پڑے گا۔ تاکہ انھیں دیانت دار، با ایمان، پاک سرشت عالی ذوات افراد اور ہر طرح کے اعلیٰ صفات سے عاری نفوس کے درمیان واضح فرق کا احساس ہو جائے اور ان عالی قدر ذوات کے چند نمونے یہ ہیں۔

حذیفہ بن الیمانؓ

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نجباء صحابہ اور صاحب سر پیغمبر ہیں۔ رسول خداؐ نے انھیں اسماء[۱-۲] منافقین بتا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں والی مدینہ بنایا اور ان کے لئے ایک فرمان لکھا جس میں اہل مدائن کو اس طرح گوش گذار کیا کہ: ان کا فرمان سنو، ان کی اطاعت کرو اور ان کی خواہشات کا احترام کرو۔ حذیفہ بھی مختصر سے توشہ کے ساتھ ایک گدھے

۱۔ حضرت عمرؓ نے انھیں قسم دے کر پوچھا تھا: کیا میں بھی منافقین میں سے ہوں؟

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں)

پر کاٹھی لگائے اپنے محل ماموریت کی طرف روانہ ہوئے اور جب مدائن پہنچے تو وہاں کے بڑے بڑے زمینداروں اور تاجروں نے ان کا اس حال میں استقبال کیا کہ ان کے ایک ہاتھ میں روٹی اور دوسرے میں گوشت کا

حذیفہ نے کہا، نہیں، مگر تمہارے بعد میں کسی کی ستائش نہیں کرتا لہذا حضرت عمرؓ ہر صحابی کی وفات پر حذیفہ کا خیال رکھتے تھے۔ اگر حذیفہ اس کے جنازے میں شریک نہیں ہوتے تھے تو وہ سمجھ لیتے تھے کہ مرنے والا منافق ہے۔ حذیفہ نے سنہ ۳۶ ہجری میں وفات پائی اور جنگ جمل میں شریک نہ ہو سکے، ان کے فرزند صفوان اور سعید نے اس میں شرکت کی اور مارے گئے۔ ان دونوں صاحبزادوں نے اپنے پدر بزرگوار کی وصیت پر حضرت علی علیہ السلام سے بیعت کی صحیحین میں حذیفہ سے ۱۲ حدیثیں موجود ہیں۔

۲۔ اصحاب عقبہ کے منافقین سے مراد ۱۵ افراد ہیں جو غزوہ تبوک کے موقع پر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں گھات لگائے بیٹھے تھے انہوں نے اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا اور اس اونٹ کو جس پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوار تھے اور جس کی مہار عمار یاسر کے ہاتھ میں تھی اور حذیفہ اسے ہنکا رہے تھے بھڑکانا چاہتے تھے تاکہ اونٹ گھاٹی پر سے گھبرا کر نیچے گر پڑے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے نام حذیفہ کو بتا دیئے تھے۔ اس سلسلے میں المعارف بن قتیبہ نے جن ناموں کو پیش کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔ عبداللہ بن سلول۔ کاتب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبداللہ کے باپ سعد بن ابی سرح۔ ابو حاضر الاعرابی حلاس بن سوید۔ مجمع بن حارثہ۔ ملیح التیمی جسنے عطر کعبہ کی چوری کی اور اسلام سے مرتد ہوا۔ حصین بن نمیر جسنے زکوات کی کھجوروں کو چرایا تھا۔ طعیمہ بن ابیرق۔ مرہ بن ربیع اور ان کے سرغنہ حنظلہ الملائکہ کے باپ ابو عامر جس کے لئے مسجد ضرار تعمیر ہوئی۔

ٹکڑا تھا اور وہ اسے کھانے میں مشغول تھے ایسے موقع پر حذیفہ نے اہل مدائن کے سامنے مذکورہ فرمان پڑھا۔ لوگوں نے کہا: آپ جو طلب فرمائیں ہم حاضر کرنے کے لئے تیار ہیں۔ حذیفہ نے کہا میں جب تک والی کے عہدہ پر فائز ہوں تم سے اپنے روزانہ کی خوراک اور اس چوپایہ کے لئے تھوڑی سی گھاس کے علاوہ اور کسی چیز کا خواہاں نہیں ہوں۔ حذیفہ اس طرح کچھ عرصے تک مدائن میں متوقف رہے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں واپس مدینہ آنے کے لئے لکھا اور خود حسب عادت ان کی راہ میں چھپ کر بیٹھ گئے مگر جب انہوں نے حذیفہ کو اسی طرح خالی ہاتھ واپس لوٹتے ہوئے دیکھا جس طرح وہ گئے تھے تو وہ ان کے قریب آئے اور کہا۔ تم میرے اور میں تمہارا بھائی ہوں[1]۔

سلمان فارسیؓ

اب دو تین سطریں اس جلیل القدر صحابی کی تاریخ میں زینت قرطاس وقلم کرتا ہوں جسے حافظ مزب ابن عبدالبر نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں: کچھ لوگ سلمان کے پاس جب وہ امیر مدائن تھے آئے اور انہوں نے دیکھا کہ سلمان بیٹھے لیف خرما بٹ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے سلمان سے مخاطب ہو کر کہا: تم امیر مدائن ہو، بیت المال سے تمہیں تنخواہ ملتی ہے۔ پھر لیف خرما کیوں بٹ رہے ہو؟ سلمان نے جواب دیا "مجھے پسند ہے کہ میں اپنی محنت سے رزق حاصل کروں، اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے سلمان نے لیف خرما بٹنے کا کام انصار سے اس وقت سیکھا جب وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں تھے۔ انھیں ہر سال پانچ ہزار (درہم یا دینار) تنخواہ ملتی تھی جسے وہ راہ خدا میں دے

۱۔ کتاب سیر اعلام النبلاء۔ ج ۲۔ ص ۳۶۰ سے آگے

دیا کرتے تھے اور محنت کے ذریعے کمائی ہوئی رقم سے وہ اپنے لئے روزی فراہم کیا کرتے تھے[1]

خالد بن ولید رضہ

ایک مختصر سی سطر خالد بن ولید کے بارے میں نقل کرنا بھی مناسب معلوم ہوتی ہے جسے نافع نے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب خالد فوت ہوئے تو بجز گھوڑا، اسلحہ اور غلام ان کے پاس اور کچھ نہ تھا اس لئے حضرت عمر رضہ نے ان کے بارے میں کہا: خدا رحمت کرے ابو سلیمان پر کہ وہ اسی طرح کا نکلا جیسا کہ ہمیں گمان تھا[2]۔ یہاں ہم اسلام کی ان چند مایہ ناز برجستہ مثالوں کی نشان دہی پر اکتفا کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

ا۔ کتاب الاستیعاب۔ مطبوعۂ ہند۔ ص ۲۷۵ ۔ ج ۲ ۔ سلمان کے دیگر فضائل کے لئے اسی کتاب سے رجوع فرمائیں۔

۲۔ حالانکہ حضرت عمر رضہ عمر خالد بن ولید کی نسبت کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اور اس غلطی کے سبب جو واقعۂ یوم البطاح میں مالک بن نویرہ الیربوعی کی نسبت ان سے سرزد ہوئی (جس کی داستان بیشتر اسلامی کتب وسیر میں موجود ہے) وہ ہمیشہ ان کی بے مہری کا شکار رہے۔

ابوھریرہ حضرت عثمانؓ کے بعد ابھرے

اس سے پہلے ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے دور میں ابوہریرہ کی کوئی شان و منزلت نہ تھی اور وہ خلیفہ ثانی کی زندگی میں نقل روایت کے لئے اپنی زبان کو جنبش نہیں دے سکتے تھے۔ نیز یہ کہ انھیں قتل عثمانؓ سے پہلے فتوے کی جرأت بھی نہ ہوئی تھی۔ بڑے بڑے تاریخ نویسوں نے ہماری اس بات کی تصدیق

کی ہے۔ البتہ نقل روایت میں زیادہ روی کی روش انہوں نے بنی امیّہ کے دور میں اختیار کی۔ جب انھیں میدان خالی نظر آیا تو وہ بنی امیہ کے مبلغین میں شامل ہو گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں ابن عباسؓ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ[1]: ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمرؓ عمرو بن العاص، جابر بن عبداللہ، رافع بن خدیج، سلمہ بن الاکوع ابو واقد اللیثی، عبداللہ بن بحینہ اور ان جیسے افراد اصحاب پیغمبرؐ میں شمار ہوتے تھے۔ یہ اصحاب حضرت عثمانؓ کے بعد تمام عمر مدینہ میں فتویٰ دیتے رہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل روایت کرتے رہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی وفات سے پہلے ابوہریرہ عام صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسرے مشہور صحابہ کی طرح کسی نے انھیں بجز اس کے کسی بھی دینی امر میں مشغول نہیں دیکھا۔ جب وہ علاء ابن الحضرمی کے ساتھ بحرین میں تھے تو انہوں نے فقط اذان کہنے کو اپنا شعار بنا لیا تھا جسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں۔ اس طرح ابوہریرہ کو مروان کے زمانے یعنی سنہ ۴۱ ہجری کے بعد تک اذان سے شغف رہا مگر بنی امیہ کے زمانے میں جب تمام اکابر و ابرار صحابہ کی زندگی کے چراغ گل ہو چکے تو ابوہریرہ کا ستارۂ بخت چمکنے لگا۔

۱۔ ص ۱۲۴۔ ج ۲ ق ۲۔ مطبوعہ لندن۔ اور تاریخ ذہبی ص ۳۳۶۔ ج ۲ اس کے علاوہ کتاب سیر اعلام النبلاء۔ ص ۴۳۷۔ ج ۲ اور ہماری کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ" ملاحظہ فرمائیں۔ تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ کون کون حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانوں میں فتویٰ دیا کرتے تھے اس وقت آپ کو معلوم ہو کہ ابوہریرہ کسی طرح بھی ان کے درمیان نہیں تھے کیوں کہ وہ اس وقت تک ایک گمنام شخصیت تھے اور کوئی ان کو نہیں جانتا تھا۔

وہ واقعات اور جنگیں جس میں ابوھریرہ نے شرکت نہیں کی اور ظاھر کیا کہ وہ انہی میں شریک تھے

ابوہریرہ نے ایسا کوئی عمل نہیں چھوڑا جس میں بنی امیہ کے نزدیک انکے اقبال کو چار چاند نہ لگتے ہوں اور اس مقصد کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو ہر میدان میں اتارا۔ ان مقامات میں سے ایک مقام وہ ہے جہاں وہ اپنے آپ کو ہر ان جنگوں اور ان واقعات کا شریک بتاتے ہیں جن میں انہوں نے قطعاً شرکت نہیں کی۔ بخاری ناقل ہیں کہ انہوں نے کہا: ہم نے خیبر کو فتح کیا مگر مال غنیمت

میں سونے چاندی کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ وہاں سے گائے اور اونٹ اپنے ساتھ لے گئے۔ حالانکہ ابوہریرہ نے کسی طرح بھی جنگ خیبر میں شرکت نہیں کی بلکہ وہ فتح خیبر کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور شرفیاب ہوئے۔ اس کے علاوہ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کیساتھ ان کے حج میں شریک رہے ہیں اور اس بارے میں انہوں نے بڑی پیچیدہ اور بے سروپا روایات کو بیان کیا ہے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ بخاری نے اپنی کتاب میں ان روایات کو جگہ دی ہے اور باتحقیق یہ روایات ابوہریرہ اور ان کے فرزند کی جانب سے ماخوذ ہیں۔ اس سلسلے میں ابوہریرہ کبھی تو یہ کہتے ہیں[1] کہ: حضرت ابوبکرؓ نے اس حج پر مجھے دیگر چند موذنوں کے ہمراہ بھیجا تاکہ لوگوں کے درمیان جاکر اذان دوں اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو بھیجا تاکہ وہ ہمارے ساتھ سورہ برائت کو لوگوں کے سامنے پڑھکر سنائیں۔ دراصل ابوہریرہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ تھے اور حضرت علیؑ ان پر بعد میں وارد ہوئے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ میں اس گروہ میں تھا جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ مکہ والوں کو سورہ برائت سنانے کے لئے بھیجا تھا[2] بہرحال ہم ابوہریرہ کی درہم برہم گفتگو کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتے تاکہ بے سود بحث سے بچے رہیں البتہ جس بات کا تذکرہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ: حضرت ابوبکرؓ کے حج کا واقعہ بہت روشن وآشکار ہے جس کو ابن اسحاق، ابن ہشام

۱۔ اس واقعے کو بخاری نے سورہ برائت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

۲۔ اسے حاکم نے نقل کیا ہے۔ اور احمد ونسائی کی روایت میں ہے کہ: جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو سورہ برائت دے کر مکہ والوں کی طرف بھیجا تو ہم آپ کے ساتھ تھے۔

طبری اور تمام محققین نے لکھا ہے کہ مگر کسی نے اس واقعے میں ابوہریرہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے۔ مزید اطلاع کے لئے ہم سیرۃ ابن ہشام کی تحریر نقل کرتے ہیں[۱]۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو سنہ ۹ ہجری میں امارت حج کے عنوان سے مکہ بھیجا حضرت ابوبکرؓ کی روانگی کے کچھ ہی دیر بعد سورہ برائت کا نزول ہوا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا کہ: کیا یہ بہتر نہیں کہ اس سورہ کو حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ روانہ کریں؟ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری طرف سے اس رسالت کو کوئی ادا نہیں کرے گا۔ مگر میرے اہلبیت سے کوئی فرد، اس کے بعد آپ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور ہدایت فرمائی کہ مکہ جا کر نحر کے دن جب لوگ منیٰ میں جمع ہوں تو تم سورہ کو ان کے سامنے پڑھکر سنانا، الخ، حضرت علی علیہ السلام، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ایک ناقہ عضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے جا ملے اور ان کے ساتھ مکہ کی سمت روانہ ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دیگر افراد کے ساتھ حج ادا کیا اور جب نحر کا موقع آیا تو حضرت علی علیہ السلام اٹھ کھڑے ہوئے اور آپؑ نے فرمان پیغمبر کو کماحقہ اجراء کیا۔ یہ ہے حضرت ابوبکرؓ کے حج کی صحیح داستان۔ اس بناء پر ابوہریرہ کا نام اس داستان کے کس حصہ میں آیا؟ اور اگر نہیں آیا تو پھر ہمیں کہنا پڑے گا کہ راویان حدیث نے اس سلسلے میں جو کچھ ابوہریرہ کے لئے کہا ہے وہ قطعاً موردِ اطمینان و وثوق نہیں ہے اگرچہ ان میں بخاری و غیر بخاری ہی کیوں نہ شامل ہوں۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ابوہریرہؓ اس حج میں بطور کلی شریک نہیں تھے نہ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ اور نہ ہی حضرت علیؑ کے ہمراہ۔ بھلا وہ اس حج میں کس طرح شریک ہو سکتے تھے جبکہ اس وقت وہ بالتحقیق مدینہ میں نہ تھے بلکہ علاء کے ساتھ بحرین میں تھے جیسا کہ ہم پہلے اس کو ثابت کر چکے ہیں ان کے غرائب روایات سے مستدرک حاکم کی نقل کردہ یہ

۱۔ ص ۲۰۰ سے آگے

روایت ہے کہ: میں حضرت عثمانؓ کی زوجہ رقیہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا جب ان کے ہاتھ میں ایک کنگھی تھی۔ حضرت رقیہؓ نے کہا: ابھی چند لمحوں پہلے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس موجود تھے اور میں ان کے بالوں کو کنگھی کر رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا: رقیہ ابو عبداللہ (حضرت عثمانؓ) کا کیا حال ہے۔ میں نے عرض کی: اچھے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: ان کا خیال رکھو ان کی عزت کرو کیونکہ وہ میرے اصحاب میں سب سے زیادہ مجھ سے مشابہ ہیں[1]۔ حاکم کہتے ہیں یہ حدیث (صحیح الاسناد) ہے مگر اس کا متن زیادہ محکم نہیں کیونکہ حضرت رقیہؓ کا انتقال سنہ ۳ ہجری میں فتح بدر کے موقع پر ہوا تھا اور ابوہریرہ نے نقل کیا ہے یہ ہے کہ: ہم نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر یا عصر ادا کی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری رکعت میں نماز ختم کی اس وقت ذوالیدین نے آپؐ سے پوچھا: کیا نماز کی رکعتیں کم ہو گئی ہیں؟ یا آپ بھول گئے ہیں؟ حالانکہ ذوالیدین ابوہریرہ کے اسلام لانے سے پیشتر جنگ بدر میں شہید ہو چکے تھے۔ اس طرح کی بے بنیاد روایتیں بہت زیادہ ہیں۔ اب ہم ابوہریرہ کی روایتوں کے چند نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ بلاشبہ اس روایت کا تعلق بھی ابوہریرہ کی ان روایات سے ہے جن کے ذریعے انہوں نے بنی امیہ سے تقرب حاصل کیا۔

ابوھریرہ
کی روایات
کے چند
نمونے

ابوہریرہ کی تاریخ کے ان گوشوں کو اجاگر کرنے کے بعد اب ہم ان کی بیان کردہ روایتوں کے چند نمونے پیش کرنا چاہتے ہیں جنھیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دیتے ہیں۔ ان روایتوں کے بارے میں ہم کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ اس کا فیصلہ قارئین کے ہوش وخرد پر چھوڑتے ہیں کیوں کہ ان کے بارے میں اب کافی طویل گفتگو ہو چکی ہے۔ بخاری اور مسلم

نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور ان سے کہا: اپنے پروردگار کو لبیک کہو یہ سن کر حضرت موسیٰؑ نے ملک الموت کے منہ پر اس زور کی چپت ماری کہ ان کی آنکھیں پھوٹ گئیں۔ ملک الموت خدا کے حضور واپس آئے اور کہا کہ پروردگارا تو نے مجھے کس بندے کے پاس بھیجا ہے جو مرنے کے لئے راضی نہیں؟ اس نے تو میری دونوں آنکھیں پھوڑ دی ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ملک الموت کی آنکھیں واپس کیں اور اس سے کہا: میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو اگر زندگی کے طالب ہو تو ایک گائے کی پشت پر ہاتھ رکھ دو۔ تمہاری ہتھیلی تلے آنے والے بالوں کی تعداد کے برابر تمہاری زندگی کے سال مقرر ہوں گے۔ اس کے علاوہ بخاری اور مسلم نے اس روایت کو بھی ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک دفعہ بہشت اور دوزخ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ دوزخ نے کہا: میں سرکش اور

۱۔ ثعلبی نے اس حدیث کو "لطمۃ موسیٰؑ" کے عنوان سے اپنی مشہور کتاب "المضاف والمنسوب" میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کا تعلق پرانی داستانوں سے ہے۔ اس بارے میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں اس میں ملک الموت کو نابینا قرار دیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے بارے میں کہا گیا: "یا ملک الموت لقیت منکرا لطمۃ موسیٰ ترکتک اعورا۔" (اے ملک الموت کسی منکر سے سامنا ہوا ہے شاید موسیٰ کے طمانچے نے تمہیں اندھا کر دیا ہے۔) اس کے بعد ثعلبی اپنی گفتگو کو اس عبارت پر ختم کرتے ہیں کہ: میں اس کہانی کی ذمہ داری سے بری ہوں۔ ص ۴۰۔ ۱۴۱ — بے شک ثعلبی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس روایت سے تبریٰ کریں۔ کیونکہ وہ صاحب عقل ہیں اور ہر صاحب عقل کو اس قسم کی باتوں سے برائت کرنا چاہیئے۔

متکبرین کی منزل ہوں، بہشت نے کہا: آخر ضعیف، عاجز اور افتادہ لوگ ہی کیوں میری تقدیر بنے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر خداوند تبارک وتعالیٰ نے بہشت سے فرمایا: تو میری رحمت ہے اور میں تیرے ہی ذریعے اپنے بندوں کو مورد رحمت قرار دوں گا۔ اس بناء پر جنت و دوزخ دونوں ہی افراد بشر سے پُر ہوں گے مگر دوزخ کا پیٹ نہیں بھرے گا جب تک کہ وہ خود زمین پر ہر گز ہر گز کہتا ہوا اتر نہ آئے اس کے بعد وہ سیر ہو گا اور اسکا ایک حصہ دوسرے حصہ میں سما جائے گا۔ الی آخر۔ شیخین نے ان سے روایت کی ہے کہ ہر رات ثلث شب کے بعد ہمارا پروردگار آسمان دنیا پر نازل ہوتا ہے اور پکار کر کہتا ہے: کون کون اس وقت میری عبادت میں مصروف ہیں میں ان کی آرزو بر لانا چاہتا ہوں .... الخ اس روایت کو بھی شیخین نے ان سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت سلیمانؑ بن داؤد نے کہا: آج رات میں کئی عورتوں سے ہمبستر ہونا چاہتا ہوں تاکہ ہر عورت سے ایک فرزند متولد ہو اور وہ سب مل کر راہ خدا میں جنگ کریں۔ اس وقت ایک فرشتہ نازل ہوا اور اس نے حضرت سلیمانؑ سے کہا کہ انشاء اللہ کہو، مگر حضرت سلیمان نے انشاء اللہ نہیں کہا اور اپنی عورتوں کے ساتھ ہمبستر ہوئے۔ مگر کسی عورت سے کوئی فرزند پیدا نہیں ہوا۔ بجز اس عورت کے جس کا فرزند آدھے بدن سے انسان تھا۔ اس کے بعد ابوہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر حضرت سلیمانؑ انشاء اللہ کہتے تو وہ مرتکب گناہ نہ ہوتے اور ان کی حاجت بر آری کے امکانات بھی پوری طرح روشن ہوتے۔ شیخین نے ایک اور روایت بھی ان سے نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر نماز کی ادائیگی کے بعد فرمایا: دوران نماز شیطان مجھ پر ظاہر ہوا اور جبراً مجھ سے نماز توڑنے کے لئے کہا۔ مگر اللہ نے مجھ کو اس پر مسلط کر دیا اور میں نے اس کا گلا گھونٹ

دیا۔ میرا دل چاہتا تھا کہ اسے پکڑ کر کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم لوگ آکر اس کا تماشا دیکھو۔ اس وقت مجھے حضرت سلیمانؑ کی وہ بات یاد آئی جب انہوں نے کہا تھا " پروردگار مجھے وہ قوت و پادشاہی عطا کر جو میرے بعد کسی اور کے لئے سزاوار نہ ہو۔ شیخین ہی نے ابوہریرہ کے حوالے سے اس قول کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کیا ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک گروہ مفقود الاثر ہے نہ جانے ان پر کیا بیتی۔ مجھے یقین ہے کہ وہ چوہوں کی شکل میں بدل گئے ہیں کیونکہ اونٹنی کا دودھ انھیں مرغوب نہیں مگر جب وہ بکری کا دودھ دیکھتے ہیں تو اسے بڑے شوق سے پی جاتے ہیں[۱]۔.....

...... الخ۔ بخاری نے ان سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کافر کے دو شانوں کے درمیان تندرو سوار کے تین دن راہ کا فاصلہ ہے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ: کافر کی کھال کی موٹائی ۴۲ گز بحساب ذرع جبار ہے (اللہ اکبر یا حفیظ)! ترمذی اور حاکم کی روایت میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ: کافر کا دانت کوہ احد کی مانند ہے اور اور اس کی نشست گاہ جہنم میں مکہ اور مدینہ کی مسافت کے برابر ہے یہاں پر کافر سے متعلق بے شمار روایتیں نقل ہوئی ہیں جو سب کی سب ابوہریرہ سے منقول ہیں۔ اختصار کی خاطر ہم ان تمام روایات سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ شیخین ابوہریرہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ خدا نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پر خلق کیا ان کا قد ساٹھ گز تھا۔ احمد نے ایک دوسری روایت میں ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: حضرت آدمؑ ساٹھ گز لمبے اور سات فٹ چوڑے تھے۔ اور یہ روایت اصحاح اول میں سفر تکوین (عہد قدیم) کے ستائیسویں حصے کا

۱۔ کیونکہ اونٹ کا گوشت اور دودھ دونوں بنی اسرائیل پر حرام ہے۔

جزو ہے جس کی نص یہ ہے: پس خداوند عالم نے انسان کو اللہ کی صورت میں خلق کیا اور اس کو نر اور مادہ دو اصناف میں بنایا۔ مسلم نے ابوہریرہ کے ذریعے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب کبھی تم میں سے کوئی اپنے کسی بھائی سے بر سرِ پیکار ہو تو اس کے چہرے سے کوئی سروکار نہ رکھے اور یہ نہ کہے کہ خدا تیرا چہرہ بگاڑے یا تیری شباہت رکھنے والے شخص کا چہرہ مسخ کرے کیونکہ خداوند عالم نے آدمؑ کو اپنی صورت میں خلق کیا ہے۔ اس روایت کو بخاری نے ادب المفود میں اور اسی طرح احمد نے بھی نقل کیا ہے۔ بخاری نے یہ روایت بھی ابوہریرہ سے نقل کی ہے[۱] کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کا یہ فرمان سنایا کہ جو بھی کسی ولی سے دشمنی کرے گا، میں اس سے برسرِ پیکار ہوں اور کوئی بندہ کسی وسیلے سے مجھ سے قریب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ میری واجب کی ہوئی چیزوں پر عمل پیرا نہ ہو اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل کے ذریعے اپنے آپ کو مجھ سے قریب

۱۔ بخاری نے انفرادی طور پر اس روایت کو نقل کیا ہے اس لیے آئمہ حدیث نے ان پر طعنہ زنی کی ہے۔

من باب المثال ذہبی اور ابن رجب کہتے ہیں: یہ روایت بڑی انوکھی ہے۔ بخاری نے اس میں خطا کی ہے، اللہ کے لئے تردد جائز نہیں اور اسی طرح بدا بھی اس کے لئے غیر صحیح ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوہریرہ نے اس روایت کو اپنے استاد وہب بن منبہ سے لیا ہے چونکہ جس طرح حلیہ میں اس کا حق "وہب" کے ترجمے کی بابت آیا ہے اور وہ کہتا ہے کہ: میں نے انبیاء کی کتب میں دیکھا ہے کہ خداوند تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ: میں نے ہرگز کسی امر میں تردد سے کام نہیں لیا۔ مگر مومن کی قبض روح کے موقع پر کہ اس میں مجھے ہمیشہ تردد رہا ہے۔

کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے قبول کرلیتا ہوں۔ اس وقت میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ جس سے وہ کام کرتا ہے اور اس کے پیر بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے اور میں کبھی کسی چیز میں متردد نہیں ہوتا۔ مگر اس وقت جب کوئی مومن جان کنی کے عالم میں ہوتا ہے اور موت سے کراہت رکھتا ہے میں نہیں چاہتا کہ اس وسیلے سے اسے آزار پہنچاؤں۔

بخاری ہی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ: میں ایک موقع پر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانی، وضو اور قضائے حاجت کا برتن اٹھائے آپ کے تعاقب میں چل رہا تھا۔ ایسے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پکار کر کہا کون ہے جو میرے پیچھے آرہا ہے؟ میں نے اپنا نام لے کر کہا ابوہریرہ: آپؐ نے فرمایا کچھ پتھر مجھے دو تاکہ میں ان سے استنجا کروں مگر ہڈی یا فضلہ نہ دینا۔ میں حسب فرمان پیغمبرؐ پتھر کے چند ٹکڑے اپنی جھولی میں ڈال کر لے آیا اور آپ کے سامنے رکھ کر پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے اور میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں میں نے آپؐ سے پوچھا: آخر ہڈی اور فضلہ سے استنجا کرنے میں کیا قباحت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ہڈی اور فضلہ جن کی غذا ہیں جس وقت نصیبین (ایک مشہور شہر) کے جن کا شمار اچھے جنوں میں ہوتا ہے میرے پاس آئے اور مجھ سے کھانے کی درخواست کی تو میں نے خداوند عالم سے دعا کی کہ ان لوگوں کو کوئی ہڈی یا فضلہ ایسی نہ ملے جس میں ان کی غذا نہ موجود ہو۔ قارئین کرام کو چاہیئے کہ قبل اس کے کہ وہ اس روایت کے معنی پر غور کریں اس کے الفاظ پر غور کریں اور اس کی اہمیت وحقیقت کا اندازہ لگائیں۔ ابوہریرہ نے ارشاد ربانی "طوبیٰ لہم" میں لفظ طوبیٰ کی تفسیر بھی فرمائی ہے اور کہا ہے: طوبیٰ جنت کا ایک درخت

ہے جس سے خداوند عالم فرمائے گا: شگفتہ ہو جا تاکہ میرا بندہ جو کچھ چاہے تیرے باطن وجود سے حاصل کرے۔ یہ سن کر طوبیٰ شگفتہ ہو گا اور اس میں سے زین بندھا گھوڑا مہار لگا اونٹ، پوشاک، اور ہر وہ چیز جس کا بندہ طلبگار ہو گا باہر نکل آئے گی۔[1]

حدیث مگس

بخاری اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبھی کوئی مکھی تمہارے کھانے کے برتن میں گر جائے تو برتن میں موجود غذا کو اچھی طرح ہلالو کیوں کہ مکھی کے ایک پر میں درد اور دوسرے میں شفا ہے۔[2] یہ حدیث اپنے اچھوتے پن اور انوکھے پن کی وجہ سے محققین کے نزدیک اسقدر مورد بحث و تنقید قرار پائی کہ کسی اور حدیث پر اتنی شدت کے ساتھ تلاش و تحقیق نہیں کی گئی کیوں کہ مکھی بذات خود ایک پلید پر دار کیڑا ہے اور انسان اس کے دیکھنے سے نفرت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص ۵۱۳۔ ج ۲

۲۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں نقل ہوئی ہے کہیں یہ جملہ ہے کہ: ہر گاہ کوئی مکھی تمہارے مشروب میں گرے۔ اور دوسری روایت میں ہے۔ اس کے دو پروں میں سے ایک میں زہر اور دوسرے میں شفا ہے اور شفا، زہر پر مقدم ہے۔ اگر ہم ان تمام روایات کو بیان کرنا چاہیں تو بات بڑی طولانی ہو گی۔ شاید ابوہریرہ نے اس روایت کو اس وقت وضع کیا جب وہ کسی سفرۂ فاخرہ پر براجمان ہوں گے۔ کیوں کہ احادیث موقع کی مناسبت سے نقل ہوتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا ہو گا کہ کوئی مکھی کھانے کے کسی برتن میں گر گئی ہے اور گھبرا گئے کہ کہیں دستر خوان پر بیٹھنے والے اس غذا کے کھانے سے صرف نظر نہ کر جائیں جس کے نتیجے میں انھیں بھی ایسا ہی کرنا پڑے لہذا انہوں نے اس روایت کو جعل کیا۔

یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کا حکم فرمایئں کہ جب وہ کھانے پینے کے برتن میں گر جائے تو اس کو ہلا کر نوش کیا جلائے، یہی وجہ ہے کہ تقریبًا دس سال پہلے ڈاکٹر سالم محمد نامی ایک طبیب دانشمند اس موضوع کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے استناد موازین علمی وحسی اس روایت کو مورد شک وتردید قرار دیا۔ اس کے بعد دوسرے اطبا نے بھی مکھی کے نقصانات اور اس خرد وضعیف حیوان کی انسان دشمنی کے بارے میں جس کے سبب ہر سال لاکھوں انسان بیماریوں کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ اتفاق رائے کیا ہے۔ ایسے میں ایک جامد وسطحی فکر کا حامل شیخ جو کمال تاسف سے ایک غربی دانشگاہ میں فقہ اسلامی کا مدرس بھی ہے اس طبیب دانشمند سے محاذ آرا ہوا اور اسے جہل سے نسبت دی کیونکہ انہوں نے "مقدس بخاری" کو محترم نہیں جانا اور جس حدیث کو بخاری نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے اس کی تردید کی ہے۔ اسی لئے راقم الحروف نے اس موقع پر نجات علم اور حفاظت مقام شامخ رسالت کی خاطر اور ساتھ ہی اس محقق ودانشمند طبیب کی تائید میں اپنے قلم کو جنبش دی اور اس سلسلے میں ایک مقالہ ۲۴ دسمبر ۱۹۵۱ء کو شائع ہونے والے مجلہ "الرسالہ" کے ۹۶۴ ویں شمارے میں لکھا جسے ہم عیناً یہاں نقل کرتے ہیں۔

مکھی کی ہنگامہ آرائی

پچھلے چند مہینوں سے مجلۂ لواء الاسلام اور ڈاکٹر سالم محمدؔ کے درمیان حدیث مگس کے سلسلے میں سخت ہنگامہ آرائی ہو رہی ہے۔ اول الذکر اس حدیث سے تمسک کر کے اس کے اثبات پر مصر ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے دلائل کو قبول کریں اس سلسلے میں وہ تنہا جس بات پر متکی ہے وہ یہ ہے کہ کتب حدیث تے جن میں صحیح بخاری بھی شامل

ہے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ ادھر موخر الذکر نے اس حدیث کو رد کر دیا ہے اور اس قسم کی گفتگو کو ذات گرامی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور جانا ہے جن کی سراسر زندگی لغو گفتگو سے یکسر پاک ہے۔ اس حدیث کے لغو و باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ علم و تجربہ نے مکھی کی مضرت کو ثابت کر دیا ہے اور یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ مکھی بے شمار بیماریوں کے جراثیم کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے۔ یہاں پہنچ کر انسان افسوس و اندوہ میں ڈوب جاتا ہے کہ ایسے زمانے میں جبکہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جنبش میں ہے اور عقل و فکر کو چند ہیا دینے والے اختراعات و کشفیات کے موتی اس کے اعماق قلب سے ہمہ وقت ابھر رہے ہیں جسکے نتیجے میں ہر شخص اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق تجربہ اور تحقیق کی روشنی میں ان تمام چیزوں سے بہرہ ور ہو رہا ہے جسے قدرت نے اس کائنات میں انسان کے لئے مسخر کر دیا ہے ایک ایسا شخص پیدا ہوتا ہے[۱] جو لوگوں کو عبث اور بیہودہ مباحث میں الجھانا چاہتا ہے جس کا نہ کوئی فائدہ ہے اور نہ حاصل، بلکہ اس کے برعکس لوگ دین کی نسبت حسن بدبینی کا

۱۔ اشارہ اسی جامد و متظاہر شیخ کی طرف ہے جس نے ناحق مذکورہ ڈاکٹر کے خلاف محاذ قائم کر رکھا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ شیخ لوگوں کے درمیان بے عقلی اور نافہمی میں مشہور ہے اور خود لوگوں میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا تعلق شیوخ دین سے ہے۔ حالانکہ اب ہر شخص جاننے لگا ہے کہ اس کا تعلق شیوخ خرافات سے ہے اور ہمیشہ مریدوں کو اپنے اطراف جمع کر کے اپنی کرامات کا تذکرہ کرتا ہے اور اپنے تئیں یہ سمجھتا اور باور کراتا ہے کہ اس سے ٹکرانے والا ہلاکت کو اپنے لئے دعوت دیتا ہے۔

شکار ہو رہے ہیں۔ بہتر تو یہ ہے کہ مجلہ "لواء اسلام" اپنے اوراق کو اس قسم کی لاحاصل بحث سے سیاہ نہ کرے چونکہ ان امور پر بحث بلاشبہ لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کرتی ہے جس سے دین دشمن عناصر فائدہ اٹھاتے ہیں اور دین دوست افراد اس سے دست بردار ہو جاتے ہیں ایسے موارد میں بہتر یہ ہے کہ بحث و تحقیق کو علم و تجربہ کے حوالہ کیا جائے کیونکہ علمی مباحث کے نتائج کبھی نقص نہیں ہوتے اور اس کے فیصلے کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اگر علم طریق احاد سے نقل ہونے والی حدیث کے مخالف ہو تو اس سے دین پر کیا اثر پڑتا ہے؟ خاص طور پر اسوقت جبکہ دنیاوی امور سے اسکا تعلق ہو اور پھر کیا دین نے ہم پر یہ واجب گردانا ہے کہ ہم کتب حدیث کی لکھی ہوئی ہر روایت کو بغیر تحقیق و تفحص کے قبول کر لیں اور اس پر ایمان لے آئیں؟ تصدیق و اعتقاد کی منزل فقط خبر "متواتر" کے لئے ہے اور بس ہمارے پاس قرآن کریم کے علاوہ ایسی کوئی محکم کتاب نہیں ہے جس پر بطور کامل بغیر رد و کد کے ایمان و یقین رکھا جا سکے کیوں کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جو بطور "تواتر" ہم تک پہنچی، لیکن جو اخبار بطور "احاد" ہم تک پہنچی وہ ہمارے لئے یقین و اطمینان کا باعث نہیں بلکہ موجب ظن ہے جو ہمیں حق سے بے نیاز نہیں کرتی۔ ایسی حالت میں ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اگر وہ کسی حدیث سے قلباً مطمئن ہے تو اسے مان کر اس کی تصدیق کرے وگرنہ تردید کی صورت میں وہ اسے رد کر سکتا ہے اور یہ وہ امر ہے جو صاحبان فکر و نظر کے درمیان مشہور و معروف ہے اور کسی کو اس بات سے اختلاف نہیں بجز گنتی کے چند جمود پسند ظاہر بیں افراد جن کا کام حمل اسفار کے علاوہ اور کچھ نہیں مگر خوش قسمتی سے ایسے افراد کا معاشرے میں کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ اب اگر ہم حدیث مگس کو اس کے اطلاق کے ساتھ مان لیں اور ذرہ بین نقد و تحقیق کو اس پر مسلط نہ کریں تو جب

بھی ہم دیکھیں گے کہ اس حدیث کا تعلق "احاد" سے ہے اور احاد احادیث
فقط ظن و گمان پر منحصر ہوتے ہیں ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے
اگر ہم اس راہ سے بھی اس کے باوجود اس حدیث کو رد نہیں کرسکتے کہ ہمیں
یقین ہے کہ علم نے اس کے بطلان کو ثابت کر دیا ہے تو ہمارے لئے یہ راستہ
کھلا ہوا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ علماء فن نے ایسے موارد میں چند اصول مرتب کئے ہیں
جس کا مفاد یہ ہے: ایسا نہیں ہے کہ جس حدیث کی سند صحیح نہ ہو اس کا متن
بھی غیر صحیح ہو[1] اور اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے۔
اور بخاری کسی حدیث کو اس وقت تک نقل نہیں کرتے جب تک کہ وہ صحیح
نہ ہو ہم اس قول کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری نے ان احادیث کو
اپنی کتاب میں نقل کیا ہے جنھیں وہ ظاہر اسناد یہ از روی عمل خود صحیح جانتے
تھے نہ یہ کہ وہ واقعاً صحیح تھے اس رو سے یہ ضروری نہیں کہ بخاری جس چیز کو
اپنے اوپر لازم قرار دیں دوسروں کے لئے بھی وہ چیز قابل قبول ہو۔ جیسا کہ
الزین العراقی نے اپنی کتاب شرح الفیہ میں لکھا ہے: اہل حدیث جب کبھی
یہ کہتے ہیں کہ فلاں حدیث صحیح ہے تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس
طرح من باب عمل ظاہر اسناد سے ہم پر آشکار ہے یہ حدیث صحیح ہے نہ یہ کہ
نفس الامر میں اسے قطعیت حاصل ہے کیونکہ ثقہ آدمی بھی جائز الخطاء ہے
اور اس سے بھی خطا و نسیان سرزد ہو سکتا ہے اور یہ گفتگو اہل علم اور
محققین کے نزدیک معتبر ہے۔ اسی قاعدہ کی رو سے ابن ابی لیلی نے کہا ہے:۔
کوئی شخص اس وقت تک فقیہ نہیں کہلاتا جب تک کہ وہ احادیث میں
کسی کو قبول اور کسی کو رد نہ کرے۔ ابو حنیفہؒ بعض احادیث کو رد

---

[1] اس سلسلہ میں مزید معلومات کے لئے ہماری کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ"
سے رجوع فرمائیں چونکہ یہ تمام اصول و قواعد بطور مبسوط اس میں درج ہیں۔

کرنے کے سلسلے میں لکھتے ہیں: یہ جو میں برخلاف قرآن، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نقل کرنے والے کی تردید کرتا ہوں یہ در اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب نہیں ہے بلکہ اس شخص کی تکذیب وتردید ہے جس نے آپ سے منسوب کرکے امر باطل کو نقل کیا اور درحقیقت ایسا محدث متہم ہے نہ کہ نعوذ باللہ پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذات گرامی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات ہمارے سر آنکھوں پر، ہم ان پر ایمان واثق رکھتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ تمام کے تمام حق ہیں۔ ان تمام باتوں کے علاوہ جیسا کہ کہہ چکے ہیں۔ اگر ہم یہ بات تسلیم کرلیں کہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کو اپنی زبان اقدس سے جاری فرمایا اور اس کے بعد علم اور تجربہ مکھی کے نقصانات کو ثابت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم اس حدیث کو ایک طرف رکھیں اور اسے نہ مانیں چونکہ اس حدیث کا مفاد دنیاوی امور سے وابستہ ہے اور ان موارد میں ہمیں بھی وہی روش اختیار کرنی چاہیئے جسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنایا تھا۔ کیوں کہ جس وقت آپ نے دیکھا کہ مدینے کے لوگ کھجور کے درخت کی پیوند کاری کر رہے ہیں تو حکم صادر فرمایا کہ اس کام کو ترک کریں مگر بعد میں جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ترک تلقیح سے نامرغوب کھجوریں حاصل ہوتی ہیں اور لوگوں کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو آپ نے اپنی مشہور حدیث لوگوں کے گوشگذار کی اور فرمایا: میں نے اس بارے میں محض گمان سے کام لیا آپ لوگ میرے گمان کے بارے میں مجھ سے بازپرس نہ کریں، ہاں البتہ اگر اللہ کی نسبت سے کچھ کہا ہو تو آپ اسے قبول کریں۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ: جب کبھی میں دین کے بارے میں آپ کے لئے کوئی حکم صادر کروں تو آپ اسے مان لیں لیکن اگر اپنی رائے سے کوئی بات کہتا ہوں تو آخر میں بھی ایک انسان ہوں اور اس کے

بعد آپ نے اپنی گفتگو کو اس عام اور عظیم قاعدہ پر ختم فرمایا جسے طول اعصار و قرون میں حقیقتاً تمام مسلمانان عالم کے لیئے دستور العمل ہونا چاہیئے. ایسا قاعدہ جو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ دین اسلام ہر زمانے اور ہر جگہ کے لیئے اپنے اندر صلاحیت رکھتا ہے۔ اور در حقیقت علم و دانش کا دوست اور جہل و نادانی کا دشمن ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا تم لوگ اپنے دنیاوی امور میں زیادہ واقفیت رکھتے ہو۔[۱] پھر اس حدیث کے راوی ہیں " ہماری کتاب کے ہیرو ابوہریرہؓ ہی ہیں کہ جن کی روایات خود ان کی زندگی اور ان کی حیات کے بعد بھی جھٹلائی گئیں حتیٰ کہ وہ احادیث جس کے بارے میں ان کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بنفس نفیس سنا ہے جیسے یہ حدیث کہ " خدا نے زمین کو ہفتہ کے دن پیدا[۲] کیا۔ اب ہم اس چھوٹے سے مقالے کو یہیں ختم کر کے ڈاکٹر سالم محمد کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان کی وجہ سے یہ سود مند بحث معرض وجود میں آئی اور ساتھ ہی ان سے اور ان کے دیگر ساتھیوں اور نیز رجال علم میں تمام مہندسین، منجمین، اور جغرافیہ دانوں سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے صحیح راستے سے اپنے سود مند علمی مباحث کو آگے بڑھائیں اور کسی سے ہرگز خوف و دہشت نہ کھائیں کیونکہ وہ اپنے دنیاوی امور میں بہتر سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔

منصورہ: محمود البوریہ

۱۔ یہ تمام روایات و اصول شیعہ عقائد و نظریات کے خلاف ہیں، شیعہ محدثین نے ان تمام احادیث کو سند و مفہوم دونوں لحاظ سے کمزور اور جعلی قرار دیا ہے۔ (مترجم)

۲۔ اور نیز اس دور میں جن لوگوں نے حدیث مگس پر اعتراضات کئے ان میں ایک شخصیت ڈاکٹر محمد توفیق صدقی کی بھی ہے۔

اسی دن یعنی ۲۴/۱۲/۱۹۵۱ کو جب یہ مضمون مجلۂ الرسالہ میں شائع ہوا مجھے ڈاکٹر سالم محمد کا جو اس وقت "کفر الشیخ" ہسپتال کے ناظم الامور تھے ایک تار موصول ہوا جسے میں تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہونے کے لئے عیناً نقل کرتا ہوں:

"استاد محمود ابوریہ بک۔ منصورہ، آپ کی گفتگو سے بہت خوشی حاصل ہوئی اور میں آپ کا بے حد ممنون ہوں۔ ڈاکٹر سالم محمد۔

لیکن اس جمود پسند ظاہر بیں شیخ کو میرا مقالہ پسند نہ آیا اور اس دن سے اس کے دل میں میرے خلاف کینہ وحسد کی آگ بھڑک اٹھی اور جہاں کہیں کسی عنوان سے میرا تذکرہ ہوا اس نے میری بدگوئی میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور نیز ترمذی نے ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کھجور جنت کا میوہ ہے اور اس میں زہر سے شفا[1] ہے۔ شیخین نے جو روایتیں ان سے نقل کی ہیں ان میں یہ روایت بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: ایک سے دوسرے میں سرایت کرنے والی بیماری اور اُلو کی نحوست اور بدشگونی کوئی حقیقت نہیں رکھتی حالانکہ صحابہ نے اس کے برخلاف عمل کیا ہے اور بخاری نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے فرمایا: جب تمھیں یہ خبر ملے کہ طاعون نے کسی سرزمین پر حملہ کیا ہے اور تم وہاں موجود ہو تو خبردار اس ملک سے باہر نہ جانا: اور اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن عوف نے بھی نقل کیا ہے۔ اور جس وقت حضرت عمرؓ نے اس حدیث کو سنا تو شام کے راستے سے واپس لوٹے جہاں طاعون پھیلا ہوا تھا اور جب ابوہریرہ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے ایک اور حدیث پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ سے یہ روایت کی کہ تندرست آدمی پر کوئی بیماری اثر انداز نہیں ہوتی۔ اس حدیث

۱۔ ص ۲۸ ـــ ج ۲ مطبوعہ ہندوستان۔

کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ مگر جب حارث بن ابی ذباب نے جو ابوہریرہ کے چچازاد لڑکے تھے ان پر اعتراض کیا اور کہا: تم اس کے ساتھ کہ کوئی بیاری کسی تندرست انسان پر اثر انداز نہیں ہوتی اس دوسری حدیث کو نقل کرتے ہو کہ وبائی امراض، بدشگونی اور الّو کی نحوست کوئی حقیقت نہیں رکھتی ؟ تو ابوہریرہ نے لاعلمی کا اظہار کیا اور غصہ سے حبشی زبان میں کچھ کہا جو سمجھ میں نہ آسکا۔[۱]

ابوہریرہ سے اس قسم کی روایات بکثرت موجود ہیں جنھیں اگر ہم جمع کرنا چاہیں تو ایک علیحٰدہ کتاب مرتب ہوگی۔ اس باب کے اختتام پر انصافاً یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ابوہریرہ نے ایسی بھی احادیث نقل کی ہیں جن سے انوار نبوت کی شعاعیں پھوٹتی ہیں مگر ان احادیث کی تعداد بے حد قلیل ہے۔ شاید ان احادیث کو صحیح معنوں میں انہوں نے پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن کر محفوظ کر لیا ہو جس کی مثال وہ روایت ہے جسے احمد نے اپنے مسند میں نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی جنگ سے اٹھنے والے گرد و غبار اور دوزخ کا دھواں، مرد مومن کی ناک میں جمع نہیں ہو سکتے۔ نیز یہ کہ مرد مسلمان کے قلب میں بخل و ایمان یکجا نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ دوسری ایک حدیث یہ ہے کہ: بے نیازی اور استغناء مال و دولت کی فراوانی کا نام نہیں بلکہ اس سے مراد نفس کی بے نیازی ہے اور اس حدیث کو بخاری نے "ادب المفرد" میں نقل کیا ہے ایک

۱۔ اس حدیث کو مسلم نے اور اسی طرح مصر کے عظیم محدث ابن دہب نے قاہرہ میں فرانسیسی علمی انجمن سے ۱۹۳۹ میں شائع ہونے والے جامع الدین کے صفحہ ۱۰۴ پر نقل کیا ہے۔ اس عظیم محدث نے ابوہریرہ سے زیادہ حدیثیں نقل نہیں کی ہیں۔

اور حدیث ہے کہ: مومن اپنے بھائی کا آئینہ دار ہے جب وہ اس میں کوئی برائی یا عیب دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح کرتا ہے۔

اکابرین صحابہ کی نقل کردہ روایات

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ابوہریرہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دے کر ۵۳۷۴ حدیثیں نقل کی ہیں جن میں سے بخاری نے کل ۴۴۶ حدیثوں کو اپنے لئے انتخابات کیا ہے حالانکہ ابوہریرہ کی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فقط ایک سال اور چند ماہ کی مصاحبت رہی ہے۔ اب رہ گئی یہ بات، کہ جن لوگوں نے ابوہریرہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ انہوں نے کتنی احادیث پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہیں اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریب، قواعد دین سے زیادہ آشنا اور فضیلت وجہاد میں کیا مہاجر کیا انصار سب پر فوقیت رکھنے والے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کی روایات

حضرت ابوبکرؓ، حضرت علی علیہ السلام کے بعد اسلام لانے والے پہلے شخص تھے۔ ان کا شمار شیوخ صحابہ میں ہوتا تھا مگر ذرا ملاحظہ فرمائیے انھوں نے کل کتنی روایتوں کو نقل کیا؟ نووی نے تہذیب میں لکھا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے ۱۴۲ حدیثیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کی ہیں جن میں سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں ۱۰۴ احادیث کو لیا ہے۔ صحیح بخاری نے دو، مسلم نے ایک، ترمذی نے چھ اور ابوداؤد نے ایک حدیث کو نقل کیا ہے اور شاید قارئین کو یہ بات بھی معلوم ہو کہ حضرت ابوبکرؓ عرب کے نسابوں میں شمار ہوتے تھے اور انھیں تمام قبائل کے نسب نامے بخوبی یاد تھے ایسی صورت میں اگر حضرت ابوبکرؓ، ابوہریرہ کی طرح روایت حدیث کو اپنا پیشہ بناتے اس وصف کے ساتھ کہ وہ مسلسل ۲۳ سال پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہمراہ رہے تو آج یہ ہمارے لئے ایک بڑا ذخیرہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ کی بیان کردہ روایات

حضرت عمرؓ نے ہجرت سے چھ سال پہلے اسلام قبول کیا اور سات سال مکہ اور دس سال مدینہ میں رسولِ خداؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہے پھر اس کے بعد سنہ ۲۳ ہجری تک زندگی نے ان کے ساتھ وفا کی۔ ان کا کہنا ہے کہ میں اور انصار میں سے میرا ایک ہمسایہ باری باری ایک دن درمیان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے اور وحی سے متعلق آپ کے بیانات کو ایک دوسرے سے تبادلہ کرتے[۱]۔ مگر اس کے باوجود حضرت عمرؓ کی حدیثوں کی تعداد بہت قلیل ہے اور جیسا کہ ابن حزم نے لکھا ہے۔ انہوں نے تقریباً ۵۰ احادیث[۲] کو نقل کیا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی روایات

تمام عالم اسلام میں علی علیہ السلام سب سے پہلے مسلم ہیں۔ آپ نے آغوشِ رسالت میں پرورش پائی۔ بعثت سے پہلے پیغمبر کی حمایت کا شرف حاصل رہا اور ان کی سرپرستی میں پروان چڑھے اور اپنی وفات تک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اس طرح کہ نہ کبھی حضر اور نہ سفر میں ان سے جدا ہوئے۔ آپ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی اور آپؐ کی صاحبزادی فاطمہ الزہراء سلام اللہ علیہا کے شوہر گرامی تھے۔ آپ نے بجز تبوک باقی تمام لڑائیوں میں حصہ لیا۔ جنگ تبوک پر جاتے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں مدینہ میں اپنا جانشین

۱۔ فتح الباری ـ ص ۱۵۰ ـ ج ۱

۲۔ کتاب الفصل فی الملل والنحل ـ ص ۱۳۸

چھوڑا۔ حضرت علی علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ کے رسول کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کا سرپرست بنا رہے ہیں؟ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے علی علیہ السلام کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہاری نسبت مجھ سے وہی ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی؟ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس حدیث کو شیخین اور ابن سعد نے نقل کیا ہے[1]۔ پھر حضرت علی علیہ السلام جیسی ہمہ گیر شخصیت جو ذکاوت، ہوش و خرد فہم و فراست اور تمام صفات جلیلہ اور فاضلہ سے ہمکنار تھے۔ اس پر یہ شرف کہ دست پرورده رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے اور تقریباً ایک تہائی صدی سے زیادہ آپ نے رشد کامل کے ساتھ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ گذارے اگر ہر روز ایک حدیث بھی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محفوظ فرماتے تو آج آپ ۱۲ ہزار احادیث کے راوی ہوتے۔ یہ فقط اس صورت میں تھا کہ آپ ہر روز ایک حدیث نقل فرماتے اور اگر آپ جو کچھ سنتے وہ تمام کی تمام روایت فرماتے تو کیا عالم تھا۔ اور بیان روایات دراصل انھیں کا حق بھی تھا۔ کیوں کہ ان کی روایات پر کسی کو مجال کلام نہ تھا۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت علی علیہ السلام کو لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا۔ ایسے عظیم المرتبت پیشوا اور امام الائمہ سے جن کا تمام صحابہ میں علمی اعتبار سے نظیر و مثیل نہیں تھا ابن حزم کی روایت کے مطابق کُل ۵۰ احادیث نقل ہوئی ہیں جن میں سے بخاری اور مسلم نے کل ۲۰ احادیث کو نقل کیا ہے[2]۔

۱۔ طبقات ابن سعد ــ ص ۱۵ ــ ۲۔

۲۔ یہ فقط مسلم اور بخاری کا ذکر ہے۔ مگر ہمارے پاس ان احادیث کی تعداد موجود نہیں ہے۔ جنھیں شیعہ حضرات نے آپؑ سے نقل کیا ہے۔ کیوں کہ ہر قوم کا ایک الگ راستہ اور رہبر ہوا کرتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کی بیان کردہ روایات

رہے عثمانؓ تو ان کے سلسلہ میں ہمیں صرف اتنا ہی کہنا ہے کہ ان سے بخاری نے ۹ اور مسلم نے ۱۵ احادیث نقل کی ہیں۔

زبیرؓ بن عوام

حضرت زبیرؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری، آپؐ کے پھوپھی زاد بھائی اور ان دس افراد[1] میں سے ایک ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی ہے۔ اس کے علاوہ ان کا تعلق اہل شوریٰ سے بھی ہے۔ بخاری نے ان سے ۷ اور مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے سنہ ۳۶ ہجری میں وفات پائی۔

عبدالرحمٰنؓ بن عوف

یہ بھی ان افراد میں شامل ہیں جنھیں جنت کی بشارت دی گئی اس کے علاوہ عبدالرحمٰن کا شمار اراکین شوریٰ میں بھی ہوتا ہے۔ حضرت عمر ان سے احادیث سماعت کرتے اور کہتے: تم سرتاپا عدل و رضا ہو اور ان کی تصدیق کرتے مگر انہوں نے حدیث استئذان میں ابوموسی

۱۔ وہ دس افراد جنھیں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت دی "عشرہ مبشرہ" کہلاتے ہیں جن کو ایک شعر میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔ (البتہ اہل سنت کے عقیدہ کے مطابق)

زبیر وطلح وابن عوف وعامر　　　وسعدان والصہران والختنان

زبیرؓ، طلحہؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ابوعبیدہؓ عامر بن الجراحؓ، سعدؓ بن ابی وقاصؓ، سعیدؓ بن نفیلؓ، علیؑ بن ابی طالبؑ علیہ السلام، حضرت عثمانؓ بن عفانؓ، حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت عمرؓ،

اشعری کی تصدیق نہیں کی[1] اور ان سے کہا: گواہ لاؤ. عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف سے صحیحین میں ۲ حدیثیں نقل ہیں اور خود بخاری نے ان سے ۵ احادیث کو نقل کیا ہے.

سعد بن ابی وقاصؓ

ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ میری وہ راتیں بھی گزری ہیں جبکہ لوگ مجھے ثلث اسلام میں شمار کرتے تھے. نیز یہ کہ وہ جنگ بدر اور حدیبیہ کے شریک اور اللہ کی راہ میں تیراندازی کرنے والے پہلے شخص تھے. پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احد کے دن ان کے گرفتار شدہ ماں باپ کو فدیہ دے کر آزاد کرایا اور سعد سے کہا: میرے ماں باپ تم پر فدا، تیراندازی جاری رکھو اور نیز پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا۔ سعد میرے ماموں ہیں اس کے علاوہ سعد قادسیہ کے ہیرو اور لشکر کسریٰ کو پسپا کرنے والے فرد بھی ہیں اور ان چھ افراد میں بھی شامل ہیں. جنھیں حضرت عمر نے اپنی ضربت کے موقع پر شوریٰ کے لئے منتخب کیا. سعد نے سنہ ۵۵ ہجری میں وفات پائی۔ اُس وقت ان کی عمر ۸۰ سے متجاوز تھی۔

---

[1] ابوموسی حضرت عمرؓ کی خدمت میں تین مرتبہ اذن طلب ہوئے مگر انھیں اذن باریابی نہ ملا اور وہ واپس لوٹ آئے. حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا تم واپس کیوں لوٹ آئے. ابوموسی نے عرض کی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ تین دفعہ اذن طلبی کے بعد اگر کسی کو اذن باریابی نہ ملے تو اسے واپس لوٹ جانا چاہیئے. حضرت عمر نے ان کی تصدیق نہیں کی اور کہا: اگر اس حدیث کی تصدیق میں کوئی گواہ پیش نہ کر سکے تو تازیانوں سے تمہاری خبر لوں گا۔ ابوموسی گئے اور ایک شخص کو حاضر کیا جس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس حدیث کو سنا تھا۔

...میں ان سے ۲۷۰ حدیثیں نقل ہیں۔ بخاری نے ۵ اور مسلم نے ۱۸ احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

ابی بن کعب رض

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: علم تم پر آسان ہو اے ابامنذر، اور حضرت عمر نے انھیں سید المسلمین کے لقب سے نوازا وہ ان کی عزت کیا کرتے تھے اور ان سے مشورے لیا کرتے تھے۔ ابی بن کعب وہ پہلی شخصیت ہیں جنھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لکھنا شروع کیا۔ اور نیز وہ پہلے فرد ہیں جنھوں نے سب سے پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن مجید کی جمع آوری کی۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ابی میری امت کے سب سے زیادہ پڑھے لکھے شخص ہیں انہوں نے عہد خلافت حضرت عثمان میں وفات پائی۔ کتب روایت میں ان سے ۶۰ اور کچھ حدیثیں نقل ہیں۔ بخاری نے تین اور مسلم نے سات حدیثوں کو ان سے لیا ہے۔

زید بن ثابت الانصاری رض

زید بچپن ہی سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصاحب اور کاتبان وحی میں سے تھے اور چونکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سریانی زبان کے خطوط بھی آیا کرتے تھے اس لئے آپ نے زید کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد زید حضرت ابو بکر رض اور حضرت عمر رض کے لئے بھی محرومی کا کام کرتے رہے اور جیسا کہ روایت ہے وہ حضرت ابو بکر رض اور حضرت عثمان رض کے ادوار میں قرآن لکھنے پر مامور تھے۔ ان کا شمار ان افراد میں بھی ہوتا ہے جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں قرآن کو جمع کیا۔ زید بڑے متقی اور پرہیزگار انسان تھے ان کی جلالت وعظمت کا یہ عالم تھا کہ ابن عباس رض انکی

سواری کی رکاب تھاما کرتے تھے۔ کتب روائیت میں زید سے کل ۹۲ احادیث نقل ہیں۔ جن میں سے شیخین نے متفقاً ۵ اور بخاری نے منفرداً ۴ احادیث کو نقل کیا ہے۔

سلمان فارسی رض

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ اگر دین ثریا پر ہو تو سلمان اُس کو حاصل کرنے والے ہیں۔ حضرت عائشہ رض کہتی ہیں سلمان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دائم نشست و برخاست رکھتے تھے۔ اور رات کو تنہائی میں آپ سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزدیکی میں ہم پر غلبہ پا جائیں گے حضرت علی علیہ السلام نے آپ کے بارے میں فرمایا ہے۔ سلمان علم اولین و آخرین کے دارا ہیں اُن کی معلومات دوسروں کے لئے قابل فہم نہیں وہ ایک خشک نہ ہونے والا سمندر ہیں۔ آپ سے مسند بقی میں کل ساٹھ حدیثیں نقل ہیں جن میں سے بخاری نے ۴ اور مسلم نے ۳ حدیثوں کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ سلمان نے ۳۵ اور بقول ۳۶ ہجری میں رحلت فرمائی۔

۱۔ مزید معلومات کے لئے حافظ مغرب ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب ص ۵۷۲ — ج ۲ اور سیر اعلام النبلاء ص ۳۶۲ - ج ۱ ملاحظہ فرمایئے۔

باقی حاشیہ از مترجم کے لئے دیکھئے ضمیمہ نمبر ۱

وہ اکابر صحابہ

جنہوں نے

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

سے کوئی

روایت نہیں کی

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ بہت سے اکابر صحابہ نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث نقل نہیں کی جن میں یہ دو مشہور ہستیاں بھی ہیں۔ ایک ابو عبیدہ عامر بن جراح جنھیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امین امت کا خطاب دیا اور دوسرے سعید بن نفیل جن کا شمار ان دس افراد میں ہوتا ہے جنھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت کی بشارت

دی. ہم اس سلسلہ میں گفت گو کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ جو کچھ عرض کیا جا چکا ہے وہ سوجھ بوجھ کی بالادستی کو تسلیم کرنے والوں کے لئے مفید اور کافی ہے رہی ابوہریرہ کی وفات تو قول صحیح کے مطابق جس طرح نوری نے مسلم کی کتاب پر اپنی شرح میں لکھا ہے یہ واقعہ سنہ ۵۹ ہجری کو قصر عقیق میں پیش آیا جو ان کا ذاتی قصر تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔ ان کی میت مدینے لائی گئی اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نے جو اس وقت معاویہ کی طرف سے امیر مدینہ تھا۔ ان پر نماز پڑھی اور جب ولید نے ان کی موت کی اس خبر کو اپنے چچا معاویہ کے لئے بھیجا تو معاویہ نے ولید کو حکم دیا کہ معلوم کرو ابوہریرہ نے کن افراد کو اپنے پیچھے چھوڑا۔ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ اور دس ہزار درہم ان کے ورثاء کے حوالے کرو اور حق دوستی ادا کرو۔ اس طرح بنی امیہ نے ابوہریرہ کی موت کے بعد بھی ان پر احسان کی موت کے بعد بھی ان پر احسان میں کوتاہی نہیں کی۔[1]

۱۔ حالانکہ ابوہریرہ مدینہ میں عقیق کے مقام پر دفن ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی ایک قبر مشہور مسجد "مسجد ابوہریرہ" میں بھی موجود ہے۔ جس پر ایک بڑا سا سبز عمامہ رکھا ہوا ہے۔ یہ قبر مصر میں واقع شہر جیزہ کو مشرق و مغرب کی سمت قطع کرنے والی ایک شاہراہ پر واقع ہے جو "خیابان سیدی ابوہریرہ" کے نام سے منسوب ہے میں نے اس قبر کو ۲۳ جنوری ۱۹۶۲ء بروز ہفتہ دیکھا اور وہاں جا کر بہ نیت عبادت ایک سورہ فاتحہ پڑھی مگر میرے ایک دوست نے جو میرے ہمراہ تھا اور دین میں تفقہ و تفحص کا عادی تھا میرے اس عمل پر معترض ہوا اور کہا: تمہارا یہ عمل خلاف سنت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کیونکہ مردوں پر فاتحہ کے سلسلے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا صحیح اور کیا جعلی کسی قسم کی کوئی حدیث ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ میں نے جواب دیا: میں اس سلسلے میں شیوخ دین کی تقلید کرتا ہوں چونکہ

ابوہریرہ کے بارے میں ایک مجمل گفتگو

اب جبکہ ہم ابوہریرہ کی تاریخ کے اس مرحلہ تک پہنچ چکے ہیں تو یہ بھی ضروری ہے کہ اس منزل پر ان کے بارے میں فقیہ محدث محمد رشید رضا رحمۃ اللہ کے ارشادات کو بھی اس میں شامل کریں۔ فقیہ موصوف فرماتے ہیں[1]: ابوہریرہ کا اسلام سنہ ۷ ہجری سے شروع ہوا اس بنا پر انہوں نے اپنی بیان کردہ بہت سی احادیث کو ذات گرامی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں سنا بلکہ ان کو دیگر صحابہ اور تابعین سے لیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر جس طرح جمہور محدثین کا کہنا ہے کہ صحابہ کل کے کل عدول ہیں[2] تو ان کے تابعین کے سلسلے

وہ ہمیشہ نہ صرف قبور ہی پر بلکہ نام آنے پر بھی فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ یہ تعجب کی بات نہیں کہ ابوہریرہ کی دو جگہ قبریں ہیں کیوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں بھی اپنے استاد کعب الاحبار کی تاسئی کی ہے اس لئے کہ اس یہودی کی قبر جیسا کہ سب جانتے ہیں شام کے ایک شہر حمص میں موجود ہے مگر ساتھ ہی اس کی ایک دوسری قبر جس پر ایک بڑا ساقبہ تعمیر کیا گیا ہے قاہرہ میں واقع محلہ ناصریہ کی ایک بڑی مسجد میں ہے اور حیرتناک اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ جمہوری متحدہ عرب کا اوقاف مسلمانوں کے سالانہ رقوم کا ایک حصہ رجال دین کی آنکھوں کے سامنے ابوہریرہ اور ان کے استاد کعب الاحبار کے قبور کی تعمیر میں خرچ کررہا ہے۔

۱۔ المنار ــ ص ۴۳ ــ ج ۲۹

۲۔ اس سلسلے میں جمہور مسلمین کا یہ فیصلہ کہ صحابہ کل کے کل عدول ہیں سراسر خطا ہے اور ہم نے اس موضوع کو اپنی کتاب "اضواء علی السنہ المحمدیہ" میں پوری طرح واضح کردیا ہے اور یہ بات ثابت کردی ہے کہ عدالت صحابہ اغلبیت رکھتی ہے نہ کہ کلیت۔

میں تو ایسا نہیں۔ اور یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ ابوہریرہ کعب الاحبار سے سنتے اور انھیں سے روایت کیا کرتے تھے۔ ان کی بیشتر احادیث دوسروں سے ماخوذ ہیں مگر ان کا اصرار ہے کہ انھیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے براہ راست ان احادیث کو سنا ہے۔ جس کی مثال یہ حدیث ہے کہ "خدا نے زمین کو ہفتہ کے دن خلق کیا" درآں حالیکہ سب نے تصریح کی ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو کعب الاحبار سے لیا ہے[1]۔ اسی طرح مذکورہ محدث و فقیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں[2]۔ نیز ابوہریرہ باعتبار معانی نقل حدیث کرتے تھے اور ان کی بیشتر احادیث مرسل ہیں کیونکہ انہوں نے ان کو زیادہ تر صحابہ سے اور بعض کو تابعین[3] سے سنا ہے نہ کہ ذات گرامی ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے علاوہ فقیہ دانشمند ابوہریرہ کے بارے میں مزید فرماتے ہیں[4]۔ ابوہریرہ نے بہت سی ایسی احادیث کو نقل کیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں اور کسی نے ان کی تائید نہیں کی ہے اور جس کا ایک حصہ مورد انکار یا معرض گمان میں واقع ہے کیونکہ اس کا موضوع بڑا اچھوتا اور عجیب و غریب ہے جیسے فتنوں پر مبنی احادیث یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب وہ غیبی اخبار جو آپ کے بعد وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ اس کے علاوہ مذکورہ احادیث میں سے بعض فی

۱۔ اس طرح یہ جلیل القدر عالم بھی دوسرے علماء کی طرح یہ ثابت کرتے ہیں کہ ابوہریرہ دروغگو تھے۔ حتیٰ کہ ان احادیث میں بھی جن پر ان کی تصریح ہے کہ انہوں نے خود ان کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔

۲۔ تفسیر المنار۔ ص ۱۶۳ — ج ۸

۳۔ یعنی درحقیقت وہ صحابہ اور تابعین میں سے کسی کا نام نہیں لیتے جن سے انہوں نے روایت کی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا وہ عادل بھی تھے کہ نہیں۔

۴۔ المنار۔ ص ۹۷۔ ج ۱۹

نفسہ غیر قابل قبول ہیں کہ اگر ان کو کوئی غیر صحابی نقل کرتا تو یقیناً وہ نقادان حدیث اور ارباب جرح و تعدیل کے نزدیک ان کی رسم کے مطابق غیر قابل قبول ہوتیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ابوہریرہ کے بارے میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں[2]۔ فقیہ مذکورہ ابوہریرہ اور عبداللہ بن عباس کے بارے میں جنہوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کثرت کے ساتھ حدیثیں نقل کیں ہیں بغیر اس کے کہ انہوں نے ان کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے موقع پر ابھی کمسن تھے اور جیسا کہ کہا گیا ہے انھوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کل بھی سے زیادہ احادیث کو نہیں سنا ہے مگر بعضوں نے اس تعداد کو ۲۰ تک بھی پہنچا دیا ہے اس خوبی سے ساتھ کہ ابن جوزی کے مطابق ان سے ۱۶۶۰ اور مسند بقی میں ۱۶۹۶ احادیث مروی ہیں، کہتے ہیں[3] ابوہریرہ اور ابن عباس نے ہرگز شریعت کے اساس اور اس کے ارکان کی بنیاد نہیں ڈالی ہے اور اس کے لئے کسی اصل اور فرع کو وضع نہیں کیا ہے بلکہ ان دونوں افراد نے دوسرے صحابہ کرام کی طرح فقط حدیثوں کو ہمارے لیے نقل کیا ہے اور اگر ہم احکام شرعی کے بارے میں ابوہریرہ کی روایات کا مجملہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ان کی تعداد بہت کم ہے اور ناچیز ہے اور اگر یہ

۱۔ مگر کون ابوہریرہ پر جرح کر سکتا ہے انکا تعلق تو صحابۂ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے اور باب جرح و تعدیل صحابہ پر بند ہے البتہ غیر صحابہ پر اس کا اطلاق یقینی ہے۔

۲۔ لیکن ہمارے زمانے میں ایسے اشخاص پائے جاتے ہیں کہ جہاں کسی نے ابوہریرہ کے بارے میں کچھ کہا اور وہ ان کی نظر میں زندیق بن بیٹھا۔

۳۔ مجلہ المنار۔ ص ۱۰۱۔ ج ۱۹۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رشید صاحب رحمۃ اللہ نے یہ بات ان مبلغین نصاریٰ کی رد میں کہی ہے۔ جنھوں نے ابوہریرہ اور ابن عباس پر انکی عجیب و غریب احادیث کی بنا پر انتقاد کیا ہے۔

روایات بیان نہ بھی ہوتیں تو کتب احکام پہ اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوتا اس موضوع کے بارے میں کہ ابوہریرہ اور دیگر افراد نے احادیث کو باعتبار معانی روایت کیا ہے ان مسائل کو ہم اپنی کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیہ" میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں یہ عظیم المرتبت ہستی کہتی ہے۔ "باعتبار معانی روایت حدیث عظیم مشکلات کی پیدائش کا سبب بن چکی ہے[1]۔ اور فقیہ موصوف اسرائیلیات کے ان دو عظیم سرگروہوں کعب الاحبار اور وہب بن منبہ کے بیان خرافات کے سلسلہ میں کہتے ہیں[2]: ہم یہ کہاں سے جان لیں کہ یہ تمام روایات یا وہ روایات جن کی تردید ہوئی ہے ان دو افراد[3] سے مربوط نہ ہوں۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ کار یہ نہیں تھا کہ وہ جو کچھ بھی ایک دوسرے یا تابعین سے سنیں بر سبیل نقل و روایات اسے بیان کریں۔ بلکہ زیادہ تر وہ انھیں بغیر نسبت کے بیان کرتے تھے اور اکثر تابعین کا بھی یہی حال تھا[4] پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ابوہریرہ کے تمام منقولات کی بھی یہی کیفیت تھی کہ وہ انھیں براہ راست پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دے کر کہتے تھے۔ "قال رسول اللہ کذا" یا یہ کہ: سمعت رسول اللہ یقول کذا۔ آخر کار محدث مذکور فرماتے ہیں[5]۔ اس بناء پر مجھے یقین نہیں کہ ابوہریرہ کی جو احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب ہیں اور ان کا متن اچھوتا ہے۔ اور اس میں سماع کی تصریح بھی موجود نہیں وہ کعب الاحبار کے روایات

۱۔ مجلہ المنار۔ ص ۵۱۴۔ ج ۲۹

۲۔ تفسیر المنار۔ ص ۴۷۶۔ ج ۹

۳۔ یعنی کعب الاحبار اور وہب بن منبہ

۴۔ جیسا کہ ہم نے پہلے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

۵۔ المنار۔ ص ۳۴۲۔ ج ۲۔

سے نہ ہو اس لئے کہ ارباب حدیث نے تصریح کی ہے کہ ابوہریرہ نے کعب الاحبار
سے بھی روایتیں لیں ہیں.

یہ ابوہریرہ کی مختصر سی سوانح حیات ہے جس میں ہم نے صرف اس
کے بیان پر اکتفا کی ہے اور دور جدید کے اس تحلیلی طرز تحقیق سے کام نہیں
لیا ہے. حالانکہ ہمیں معلوم ہے کہ آج کل اس تحلیل و تجزیہ کے بغیر کوئی
سوانح مکمل نہیں شمار کی جا سکتی اور رجال اور واقعات کے سلسلہ میں اس
طرز نو کی پیروی کے بغیر بات مکمل نہیں ہوتی لیکن ہمیں ایسا اس لئے کرنا
پڑا کہ ہماری قوم اس منزل پر نہیں پہنچی ہے کہ وہ اس طرح کے کام کے نتائج
کو برداشت کر سکے. پھر جب موضوع کسی صحابی سے مربوط ہو تو یہ معاملہ
اور بھی نازک ہو جاتا ہے کیونکہ ان کے بارے میں تو لوگ یہاں تک کہتے
ہیں کہ: یہ سب کے سب عدول ہیں. اسی بنا پر کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی کہ
علم و برہان و حجت کے ذریعے ان میں سے کسی ایک کی سیرت یا انکے روایات
کے بارے میں گفتگو کرے اور ان کے بارے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ:
افسوس کہ ان کی محفلیں برخاست ہوئیں. گویا عدالت و عصمت فقط انھیں
میں منحصر تھی. وہ بھی اس طرح کہ جیسے وہ درجہ انسانیت سے بالاتر تھے
اور یہ لوگ اس سہو و خطا و وہم و اشتباہ سے منزہ تھے جس سے
وہ تمام افراد دوچار ہیں. مگر جھوٹی بات یا تہمت و بہتان تراشی کے
بغیر ہمیں کہنا پڑے گا کہ وہ بھی ان امور سے عاری نہیں تھے. اگر ایسا نہیں
ہے تو پھر جو کچھ قرآن نے ان کے اعمال و اوصاف کے بارے میں کہا
ہے اس کو کس چیز پر محمول کریں گے!؟ صحابہ سے مخصوص سورۂ منافقین

کو کیا کہا جائے گا!؟ سورہ برائت کو جسے سورۂ فاضحہ[1] بھی کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس میں صحابہ کی ایک جماعت کو رسوا کیا گیا ہے. کن افراد کے ساتھ منسوب کیا جائیگا!؟ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتد ہونے والے افراد کس زمرے میں شمار ہوں گے!؟ مگر ان تمام معقولات کے باوجود اگر کوئی شخص طرفداران صحابہ کے اس گروہ سے سامنا کر کے اس قسم کے مطالب کو ان کے گوشگذار کرتا ہے تو وہ ان کے غصے، دشنام اور ناسزا گوئی کا شکار بن کر آخر کار مرتد اور زندیق بن جاتا ہے اور سلاح تکفیر کے تیز دھارے اس کو اپنا ہدف بنا لیتے ہیں مگر ہم اس مرحلہ میں بھی ان کے ہم گام بنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اچھا درست ہے کہ تمام صحابہ معصوم عن الخطا تھے مگر خاص طور پر ابوہریرہ کے سلسلے میں ہم اس قسم کی گفتگو کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں. ان کا معاملہ دیگر صحابہ سے بالکل مختلف ہے کیونکہ اکابر صحابہ نے ان پر جرح کی ہے اور ان کی روایات کو رد کر دیا ہے بلکہ جھٹلایا ہے اور انھیں دروغگو کہا ہے. مختصر یہ کہ جس طرح ہم پہلے کہہ چکے ہیں ابوہریرہ عالم اسلام کے پہلے متہم راوی ہیں۔

۱۔ سورہ برائت کو سورۂ توبہ بھی کہا گیا ہے کیونکہ اس سورہ میں خداوند عالم فرماتا ہے "لقد تاب اللہ علی النبی" الی آخر. بخاری نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ: میں نے ابن عباس کے سامنے سورۂ توبہ کا نام لیا تو انہوں نے کہا: یہ سورہ فاضحہ ہے کیوں کہ اس میں آیتوں کا ایک سلسلہ ہے جو مسلسل صحابہ کے بارے میں نازل ہوتی رہیں۔ اس طرح کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ شاید اب ہم میں سے کوئی بھی ان آیتوں کی زد سے نہ بچ سکے گا۔ اس سورہ کو سورۂ منقرہ بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں منافقین کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس سورہ کو مخزیہ، مثیرہ، حافرہ منکلہ، مدمدمہ، مقشقشہ، مبعثرہ، مشردہ اور سوء سورہ عذاب بھی کہا جاتا ہے۔

(تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری۔ ص ۱۳۶ - ج ۲)

خاتمۂ کلام

شیخ المضیرہ کے نام سے یہی وہ کتاب ہے جس کی تالیف میں، میں اللہ سے توفیق کا طالب ہوا اور اس کی بارگاہ میں طلب خیر کی تمنا کی اور جو کچھ میرے بس میں تھا اور جتنا مجھ سے ہو سکا میں نے اس بارے میں تحقیق و تفحص اور وقت نظر سے کام لیا اور خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ اس امر میں میرا اس کے علاوہ کوئی خاص منشا نہیں تھا کہ لوگ اس صحابی کی سیرت اور تاریخ کے

بارے میں بھی جان لیں جو صحابہ میں ایک خاص وضع کا حامل تھا۔ کیوں کہ میرے نزدیک اس کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس بنا پر ہم نے ابوہریرہ کی قامت سے اس جامۂ روایت کو اتار پھینکا جس کے تلے ان کے بے شمار صفات واعمال مضمر تھے انکی شخصیت اور روش کو بالکل اسی طرح قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دیا جس طرح کہ ہونا چاہیئے تھا۔ خواہ وہ اس دور کی بات ہو جب وہ بکریاں چراتے تھے اور فقط دو وقت کی روٹی کے عوض ابن عفان اور غزوان کی بیٹی بسرہ کی خدمت کیا کرتے تھے یا وہ دور ہو جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر انہوں نے اسلام قبول کیا اور جیسا کہ خود ان کا کہنا ہے کہ انکا وقت پیٹ بھرنے اور صفہ میں گذر بسر کرنے میں کٹتا تھا یا اس دور سے متعلق ہو جب وہ علاء الحضرمی کے ساتھ موذن کی حیثیت سے بحرین گئے۔ اور پھر حضرت عمرؓ کی جانب سے والی بحرین مقرر ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد معزول کر دیئے گئے یا اس کا تعلق اس عہد سے ہو جب بنی امیہ کی حکومت آئی جو اپنے وقت کے بادشاہ تھے اور جن کے ہاتھوں میں امر ونہی، بخشش وحرمان سبھی کچھ تھا کہ اس عہد میں ابوہریرہ مورد نوازش و محبت قرار پائے اور ان کے لئے ایک زمین ذوالحلیفہ اور دوسری عقیق میں الاٹ ہوئی یہاں تک کہ وہ عقیق میں ایک خوبصورت اور عالیشان محل بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ مختصر یہ کہ ان پر اتنی بخششوں اور عنایتوں کی بارش ہوئی جس کا وہ خواب میں بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے بعد ان کی شادی ایک جلیل القدر خاتون غزوان کی صاحبزادی بسرہ سے کر دی گئی جس کے یہاں وہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ملازم تھے۔ جی ہاں آخر کار ایک بے نام ونشاں زبوں حال خادم نے ایک جلیل القدر اور با اسم ورسم مخدوم کے ساتھ شادی رچالی جو اپنے قبیلہ پر حکمرانی کیا کرتی تھی۔ یا یہ ہے اس سنگدل اور غدار زمانے کا طرز سلوک۔

بہر حال ہم نے ابوہریرہ کی تاریخ حیات پر روشنی ڈال کر صاحبان فکر و نظر کے لئے ایک اہم موضوع کو چھیڑ دیا ہے جواب ہر شخص کے لئے موضوع بحث بنا ہوا ہے جس کا اہم ترین حصہ ان کی کثرت روایت ہے جسے انہوں نے براہ راست پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت دی ہے حالانکہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ان کی مصاحبت بہت ہی مختصر رہی ہے۔
اس کے علاوہ ہم نے باوثوق ارباب حدیث کی کتابوں سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ وہ اپنی روایات میں تدلیس سے کام لیتے تھے اس لئے ان کی اس طرح کی روایات مراسیل میں شمار ہوتی ہیں اور پھر ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ چونکہ اکابر صحابہ ابوہریرہ کی روایات میں شان نبوتؐ کے خلاف گفتگو پاتے تھے اس لئے وہ انھیں متہم قرار دیتے تھے اور یہ اتہام آج بھی اسی طرح ان کے دامن سے وابستہ ہے ہم نے ان تمام مطالب کو دوسری اہم باتوں کے ساتھ اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے تاکہ اس کے صفحات ایک ایسا صاف و شفاف آئینہ بن جائیں جس میں ہر شخص ابوہریرہ کے چہرے کو ان کے حقیقی روپ میں دیکھ سکے اور اس کی روشنی میں ان کی روایت کے بارے میں صحیح فیصلہ کر سکے۔ یہاں یہ بات بتانا بھی ضروری ہے کہ فطرت و تربیت اور ماحول جس میں ابوہریرہ نے پرورش پائی تھی ان کی روش اور ان کے گفتار و کردار میں بڑی موثر رہی ہے اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں کسی کو مجال انکار نہیں، چونکہ یہ تمام باتیں ہماری بحث و گفتگو کا محور ہیں اس لئے تھراً جو کچھ ہم نے ابوہریرہ کی تاریخ حیات کے بارے میں کہا ہے وہ بالکل درست اور بجا ہے ایسی صورت میں چونکہ ابوہریرہ کی جانب سے ہمارے لئے ان کی نقل کردہ روایات کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا ہے اور اسمیں بھی وہ مورد تہمت و تکذیب قرار پاتے ہیں اس کے علاوہ اس طرح کی روایت میں شبہات بھی پائے جاتے ہیں جس کے بارے میں ہم اپنے دور کے لوگوں سے اور نیز جو ہمارے بعد آنے والے ہیں ان سے کہتے ہیں؛ جو

بھی مذکورہ روایات یا اسی طرح کی دوسری روایات میں کسی ایسے امر کا مشاہدہ کرے جو عقل صریح اور علم صحیح یا حس و تجربہ سے منافات رکھتی ہو یا پھر قرآن حکیم، ذوق سلیم یا اسلام کے مقاصد عالیہ سے اختلاف رکھتی ہو یا یہ کہ اس کا تعلق ایسے مفاہیم سے ہو جو انسان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتی ہے اور اس کے دل و دماغ کو مطمئن نہیں کرتی تو اسے چاہیئے کہ وہ اسے ایک طرف رکھ دے اور اسے ہرگز قبول نہ کرے اس پر کسی قسم کا کوئی الزام عائد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے درست بیانی، صحیح دستور العمل اور پسندیدہ امور کے علاوہ اور کچھ صادر نہیں ہوتا اور اگر کوئی یہ کہے کہ اگر ابوہریرہ کے علاوہ کسی اور نے بھی اس قسم کی روایتوں کو نقل کیا ہو تو کیا ہوگا تو اس کے لئے بھی ہمارا جواب وہی ہے جو ہم بیان کرتے ہیں۔ خواہ وہ ابوہریرہ ہوں یا غیر ابوہریرہ اس میں کوئی تشخیص نہیں ہے۔ ہم نے ابوہریرہ کو اپنی بحث کا موضوع صرف اس لئے بنایا ہے کہ انہوں نے تمام صحابہ سے زیادہ نقل حدیث کی ہے۔ پھر یہ کہ ان کی منقولہ روایات میں اتنے اشکالات پائے جاتے ہیں جو کسی اور جگہ نہیں ملتے۔ ان اشکالات کی نوعیت بھی ایسی ہے کہ وہ ہر وقت دشمنان اسلام کے لئے ایک اچھا مواد فراہم کرتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس سلسلے میں آئمہ و ارباب حدیث نے تصریح کی ہے کہ:

اصول و ارکان اسلام یہ نہیں کہ جو کچھ کتب روایت میں آیا ہے مسلمان اس پر ایمان لے آئے۔ کیونکہ مذکورہ کتابوں میں جو کچھ آیا ہے وہ بطریق احاد وارد ہوا ہے اور وہ تنہا مفید "ظن" ہے اور ظن و گمان کبھی کسی کو حق سے بے نیاز نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ "عقائد" میں اس طرح کی روایات سے تمسک نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ الدلائے عقائد کو خبر "متواتر" سے لینا پڑتا ہے اور ہمارے پاس اخبار متواتر کے سلسلے میں قرآن حکیم کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں ہے اور جب بات

کی نوعیت یہ ہو تو پھر ہر شخص مختار ہے کہ وہ اس طرح کی کتابوں میں وارد ہونے والی روایات میں سے جس کو چاہے قبول کرے اور جسے چاہے ایک طرف رکھدے دونوں حالتوں میں اس پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں آسکتا۔ اس سلسلے میں ہمیں ابو حنیفہ، لیث بن سعد، مالک اور شافعی جیسے پیشوایانِ مذاہب دینی کی تاسی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے لئے ایک حدیث کو قبول کرکے اس پر عمل پیرا ہوتا تھا اور دوسرا اسے رد کرکے کسی اور حدیث کو اپناتا تھا مگر ہر شخص اپنی جگہ درست ہوا کرتا تھا اور جب جمہور کے درمیان مشہور روائیتی کتب ظہور پذیر ہوئے تو تمام مذاہب کے فقہانے انھیں کلی طور پر قبول نہیں کیا بلکہ انہوں نے فقط اپنے ادلہ مذاہب سے خواہ وہ ان کے محتویات کتب سے مخالف ہی کیوں نہ رکھتے ہوں تمسک کیا ہے مگر اس کے باوجود وہ دین سے خارج نہ ہوئے۔ اور یہی حال اکابرین نحویین کا تھا جو اپنے فن میں احادیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لائق لعنت سے نہیں جانتے تھے بلکہ مسلمانوں کے بہت سے ایسے گروہ ہیں جو مشہور روایتی کتب پر بنیادی طور پر اعتقاد نہیں رکھتے اور روایت و نقہ میں ان کے پاس اپنی کوئی مخصوص کتاب نہیں ہے۔ جس کی وہ پیروی کریں جیسے شیعہ، زیدیہ وغیرہ خاص طور پر فقہ امامیہ جو کسی حدیث کو معتبر نہیں جانتا جب تک کہ وہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کے سلسلے سے ان کے جد تک متصل نہ ہو یعنی جس کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے انہوں نے اپنے والد بزرگوار امام زین العابدین علیہ السلام سے انہوں نے اپنے والد ماجد امام حسین علیہ السلام سے (انہوں نے اپنے برادر بزرگوار امام حسن علیہ السلام سے) انہوں نے مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے اور انہوں نے رسولِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہو۔ لیکن باوجود روائیتیں ابو ہریرہ، سمرہ بن جندب، مروان

بن الحکم، عمران بن حطان، عمرو بن العاص اور ان جیسے افراد سے منسوب ہوں زہ فرقہ امامیہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں رکھتیں[1]۔ ایسی حالت میں کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان گروہوں میں سے کسی ایک پر بھی طعنہ زن ہو یا اس کے ایمان میں شک وتردید کرے کیوں کہ وہ سب کے سب اصول اسلام پر معتقد اور حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کے معترف ہیں، مگر ہر قوم کا ایک رہبر اور اس کی ایک الگ راہ ہوا کرتی ہے۔" قاری کو اپنی اس گفتگو پر اطمینان دلانے کے لئے ہم ذیل میں وہ قطعی دلائل اور واضح براہین کو پیش کر رہے ہیں۔ جو کامل طور پر ہماری گفتگو کی تائید کرتی ہیں اور اسی پر اپنی بحث کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ احمد نے اپنی مسند میں ابو حمید اور ابو اسید سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کبھی تم کسی سے ہماری کوئی حدیث سنو اور تمہارے قلوب اس سے آشنا ہوں اور وہ تمہارے ظاہر و باطن میں جذب ہو جائے اور تم اسے اپنے سے قریب پاؤ تو سمجھ لو کہ تمہاری نسبت میں اس سے زیادہ اولی ہوں اور جب کسی ایسی حدیث کو سنو جس سے تمہارے قلوب ناآشنا ہوں اور تمہارا ظاہر و باطن اس سے گریزاں ہو اور تم اسے اپنے سے دور محسوس کرتے ہو تو میں تمہاری نسبت اس سے زیادہ دور ہوں (اس حدیث کی اسناد درست اور صحیح ہیں)۔ حافظ ذہبی تذکرہ الحفاظ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے تذکرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں[2]: لوگوں کے لئے کسی ایسی چیز کے بارے میں حدیث کہو جس سے وہ آشنا ہوں اور ناآشنا چیزوں کو ان سے الگ رکھو، کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا اور اس کے رسول کی تکذیب

۱۔ اصل الشیعہ واصولہا، دسویں اشاعت۔ ص ۱۴۹

۲۔ ص ۲۲۲۔ خداوند عالم مولف کو اس حق گوئی اور پسندیدہ روش پر جزائے خیر عنایت فرمائے۔ (مترجم)

ں جائے (اس حدیث کو بخاری نے نقل کیا ہے) ابن مسعود کہتے ہیں: ہم جو بھی حدیث نقل کرتے ہیں اس کی صداقت کے لئے کتاب الہی سے گواہی پیش کرتے ہیں[1]۔ ربیع بن خثیم کا کہنا ہے کہ: دن کی روشنی اور چمک کی طرح حدیث کا بھی ایک نور ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے آپ اسے مان لیتے ہیں اور تاریکی شب کی طرح ایک ظلمت ہے کہ جسے آپ ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ امام ابوحنیفہ اپنی رد کردہ احادیث کے باب میں کہتے ہیں: "یہ جو میں برخلاف قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل شدہ احادیث کو رد کرتا ہوں تو یہ ردِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کا رد ہے جو اس حدیث کو از روئے باطل آپ سے نقل کرتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کہی ہوئی ہر بات ہماری سر آنکھوں پر ہے ہمیں اس پہ ایمان کامل ہے اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ ان کی کہی ہوئی ہر بات حق ہے اور اس بات کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ آپؐ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی جو مخالف دستور الہی ہو۔ آپ کی ہر بات کلام الہی ہے۔ آپ کا تعلق متکفین سے نہیں ہے[2]۔ حدیث کے بارے میں لوگوں کا فریضہ یہی ہے کہ جو بات ان کے قلوب کو مطمئن نہ کر سکے اسے الگ کر دیں اور اس کام میں کسی قسم کی ملامت ان کے گریبان گیر نہ ہو گی، لیکن جس چیز پہ بطور کلی ایمان لانا ضروری ہے وہ اللہ کی کتاب "قرآن کریم" ہے جس میں ہرگز کسی طرح بھی باطل کو دخل نہیں اور ساتھ ہی وہ احادیث ہیں جو اس کی موافقت میں ہوں۔ یہ ہے اصل مطلب اور مجھے امید ہے کہ میں نے اس کتاب کی تالیف میں حق علم و تاریخ کو ادا کر کے ابوہریرہ کی شخصیت کو کما حقہ آشکار کر دیا ہو گا۔ تاکہ اس ہستی کی تاریخ میں ایک صحیح

۱۔ تفسیر ابن کثیر۔ ص ۹۴۵

۲۔ کتاب مناقب ابوحنیفہ تالیف مکی۔ ص ۹۹

مفصل وجود میں آئے اور اسی کے ساتھ ہیں بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوں کہ وہ راہ حق کی پیروی میں ہماری راہنمائی فرمائے اور ہمیشہ سچا نفع رکھنے والی چیزوں میں ہمیں کامیاب بنائے انہ سمیع الدعا۔

(جیزہ فسطاط۔ شب اول ماہ رمضان ۱۳۸۱ھ ہجری مطابق ۶ فروری ۱۹۶۲ء عیسوی)

استدلال کرے ورآں حالانکہ وہ بنیادی طور پر انجیل کا معتقد نہ ہو اس کے علاوہ مدمقابل سے استدلال اور مناظرے کے سلسلے میں ایک باب ہے جسے باب الزام "کہا جاتا ہے اور جس کی مختصر سی تشریح یوں کی جاتی ہے کہ: مدمقابل کو اس محیط میں گھیر لو جسے اسنے اپنے لئے پسند کر رکھا ہے" اور یہ علماء کے درمیان ایک مسلمہ امر ہے جس کے لئے ہم کسی دلیل کی ضرورت محسوس نہیں کرتے: ایسی صورت میں ہماری گفتگو نہ عمومیت رکھتی ہے اور نہ ان تمام احادیث کی تصدیق کرتی ہے جنھیں ہم نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ کیوں کہ ان میں بعض علائم صحت سے ہمکنار ہیں اس مفہوم میں کہ یا تو وہ خود قرآن کریم کے ارشادات ہیں۔ یا پھر عقل سلیم ان کو تسلیم کرتی ہے یا یہ کہ نور نبوت کی شعاعیں ان کے درمیان سے پھوٹتی ہیں چاہے یہ شعاعیں ضعیف ہی کیوں نہ ہوں ایسی حالت میں ہم صرف ان احادیث پر بھروسہ کرتے ہیں کہ مذکورہ احادیث عالم روائت میں "احاد" سے تعلق رکھتی ہیں اور درحقیقت ظنی الدلالہ ہیں اور اس طرح وہ درجہ قطعیت تک نہیں پہنچ سکتیں اور دینی عقائد میں ان سے تمسک نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ یہ احادیث باعتبار معانی روائت ہوئی ہیں نہ ان الفاظ کے ساتھ جنھیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لبہای مبارک سے ادا کیا تھا۔ اس دقیق نکتے کے بارے میں جس طرف ڈاکٹر طہ احسین نے ہماری توجہ منعطف کی ہے۔ ہمارا جواب اتنا ہی ہے ہمیں امید ہے کہ ہمارا یہ جواب انھیں اور ان کے ہم عقیدہ تمام دانشمندوں کو مطمئن کر دے گا۔ کیونکہ یہی دانشمندوں کا گروہ میرے لئے کافی ہے اور اس کے علاوہ مجھے کسی سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

ضمیمہ

ضمیمہ ۱

حضرت سلمان محمدی رضوان اللہ علیہ صحابہ میں سب سے عظیم المرتبت صحابی تھے۔ ان کی اس عظمت و جلالت کے نمونہ کے طور پر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں عظیم سنی دانشور اور مشہور اور مستند محقق جناب ڈاکٹر حمید اللہ کی عربی کتاب "الوثائق السیاسیہ" کے اردو ترجمہ ص ۳۳۱ - ۳۳۶ سے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک حکم نامہ پیش کر رہے ہیں۔ جو حضرت سلمان رضوان اللہ علیہ کی جلالت و عظمت کی واضح ترین سند ہے۔ اس کتاب کا یہ ترجمہ جس کے حوالہ سے ہم یہ حکم نامہ پیش کر رہے ہیں مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے کیا ہے جسے مجلس ترقی ادب نے ۱۹۶۰ عیسوی میں لاہور سے شائع کیا ہے۔

الوثائق السیاسیہ" ڈاکٹر حمید اللہ کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر انہوں نے فرانس سے پی، ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور جسے تمام مسلمان علماء نے مستند تسلیم کیا۔ نیز اس حکم نامہ کا اصل نسخہ بھی محفوظ ہے۔

فرمان نبویؐ

برائے اقارب

سلمان فارسی (المجوسی)

مولف علام نے یہ فرمان حاصل کیا۔ سر جمشید جیتجی بھائی نیت
رئیس اعظم از مجوسی ہند بمبئی سے جو کہ ۲۱ ۱۲ یزد مطابق ۱۸۵۱ء میں
چھپا۔ یہ فرمان امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قلم سے
سرخ رنگ کے چمڑے پر لکھا ہوا ہے۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وثیقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے. مہدی فروح ابن شخسان برادر سلمان رضی اللہ عنہ، ان کے اہل بیت اور جملہ پس ماندگان سلمان مہدی فروح کے لیئے. ان میں سے جو لوگ اسلام قبول کرلیں اور وہ لوگ بھی جو اپنے قدیم دین پر قائم رہیں دونوں طبقوں کے لیئے ہے.

سلام ھو تم پر!

اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تمام بنی نوع بشر کو لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ کہنے کا حکم دیا ہے.

خدا ہی مخلوق کا پیدا کنندہ اور تمام امور کا سبب ہے اس کے خالق ہونے کے ساتھ تمام مخلوق کی حیات و ممات اس کے ہاتھ میں ہے اور حشر کے بعد سب کو اسی کے سامنے پیش ہونا ہے.

بالآخر ہر ایک کے لیئے زوال و فنا ہے، کل نفس ذائقۃ الموت اللہ کے امر (حکم) کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا نہ اس کی سلطانی کو زوال کا خطرہ ہے. اس کے جلال کی کوئی حد و نہایت نہیں نہ کوئی اس کی بادشاہی میں شریک ہے.

"سبحان مالک السموات والارض الذی یقلب الامور کما یرید"۔

(وہ ہر خامی سے منزہ مالک ہے زمین اور آسمان کا اور خود مختار ہے اپنے کاموں کے نفاذ میں)

وہ مخلوق کے اقسام میں تنوع اور اضافہ فرماتا ہے اور منزہ ہے قیل وقال سے، تعریف اس کے اوصاف کا احاطہ کب کرسکتی ہے۔ ذہن اس کی کنہ کے لئے لاکھ سعی کرے مگر بے سود ہے اس نے اپنی کتاب (قرآن) کو اپنی تعریف سے شروع فرمایا اور ہمارے لئے اس تعریف کو عبادت قرار دیا۔ بندوں کی طرف سے اپنی حمد وشکر پر خوش ہوتا ہے۔ بنی آدم کی طرف سے اس کی حمد وثنا اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اس کی حمد کرنے والوں میں سے بھی کوئی اس کا شمار نہیں کرسکتا۔ میں اس ذات وحدہ لاشریک کا اقرار کرتا ہوں جو ہر عیب وشر پر خوبی کے ساتھ نگراں ہے۔

یا ایھا الناس اتقوا واذکروا اللہ یوم ضغظۃ[1] الارض ونفخ نار الجہنم، والفزع الاکبر والندمۃ والخوف بین یدی رب العالمین انذرتکم کما انذر المرسلون لتسئلن عن النباء العظیم ولتعلمن نباء بعد حین۔

(اے بنی آدم! خدا سے ڈرو اور اس دن کا تصور کرو جس روز زمین شق ہوجائے گی جہنم کی آتشیں تپش سے فضا کرۂ نار ہوجائے گی اس خوفناک دہشت وپشیمانی اور رب العالمین کے حضور جوابطلبی سے میں تمہیں سابقہ رسولوں کی مانند متنبہ کرتا ہوں قیامت کے دن سے جس کا یقین تم بھی ذرا دیر کے بعد کرلوگے۔

جو شخص میری رسالت پر ایمان لائے اور مجھ پر خدا کی طرف سے نازل شدہ وحی کی تصدیق کرے وہ ہم میں سے ہے دنیا میں اس سے ہمارا کوئی

۱۔ ض غ ظ ۃ غالباً کوئی لفظ نہیں یہ ...... ضغطۃ تھا جو ماخذ میں طباعت کی غلطی سے ظ ہوگیا۔ یہاں اسکے معنی " فشارش "(المنتہی الادب) موزوں ہیں۔ (مترجم)

مقابلہ نہ ہوگا اور عقبہ میں ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کے پہلو بہ پہلو
جنت میں رہے گا۔ عذاب دوزخ سے اسے سدا کے لئے امن اور نجات
ہے۔ یہ وعدہ اللہ ہی نے مومنین کے لئے فرمایا: وان اللہ یرحم من یشاء
وھو العلیم الحکیم (اللہ تعالیٰ مختار ہے رحم کرنے میں اور وہ رحم کے لئے حکمت کام
میں لاتا ہے) عاصی کے لئے اس کی گرفت سخت ہے اور وہ غفور و رحیم ہے۔

(یہ قرآن اگر ہم پہاڑوں پر نازل کرتے تم دیکھتے کہ وہ خشیۂ الٰہی سے کس
طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جاتے ہیں خدا کا منکر گمراہ اور اس کی طرف سے
نازل کردہ دین اور رسول پر ایمان لانے والا بلند درجات پر فائز ہوگا۔
میرے اس فرمان کے مطابق۔ ان لوگوں کے لئے خدا کی امان ہے۔
ان کی اولاد اور مال پر بھی امان ہے جب تک وہ زمین پر آباد ہیں۔
وہ اپنی مقبوضہ زمین کے ہموار اور پہاڑی علاقے، چشموں، چراگاہوں پر
ان کا قبضہ اور استحقاق ہمیشہ کے لئے تسلیم ہے ان مراعات میں وہ افراد
بھی شامل ہیں جن کے بالواجہ فرمان ہذا پڑھا جائے۔
ہدی فروح اور ان کے پس ماندگان کا فرض ہے کہ وہ اس فرمان
میں لکھے ہوئے احکام کی پابندی کا خیال رکھیں۔
مسلمان ان پر ظلم نہ کریں نہ انھیں کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا کریں

اوران کے لئے یہ مراعات بھی ہیں۔

۱۔ وہ غلاموں کی مانند پیشانی کے بال نہ کٹوائیں۔

۲۔ اپنا زنار زیب گلو رہنے دیں۔

۳۔ جزیہ انھیں تا قیامت معاف ہے۔

۴۔ ان کے آتش کدوں کی بحالی اور ان کی آمدنی اور فروغ میں انھیں آزادی ہے۔

۵۔ لباس فاخرہ اور ہر قسم کی سواری کا انھیں اختیار ہے۔

۶۔ رہائش کے لیئے تعمیر مکانات اور اصطبل کی اجازت ہے۔

۷۔ اپنے طریق پہ جنازے لے جانے کے مجاز ہیں۔

۸۔ اپنے مذہب کے ہر ایک شعار کی پابندی کا اختیار ہے۔

۹۔ ہمارے تمام ذمیوں کے مقابلے میں وہ معزز و موقر ہیں۔

ان کے لیئے یہ مراعات سلمان رضی اللہ عنہ کی وجہ سے تمام مومنین رحمہ اللہ پہ واجب ہیں ان مراعات پہ مجھے وحی الہیٰ سے یہ اطلاع ہوئی ہے کہ :۔

ان الجنه لسلمان، اشوق من سلمان الی الجنه

(جنت سلمان کے لیے ان کی زیارت کی زیادہ مشتاق ہے۔ اس شوق کے مقابلہ میں جو سلمان کو جنت کے بارے میں ہے۔)

سلمان معتمد اور امین دخیر اندیش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جملہ مومنین کے نزدیک اور وہ ہم ہی میں سے تو ہے۔

اس زمان میں سلمان کے اہل بیت اور پس ماندگان کے لیے جن مراعات اور احسان کا تذکرہ کیا گیا ہے زنہار کوئی مسلمان ان میں دخل انداز ہو۔ یہ یہ مراعات سلمان کے خاندان میں سے مسلمانان اور ان میں سے اپنے قدیم دین پر قائم رہنے والے ہر دو صنف کے لیئے یکساں ہیں۔

مسلمانوں میں سے جو شخص میرے ان احکام پر عمل پیرا ہو اس کے لئے خدا تعالیٰ کی رضامندی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے اس پر تا بہ قیامت خدا کی لعنت ہے۔

جس شخص نے پس ماندگان سلمان کی تعظیم کی اس نے میری تکریم کی اور وہ عنداللہ بھلائی کا حقدار رہا اور جس کسی نے ان کو ایذا پہنچائی اس نے مجھے تکلیف دی میں قیامت کے روز اس سے انتقام لوں گا۔ اس کی جزا جہنم ہے اور میں اس کی شفاعت سے بری ہوں۔

والسلام علیکم والتحیہ لکم من ربکم

(تم پر سلامتی اور تمہارے رب کی طرف سے انعام ہو)

کاتب : علی بن ابی طالب (آلہ و)

بحکم : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -

بموجودگی۔ ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف سلمان، ابوذر، عمار، حبیب، بلال، مقداد بن اسود بشمول بے شمار مومنین کے۔ رضی اللہ عنہم و علی الصحابہ اجمعین۔

وعمر نے حدیث بیان کرنے کا منع فرمایا اور مارا جو
73 پیٹ کی خاطر رسول سے دوستی کی۔

تصدیق صحت متن آیات شیخ المضیرہ

میں نے (شیخ المضیرہ) میں مندرج آیات قرآنیہ کو حرفاً حرفاً پورے غور و امعانِ نظر سے پڑھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ ان آیات کے متن میں کوئی کمی بیشی اور کتابت میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ انشاء اللہ

حافظ محمد حسین سند یافتہ

امام نایب جامعہ مسجد لیاقت آباد کراچی